رُوحیں بولتی ھیں

رُوحیں بولتی ھیں

سیّدہ سعیدہ خاتون عظیمی

مکتبہ عظیمیہ
اُردو بازار لاہور

مکتبہ عظیمیہ - اردو بازار - لاہور

نام کتاب ـــــــ روحیں بولتی ہیں

مصنف ـــــــ سیدہ سعیدہ خاتون عظیمی

ناشر ـــــــ مکتبہ عظیمیہ، لاہور

مطبع ـــــــ اے۔ وائی پرنٹرز لاہور

قیمت ـــــــ 100 روپے

فون برائے رابطہ:

۷۲۴۳۵۴۱

انتساب

اس روح کے نام

جس نے مجھے روحانی بنادیا

روحیں بولتی ہیں

	انتساب	
	عرضِ حال	
1-	قائم الصلوٰۃ	۹
2-	روزہ	۱۹
3-	صدقہ جاریہ	۲۷
4-	تقدیر اور تدبیر	۳۵
5-	علم نجوم	۴۳
6-	روح کی غذا	۵۰
7-	چھپا ہوا خزانہ	۵۸
8-	جسم مثالی	۶۳
9-	عالم مثال	۷۱
10-	مقام ادب	۷۸
11-	رحمت اللعالمین	۸۵
12-	کوشش نفس	۹۳
13-	آدم اور ابلیس	۹۷
14-	شعائر اللہ	۱۰۷
15-	براق	۱۱۳
16-	آدم	۱۲۰
17-	امانت	۱۲۹
18-	وراثت	۱۳۷
19-	معلمِ جنات	۱۴۴

20- خود آگاہی ۱۵۲
21- ذائقتہ الموت ۱۵۷
22- حیات ابدی ۱۶۵
23- نقطۂ ادراک ۱۷۲
24- شیطانی ہتھکنڈے ۱۷۸
25- خلیل اللہ ۱۸۳
26- الحان داؤدی ۱۹۰
27- لمحۂ سکوت ۱۹۶
28- اللہ کی نظر ۲۰۱
29- لوحِ محفوظ ۲۰۵
30- لی مع اللہ وقت ۲۱۲
31- فکرِ وجدانی ۲۱۹
32- مقامِ قُرب ۲۲۵
33- معرفتِ ذات ۲۳۲
34- عالم ہیئت ۲۳۹
35- ذات کا ادراک ۲۴۶
36- کن فیکون ۲۵۱
37- سیاق کی تجلی ۲۵۷
38- نورِ نبوّت ۲۶۱
39- مصوّر الارحام ۲۶۸
40- صراطِ مستقیم ۲۷۵

عرضِ حال

"زندگی جب زندگی سے گلے ملتی ہے تو ایک نئی زندگی کا آغاز ہوتا ہے۔"

یوں تو ہر آدمی "جیتا مرتا ہے" مگر میں نے اس جملہ پر غور کیا تو شعور لرزنے لگا۔ غنودگی نے مجھے اپنی آغوش لے لیا۔ تیز کرنٹ کا جھٹکا لگا۔ یہ کرنٹ پیروں میں سے زمین میں ارتھ ہوا۔۔۔ دھوئیں کی لاٹ کی طرح کوئی چیز اوپر اٹھی اور یہ دھواں خدوخال میں تبدیل ہو گیا۔

مجھے حیرت ہوئی کہ یہ سعیدہ خاتون عظیمی تھی۔

میں نے اپنی روح کو اداس' بے چین' ضعیف و ناتواں اور ادھورا دیکھا تو دل ڈوبنے لگا۔ ڈوبتے دل میں ایک نقطہ نظر آیا۔ اس نقطہ میں حدوحساب سے زیادہ گہرائی میں مرشد کریم کی تصویر دیکھی۔ لاکھوں کروڑوں میل کی مسافت طے کر کے اس تصویر تک رسائی ہوئی۔

میری روح جو جنم جنم کی پیاسی تھی' بے قراری کے عالم میں' نقطہ میں بند اس تصویر سے گلے ملی تو اسے قرار آگیا۔ سرمستی میں جھوم جھوم گئی۔ جمود ٹوٹا تو الفاظ کا سیل بے کراں بہہ نکلا اور روح کہانی صفحہ قرطاس پر مظہر بن گئی۔

روح کہانی کتاب' واردات و کیفیات کے ان علوم پر مشتمل ہے جو مجھے مرشدِ کریم حضرت خواجہ شمس الدین عظیمی (باباجی) کی رُوح سے منتقل ہوئے۔ میں یہ علوم اپنی بہنوں کے سپرد کرتی ہوں تاکہ وہ توجّہ کے ساتھ ان علوم کو اپنی اولاد میں منتقل کردیں۔

دعاگو

سیدہ سعیدہ خاتون عظیمی

تاریخ 1-9-94

کچھ عرض ہے؟

محترمہ سیدہ سعیدہ خاتون عظیمی 23 مارچ بروز اتوار 2003ء کو مانچسٹر میں رحلت فرما گئیں۔ اناللہ وانا الیہ راجعون۔

مرحومہ نے ایک طویل عرصہ تک سلسلہ عظیمیہ کے مشن کے فروغ میں نہایت ہی شاندار خدمات سرانجام دیں۔ آپ نے برطانیہ میں سلسلے کے فروغ میں انتہائی اہم اور سرگرم کردار ادا کیا۔ مرشد کریم حضرت خواجہ شمس الدین عظیمی اور امام سلسلہ حضور قلندر بابا اولیاء کے ساتھ باجی صاحبہ کی وابستگی اور محبت بہت زیادہ تھی۔

سلسلہ عظیمیہ کے اراکین محترمہ سعیدہ خاتون عظیمی سے بے حد عقیدت اور محبت رکھتے ہیں۔ آپ جب بھی پنجاب کے دورے پر تشریف لاتیں تو میں اُن کے ساتھ ہمیشہ جاتا آپ نے سلسلہ عظیمیہ کے پیغام کو یورپ امریکہ اور کینیڈا میں پھیلانے میں کافی کام کیا۔ آپ سالفورڈ یونیورسٹی مانچسٹر میں روحانی علوم پڑھنے پر بھی مامور رہی تھیں۔

روحانی دنیا کا ایک دستور ہے کہ جب بندہ دنیا میں زندہ رہتا ہے۔ وہ اپنا کام صرف اللہ اور اُس کے رسول کے فرمان کے مطابق سرانجام دیتا رہتا ہے مگر وصال کے بعد اُس کا دنیا میں ایک خلا ہمیشہ رہے گا۔ باجی صاحبہ کا بھی خلا باقی رہے گا۔ مگر اُن کا فیض ہمیشہ جاری اور ساری رہے گا۔

اللہ تعالیٰ سے دعا گو ہوں کہ وہ مرحومہ کو نبی کریم ﷺ کے صدقہ میں اپنے جوار رحمت میں جگہ عطا فرمائے اور پسماندگان کو صبر جمیل عطا فرمائے۔

"دعا گو و دعا جُو"

میاں مشتاق احمد عظیمی

مراقبہ ہال (جامعہ عظیمیہ)

قائم الصلوٰۃ

ایک مرتبہ فون پر میری سہیلی نے کہا کہ باجی آپ کی اور باباجی خواجہ شمس الدین عظیمی کی تعلیمات پر غور کرنے سے دل کو بہت سکون ملتا ہے اور یہ بات ذہن میں آجاتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات اپنی مخلوق پر نہایت ہی مہربان اور رحم کرنے والی ہے۔ اور انسان کو چونکہ اللہ تعالیٰ نے اپنے خاص مقصد کے لئے بنایا ہے اس لئے انسان کو ایسے راستے بھی دکھا دیئے ہیں جن کے ذریعے وہ اللہ تعالیٰ سے ملاقات کر سکتا ہے۔ ہم مسلمانوں کا یہ عقیدہ ہے کہ مرنے کے بعد جنت ملے گی اور راحت و خوشیاں میسر آئیں گی۔ ان راحت و خوشیوں کو حاصل کرنے کے لئے عام طور سے نماز پڑھنے پر بہت زور دیا جاتا ہے اور یہ سمجھا جاتا ہے کہ نماز کی پابندی ہی ایک ایسا عمل ہے جو آخرت کی خوشیاں دلا سکتا ہے روحانی علوم کی بات جب چلتی ہے تو لوگ میرا مذاق اڑانے لگتے ہیں کہ تم روحانیت کو کیونکر سمجھ سکتی ہو۔ فی الواقع میرے پاس اتنا علم نہیں ہے کہ میں ان کا جواب دے سکوں۔ اگر آپ ان پر کچھ روشنی ڈالیں تو ہم سب کے لئے فائدہ مند ہو گا۔ میں نے اس سے کہا کہ زندگی کے ہر عمل کے لئے اللہ تعالیٰ کے مخصوص قوانین ہیں۔ جن کی روشنی میں وہ عمل انجام کو پہنچتا ہے جیسے آپ مختلف کھانے پکاتے ہیں۔ جب کھیر پکاتے ہیں تو اسے سالن والے طریقے پر نہیں پکاتے اس میں نمک، مرچ، ہلدی، دھنیا نہیں ڈالتے بلکہ

دودھ شکر ڈال کر سالن سے علیحدہ ترکیب استعمال کی جاتی ہے۔ اسی طرح ہر کھانا اپنی مخصوص ترکیب سے بنتا ہے۔ زندگی کا ہر عمل بھی ایک مخصوص طرز پر ہے۔ روزی کمانے کے لئے اللہ تعالیٰ نے الگ ضوابط اصول رکھے ہیں۔ اقرباء اور ضرورت مندوں کو مالی منفعت پہنچانے کے لئے علیحدہ قوانین بنائے گئے ہیں۔ ہر عمل اور ہر قانون قدرت کو جاننے اور سمجھنے کے لئے اس کے مکمل علوم جاننے کی ضرورت ہے۔ اس نے مجھ سے ملاقات کا وعدہ لیا اور یہ بات ختم ہو گئی۔ مگر میرا دماغ اس کی افہام و تفہیم میں چل پڑا کہ آخر مسلمانوں میں دین کی سمجھ کیوں نہیں ہے جبکہ ان کے پاس کتاب المبین ہے۔ روحانیت تو روح کے علوم ہیں اور ہر انسان کے اندر روح موجود ہے اور کام کر رہی ہے۔ یہ ضروری نہیں ہے کہ صرف مسلمان ہی اپنی روح سے رابطہ قائم کر سکتے ہیں۔ ہر شخص کے اندر روح متحرک ہے وہ جب بھی چاہے اپنی روح سے واقفیت حاصل کر سکتا ہے۔ ہر شخص یہ کیوں سمجھتا ہے کہ جو علم اس کے پاس ہے اس سے زیادہ کوئی اور جانتا ہی نہیں۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ تو فرماتے ہیں کہ اللہ کے علوم اس قدر ہیں کہ تمام درخت قلم بن جائیں اور تمام سمندر سیاہی بن جائیں بلکہ ان سے بھی کئی گناہ زیادہ آجائیں تب بھی اللہ کے علوم ختم نہیں ہو سکتے۔ یہی بات تو حضرت خضر علیہ السلام اور موسیٰ علیہ السلام کے واقعے میں بیان کی گئی ہے جس میں اس بات کی وضاحت کر دی گئی ہے کہ حضرت موسیٰؑ جیسے جلیل القدر پیغمبر کو بھی جو علوم حاصل تھے ان کے علاوہ بھی اللہ تعالیٰ کے ایسے علوم ہیں جن سے اس وقت حضرت موسیٰؑ واقف نہ تھے۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں حضرت خضرؑ سے ملوایا۔ خود حضور پاکؐ کی دعائے ماثورہ کا ترجمہ یہ ہے۔

”اے اللہ۔ میں تیری جناب میں ہر ایک ایسے اسم کا واسطہ لاتا ہوں جو تیرے اسم مقدس ہیں۔ اور اس کو تو نے اپنے لئے مقرر فرمایا یا اس کو تو نے اپنی کتاب قرآن مجید میں نازل فرمایا ہے یا اپنی مخلوق میں سے کسی کو اس کا علم دیا یا اپنے علم میں اس کا جاننا اپنے لئے مخصوص فرمایا۔“

اب آپ خود بتائیے کہ جب باعث تخلیق کائناتؐ۔ محبوب خدا خود اس بات کا دعویٰ نہیں کرتے کہ آپؐ کو جو علوم حاصل ہیں۔ ان کے علاوہ اور کوئی علوم ہی نہیں ہیں تو ایک عام انسان کا اپنے علم پر زعم کرنا اللہ تعالیٰ کے علوم کو محدود سمجھنے کے سوا اور کیا ہے۔ جب کوئی دوسرے کا مذاق اڑاتا ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ خود اس سے زیادہ جانتا ہے۔ میرا دل دکھ سا گیا، رات ہو چلی تھی، میرے دل میں خواہش پیدا ہوئی کہ اے میرے رب مجھے ان سوالوں کے ایسے جوابات عطا فرما جس پر شعور انسانی مطمئن ہو جائے کیونکہ لاعلمی سے خوف، بے سکونی اور بے یقینی پیدا ہوتی ہے۔ ذات باری تعالیٰ نہایت ہی مہربان اور کریم ہستی ہے۔ میرے ذہن کے پردے پر یہ آیت ابھری ”جو ہماری راہیں تلاش کرتا ہے ہم اسے اپنی راہ دکھا دیتے ہیں۔“ میرا ذہن بار بار انہی الفاظ کو دہراتا۔ مجھے یوں محسوس ہوا کہ سخت اندھیرا ہے اور میں اندھوں کی طرح ہاتھ سے ٹٹول کر بہت ہی سنبھل سنبھل کے قدم اٹھا رہی ہوں۔ دل میں مسلسل دھڑکا ہے کہ اس اندھیرے میں قدم ادھر ادھر نہ پڑ جائے اور ٹھوکر نہ کھا جاؤں۔ ہر بار جب ذہن اس آیت کو دہراتا میرا ایک قدم اندھیرے میں آگے بڑھ جاتا۔ جانے کتنی بار آیت دہرائی اور جانے کتنے قدم اندھیرے میں اٹھائے میری تو تمام توجہ اس گھپ اندھیرے میں سے باہر نکلنے پر تھی۔ اچانک روشنی کا ایک جھماکا ہوا میری آنکھیں چکا چوند ہو گئیں۔ کیا دیکھتی ہوں کہ روح اپنی پوری آب و تاب کے ساتھ بقعہ نور بنی سامنے کھڑی ہے۔ میری جان میں جان آئی

جیسے کسی اندھے کو آنکھیں مل جائیں۔ عدم تحفظ کا احساس یکسر ختم ہو گیا۔ خوف کی جگہ چہرے پر اطمینان کا رنگ آگیا۔ میں نے خوش ہو کر کہا شکر ہے تم آگئیں ورنہ میں تو اس اندھیرے میں اپنے آپ کو اندھا سمجھنے لگی تھی۔ روح بولی میری روشنی ہی تو تمہاری نظر ہے' میرا ارادہ ہی تو تمہاری حرکت ہے' تم میرا سایہ ہو' تم میرا لباس ہو۔ میرے بغیر تمہاری کوئی حیثیت نہیں ہے۔ نہ ہی میرے بغیر تمہارا وجود ہے۔ میں نے سکون کا سانس لیتے ہوئے کہا۔ اے روح تیرے بغیر میں بھی اپنا وجود نہیں چاہتی۔ وہ خوش ہو گئی اور میرے اور قریب آگئی۔ کہنے لگی۔ اب تم بتاؤ کس چیز میں الجھی ہوئی ہو۔ میں نے کہا۔ اچھی روح یہ بات سمجھا دو کہ شریعت کے احکامات کی روحانی نقطۂ نظر سے کس طرح تشریح کی جا سکتی ہے۔ وہ فوراً بولی شریعت کائناتی نظام میں کام کرنے والے قوانین ہیں اور روحانیت ان قوانین کی حکمتوں کو جاننا اور سمجھنا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو اسمائے الٰہیہ کے علوم عطا کئے ہیں۔ اسمائے الٰہیہ اللہ تعالیٰ کی تجلیات ہیں۔ یہ تجلیات ایک مربوط نظام کے تحت کائنات کو سنبھالے ہوئے ہیں۔ کائناتی نظام کو اللہ تعالیٰ کے ارادے کے مطابق قائم رکھنے کے لئے اسمائے الٰہیہ کے جاری کردہ قوانین ازل سے ابد تک کی حدود میں کام کرتے ہیں تاکہ کائنات میں بسنے والی مخلوق اللہ تعالیٰ کے ارادے کے مطابق اپنی زندگی کی حرکت کو جاری رکھ سکے۔ قوانین پر پوری طرح اسی وقت عمل ہو سکتا ہے جب کہ ان قوانین کی حکمت عملی اور قانون جاری کرنے والے کے تفکر سے واقفیت ہو۔ اس کی مثال یوں دی جا سکتی ہے کہ ایک پیالے میں زہریلا شربت ہے۔ ایک آدمی اس بات سے واقف ہے کہ شربت میں زہر کی کتنی مقدار ہے اور اس شربت کے پینے سے آدمی کو کیا نقصان پہنچے گا دوسرا آدمی شربت کے اندر کے زہر سے ناواقف ہے وہ تو صرف یہ جانتا ہے کہ شربت پینے والی چیز ہے وہ اپنے اس ناکافی علم کی بناء پر شربت پی لیتا ہے اور زہر سے نقصان اٹھاتا ہے مگر جو شخص شربت کی نوعیت سے واقف ہے وہ اسے زہریلا سمجھ کر چھوڑ دیتا ہے اور نقصان سے بچ جاتا ہے۔ اس مثال میں یہ بات قابل غور ہے کہ تھوڑا اور ناکافی و ادھورا علم انسان کے کام کو عمل کی انتہائی بلندی اور مرتبہ کمال تک نہیں پہنچاتا بلکہ راستے میں ہی چھوڑ دیتا ہے جبکہ انسان کے لئے اللہ تعالیٰ نے مقام محمود یعنی انسانیت کی معراج منزل کمال مقرر کی۔ مقام محمود وہ حد ہے جس تک اللہ تعالیٰ نے انسان کو اسمائے الٰہیہ کے علوم عطا فرمائے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی صفات و کمالات' شعائر و عادات اور قوانین تجلیات کو اللہ تعالیٰ کے اسماء قرار دیا گیا ہے۔

روح کی ہر بات نور بنکر میرے قلب میں سمائے جا رہی تھی۔ مجھے ہر بار یوں لگتا جیسے میری بینائی تیز ہوتی جا رہی ہے میں نے روح سے پوچھا اے میری معلم قائم الصلوٰۃ میں اللہ تعالیٰ کی کیا حکمتیں اور تفکر کام کر رہا ہے۔ یوں تو میرے باباجی خواجہ شمس الدین عظیمی نے اپنی کتاب روحانی نماز میں اور بے شمار مضامین میں اس کی وضاحت کر دی ہے مگر آج جبکہ میرے دل میں یہ سوال اٹھا ہے اور تم میرے سامنے ہو میں جاننا چاہتی ہوں کہ تم کس طرح اس قانون اور حکم الٰہی کا مفہوم بیان کرو گی۔ میرے اس سوال پر وہ ایک دم جوش میں آگئی۔ اس کا نور ایک دم جیسے بھڑک اٹھا۔ ایک بجلی کوندی۔ روح کی آواز تحکمانہ انداز میں بلند ہوئی۔ نادان لڑکی تم جاننا چاہتی ہو کہ قائم الصلوٰۃ کا دائرہ کیا ہے۔ میں نے اپنی قوتوں کو اور تمام حواس کو یکجا کرتے ہوئے ہمت کے ساتھ جواب دیا۔ ہاں میں قائم الصلوٰۃ کے تفکر کا دائرہ دیکھنا چاہتی ہوں۔ روح بولی۔ لو دیکھو۔ اتنا کہتے ہی روح کی تجلی میرے دل پر گری اور میری آنکھوں میں اس کی پوری پوری روشنی داخل ہو

گئی۔ میری آنکھیں اور بھی زیادہ کھل گئیں۔ میں نے دیکھا روح سے بہت فاصلے پر ایک تجلی ہے خیال آیا کہ یہی میرا رب ہے۔ اس تجلی سے نور روح کی آنکھوں میں داخل ہو رہا ہے اور روح پوری کی پوری اس تجلی کی روشنی میں ہے۔ پھر روح سے یہی نور نکل کر میری جانب آ رہا ہے۔ ایک لمحے کو میرے ذہن سے روح کی ذات اور خود میری اپنی ذات بھی نکل گئی اور میں بے ساختہ کہہ اٹھی۔ اے میرے رب آپ ہی ہمارے رب ہیں۔ اس اقرار کے ساتھ ہی میرے اندر عاجزی پیدا ہوئی' میں نے دیکھا روح نہایت ہی عقیدت بھری اور پیار بھری نظروں سے اپنے رب کو دیکھ رہی ہے اور میری قلب کی آنکھ اس کی محبت کے سرور سے نشیلی ہوتی جا رہی ہے۔ ٹکٹکی باندھے اپنے محبوب کو' اپنے رب کو دیکھ رہی ہے اور میرا دل نت نئے ارمانوں کی آماجگاہ بنتا جا رہا ہے۔ روح کی خاموش نگاہیں میرے دل میں عشق الٰہی کے طوفان منتقل کر رہی ہے۔ ہر آن میرا جی چاہتا کہ روح کی آنکھوں میں سما جاؤں جن نظروں سے وہ اپنے رب کو دیکھ رہی ہے۔ ہر آن میرا جی چاہتا میں روح کے دل میں داخل ہو جاؤں جس دل سے وہ اللہ کے قریب ہے۔ مجھے یوں لگا جیسے میں آہستہ آہستہ روح کے اندر سماتی جا رہی ہوں۔ ہوا کی طرح میرا وجود بھی روح کے اندر سما گیا۔ اب روح کا تفکر میرا تفکر بن گیا' روح کی حرکت میری حرکت بن گئی' روح کی آنکھ میری نظر بن گئی۔ میں نے روح کے تفکر اور روح کی نظر سے اللہ کو دیکھا۔ یوں لگا جیسے روح کا ظاہر باطن سب کچھ تجلی ہے۔ اللہ کی تجلی کی روشنی ہی روح کے حواس ہیں جن کے ذریعے وہ اللہ کی تجلی کو دیکھ رہی ہے۔ روح کی آواز باطن میں گونجی۔ قائم الصلوٰۃ کی معراج مرتبہ احسان ہے۔ اللہ انسان کی نظر بن جاتا ہے۔ جس نظر سے وہ اللہ کو دیکھتا ہے۔ اللہ انسان کا دل' دماغ اور ہاتھ بن جاتا ہے جس سے وہ محسوس

کرتا ہے اور سوچتا ہے۔ قائم الصلوٰۃ جب ہوتی ہے اللہ تعالیٰ سے حضوری مرتبہ یقین و احسان کو نہیں پایا وہ اپنی نمازوں کو ضائع کرنے والوں میں سے ہے۔ جن کے متعلق اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ "خرابی ہے ان نمازیوں کی جو اپنی نمازوں کی حفاظت نہیں کرتے۔" میں نے کہا۔ اے روح نمازی جو نماز کو پابندی سے پڑھنے کا عادی ہو اس کی خرابی کیسے ہو گی۔ روح بولی میری نظر کے ساتھ اپنی نظر ملائے جاؤ اور جہاں میں دیکھتی ہوں تم بھی وہاں میرے دیکھنے کو دیکھتی جاؤ تمہیں تمہارے سوال کا جواب مل جائے گا۔ میں نے روح کی نظر کی روشنی میں اپنی نظر ملائی۔ کیا دیکھتی ہوں لوگوں کی صفوں کی صفیں ہیں بے شمار لوگ ہیں جو نماز پڑھ رہے ہیں۔ ان کے گوشت پوست کے جسم تو نماز کی حالت میں ہیں مگر ان کے جسم مثالی یا روشنیوں کے جسم عالم روشنی میں اس عالم میں بسنے والی اشیاء کے ساتھ مشغول ہیں۔ کوئی اپنے بچے سے کھیل رہا ہے' کوئی روپے گن رہا ہے' کوئی کسی اور طرح اس دنیا میں مشغول ہے غرضیکہ ان لاتعداد نمازیوں میں سے ایک بھی تو ایسا نہ تھا جس کے سامنے اللہ ہو بلکہ ہر ایک کے سامنے دنیا کی کوئی نہ کوئی شے تھی۔ میرا دل کانپ اٹھا یا اللہ یہ تو سراسر منافقت ہے۔ میں نے کانپتے دل کے ساتھ روح سے پوچھا۔ "اچھی روح تم تو میری رہبر ہو میری محسن ہو مجھے بتاؤ کہ نماز کی خرابی سے کس طرح بچا جا سکتا ہے۔" بولی تم نے دیکھ لیا جب بندہ یہ دعویٰ کرے کہ میں اللہ کے لئے عبادت کر رہا ہوں اور اس کی آنکھوں کے سامنے اللہ کے بجائے غیر ہو۔ عبادت کا مطلب ہی اللہ کو دیکھنا اور اس سے ذہنی رابطہ قائم کرنا ہے۔ آنکھ جو کچھ دیکھتی ہے اس کے ساتھ اس کا ذہنی و فکری رابطہ بھی قائم ہو جاتا ہے پس بندہ تو یہ بات علی الاعلان کہتا ہے کہ میں نماز پڑھتا ہوں اور اس کی آنکھ اور اس کا ذہن و دل دنیا میں لگا ہوتا ہے تو ایسا جھوٹ اللہ تعالیٰ کی

ناراضگی کا سبب بنتا ہے' اس جھوٹ سے بندے کے دل میں بے یقینی بڑھ جاتی ہے اور وہ اللہ سے دور ہو جاتا ہے۔ ایسے ناکارہ اعمال ضیاع عمری ہیں۔ کیا تم نہیں جانتیں کہ اللہ تعالیٰ نے دوسری مخلوقات پر آدم کو فضیلت اسمائے الٰہیہ کے علوم کی بناء پر دی ہے اور یہی علوم آدم کی نیابت و خلافت کی بنیاد ہیں۔ ہر عمل اور ہر شے سے پہلے اس کا علم ہے۔ علم نہیں ہے تو شے کا تذکرہ اور وجود بھی نہیں ہے۔ قائم الصلوٰۃ کرنے کے لئے سب سے پہلے ان قوانین کا جاننا ضروری ہے جن کے ذریعے سے قائم الصلوٰۃ ہو سکے اور اللہ تعالیٰ سے حضوری میسر آ جائے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ عبادت کے لائق صرف اللہ کی ذات ہے قائم الصلوٰۃ کرنے کا پہلا اصول مراقبہ یا دھیان ہے۔ ہر پیغمبر جب اپنی قوم کے لئے معاشرتی زندگی کو اللہ تعالیٰ کی رضا و منشاء کے مطابق ڈھالنے کے لئے شریعت کے قوانین لیکر آئے تو سب سے پہلے خود اس پیغمبر نے اللہ تعالیٰ سے صلوٰۃ یعنی رابطہ قائم کیا۔ حضرت ابراہیمؑ نے اس سلسلے میں سورج' چاند' ستاروں پر غور کر کے اللہ کو تلاش کیا۔ جس کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔ ہم نے ابراہیم کو آسمان و زمین کی بادشاہی دکھا دی" یعنی آسمان و زمین کے اندر جاری کردہ نظام قدرت دکھلا دیئے۔ یہی غور و فکر مراقبہ ہے جس کے بعد قائم الصلوٰۃ ہوئی اور اللہ سے رابطہ قائم ہوا جس کے نتیجے میں آسمان و زمین کی بادشاہی دیکھنی نصیب ہوئی اور پھر آپ کو نبوت ملی اس کے بعد شریعت کے اصول و قوانین عطا کئے گئے۔ حضرت موسیٰؑ کے قصے کو پڑھو۔ حضرت موسیٰؑ کا ذہن ایک پیغمبر کا ذہن ہے جو ہمیشہ سے توحید پر قائم رہتا ہے اور پیغمبر معبوث کئے جانے سے پہلے توحید پر قائم رہنے کے راستے تلاش کرتا ہے تاکہ دنیائی خرافات سچے راستے پر قائم رہنے میں رکاوٹ نہ بنے۔ حضرت موسیٰؑ کو اسی باطنی حقیقت و سچائی کو پہچاننے کی بناء

پر اللہ تعالیٰ نے کوہ طور پر بلایا فرماتے ہیں۔ "اے موسیٰؑ یہ وادیٔ طور ہے' یہ پاک جگہ ہے۔ اپنی جوتیاں اتار کر ہمارے دربار میں حاضری دو۔" یہاں مراقبے کا بنیادی اصول بتایا گیا ہے۔ جوتیوں سے مراد دنیاوی و مادی حواس ہیں کہ مادی حواس کو چھوڑ کر روحانی حواس میں داخل ہونا مراقبہ ہے۔ اسی کام کو مزید آگے بڑھانے کے لئے طور پر چالیس دن رات اللہ تعالیٰ کے ساتھ دھیان اور مراقبہ کی حالت میں رہنے کا حکم ہوا اور جب اس مراقبہ سے صلوٰۃ قائم ہو گئی تو بنی اسرائیل کے لئے شریعت کے قوانین و تختیاں نازل ہوئیں۔ حضور پاکؐ بعثت سے پہلے غار حرا میں قیام کر کے تنہا رہے' رب سے دھیان لگاتے رہے آخر کار اس مراقبہ کے ذریعے آپؐ کا رابطہ اللہ تعالیٰ سے ہو گیا اور آپؐ رسول معبوث ہوئے اور پھر شریعت محمدیؐ کے قوانین و اصول عطا ہوئے۔

اور میں سوچنے لگی کہ آج کا مسلمان نماز کی پابندی پر تو اتنا زور دیتا ہے مگر وہ اس بات کو قطعی نہیں جانتا کہ نماز کا حاصل کیا ہے۔ اگر پیغمبرؐ نماز کی پابندی کرتے تھے یا رات رات بھر سجدے میں رہتے تھے یا قیام کی حالت میں رہتے تھے تو اس صلوٰۃ سے ان کا رابطہ اللہ کی ذات سے قائم رہتا تھا نہ کہ وہ صلوٰۃ کے اندر دنیاوی کاموں میں مشغول رہتے تھے۔ ہم نے اپنے پیغمبرؐ کی پیروی تو کی مگر وہ عمل جس کے اندر سے علم نکال دیا جائے وہ جسم بغیر روح کے ہے کہ ہر عمل کی روح اس کا علم ہے اور قانون قدرت کے اعتبار سے ہر شے دو رخوں پر ہے۔ عمل کا ایک رخ تو موجود ہے مگر دوسرا رخ نظر سے اوجھل ہے تو اس طرح ہماری نمازیں جسمانی حرکت کے سوا اور کچھ نہیں پس ایک مقررہ وقت کے بعد جب مادی جسم بے حرکت ہو جائے گا صلوۃ کے دوسرے رخ سے ناواقفیت کی بناء پر صلوٰۃ کا عمل بھی ساکت اور فنا ہو جائے گا۔ ایسی ہی خرابیوں سے اللہ انسان کو

بچانا چاہتا ہے۔ کیونکہ آخرت کی دنیا روحانی دنیا ہے۔ آخرت کے عالم میں ہر شے اپنے روحانی جسم کے ساتھ باقی رہے گی اور زندگی گزارے گی۔ اگر انسان اپنے کسی بھی عمل میں اس عمل کی روحانی قدروں سے واقف نہیں ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ عمل صرف موجودہ زندگی اور موجودہ دنیا کے لئے کر رہا ہے چنانچہ اس زندگی میں وہ اس عمل کو کہاں ڈھونڈے گا جبکہ اس عمل کی روحانی تشکیل نہیں ہوئی جیسے ماں کے پیٹ میں حمل قرار پا جانے کے بعد صحیح فیڈنگ نہ ہونے کی بناء پر بچہ مکمل ہونے سے پہلے ہی ضائع ہو جائے۔ ماں کو یہ تو معلوم ہے کہ حمل قرار پا گیا مگر وہ بچے کو پا نہ سکی۔ جسکی وجہ سے وہ محرومی کا شکار ہو جاتی ہے بالکل اسی طرح انسان کے جس بھی عمل میں ظاہری باطنی دونوں قدریں شامل نہ ہوں وہ عمل بقا حاصل نہیں کر سکتا۔

روزہ

ابھی رمضان میں پورے آٹھ دن باقی تھے۔ مگر ہر لمحے رمضان کا تصور حواس پر انتظار کی کیفیت طاری رکھتا تھا۔ مگر اس انتظار میں بھی ایک لطیف کیف تھا۔ اسی کیف میں میں سارا دن گھر کے کاموں میں مگن رہتی۔ سارے گھر کے پردے دھو ڈالے۔ سارے بستر چادریں رضائی کے غلاف سب کچھ دھو ڈالے' ایک دن تو سارے گھر کی جھاڑ پونچھ میں گزر گیا۔ حتیٰ کہ فرج کو بھی De-frost کر کے صاف کر ڈالا۔ سارا دن مزے مزے میں کام کرتی رہتی۔ تھکن کا ذرا بھی احساس نہ ہوتا۔ بچے کہتے۔ ممی اتنا کام کیوں کر رہی ہیں۔ آپ نے تو سارے ہی گھر کی صفائی کا بیڑہ اٹھا لیا ہے۔ میں مسکرا کے کہتی۔ بیٹے رمضان شریف جو آ رہے ہیں۔ اسی پر ایک دن میرا بیٹا ہنس کے کہنے لگا۔ امی ایسا لگتا ہے جیسے رمضان شریف کوئی شہنشاہ ہے جو ہمارے گھر Visit کے لئے آ رہے ہیں۔ میں نے بھی خوشدلی سے جواب دیا۔ بیٹے! رمضان کا مہینہ تمام مہینوں کا بادشاہ ہی تو ہے۔ جبھی تو سب مہینوں سے مختلف ہے اور اس کی خوشی بھی سب سے زیادہ ہوتی ہے۔ میرے ساتھ بچے بھی خوشی خوشی گھر کے کاموں میں شریک ہو جاتے۔ اس طرح چاند رات آ گئی' روزے شروع ہو گئے۔ روز بروز روزوں میں میری کیفیت ہلکی پھلکی ہوتی چلی گئی۔ گھر کے کام کاج تو پہلے ہی کر چکی تھی۔ اب روزوں میں کافی فارغ وقت میسر آ جاتا۔ عبادت کا بھی بہت وقت ملتا۔ دن بھر میں دو تین دفعہ قرآن لیکر بیٹھ جاتی۔ ترجمے میں ایسا ذہن جذب ہو جاتا کہ معنی و مفہوم کے دفتر کھل جاتے۔ میرا جی چاہتا۔ یہ سرور یہ کیفیات کبھی

ختم نہ ہوں۔ پندرھواں روزہ تھا۔ آج کل سحری سے ایک گھنٹہ پہلے اٹھ جانا میرا معمول بن چکا تھا۔ اس دوران میں دو نفل پڑھ کر مراقبے میں بیٹھ جاتی اور سحری کے وقت تک اسی حالت میں رہتی۔ اس رات بھی ایسا ہی ہوا۔ میں جیسے ہی مراقبے میں بیٹھی۔ آنکھیں بند کرتے ہی خیال آیا۔ روزہ کیا ہے؟ روح روزے کو کن معنوں میں لیتی ہے۔ روزے کا حکم کیوں دیا گیا ہے؟ اصل بات تو یہ ہے کہ شریعت کے احکام کے مطابق روزے کے معنی و مفہوم میں اچھی طرح جانتی تھی۔ ظاہر ہے کہ وہ تو سبھی جانتے ہیں۔ بس اس وقت عقل کچھ روزے کی گہرائی میں جھانکنا چاہتی تھی۔ میرے ذہن میں روزے سے متعلق آیات آنے لگیں۔ "اے ایمان والو! تم پر روزے اسی طرح فرض کئے گئے ہیں۔ جس طرح ان لوگوں پر فرض کئے گئے تھے۔ جو تم سے پہلے گزر چکے ہیں۔ تاکہ تم (روحانی اور اخلاقی کمزوریوں سے) بچو"۔

میرا ذہن بار بار ان آیات کو دہرانے لگا۔ میں سوچنے لگی۔ کہ ہر قوم اور ہر ملت کے لوگوں پر اللہ تعالیٰ نے روزے رکھنے کا حکم نوع انسانی کے آغاز سے ہی فرض قرار دیا ہے۔ جسم تو روزے میں کھانے پینے سے رک جاتا ہے۔ بھلا روح کیسے روزہ رکھتی ہے' کیا وہ بھی بھوکی رہتی ہے؟ میرے تو ذہن کی سوئی جیسے اسی خیال پر اٹک کر رہ گئی۔ روح کیسے روزہ رکھتی ہے؟ میں اندر ہی اندر روح سے مخاطب ہوئی۔ اچھی روح! مجھے معلوم ہے کہ تم میرے ذہن کے ہر خیال سے خوب اچھی طرح واقف ہو۔ مجھے روزے کی روحانی حقیقت سے آشنا کردو تاکہ میں اللہ تعالیٰ کے امر کی حکمت سے واقف ہو جاؤں۔ دوسرے ہی لمحے مجھے یوں محسوس ہوا۔ جیسے میں ایک تاریک جگہ میں تیزی سے آگے بڑھتی جا رہی ہوں۔ باوجود تاریکی کے میری رفتار نہایت ہی تیز ہے اور مجھے قطعی خوف

بھی نہیں ہے۔ چند لمحوں بعد نظر کے سامنے روشنی آگئی۔ پہلے تو یہ روشنی صبح کے اجالے کی مانند ملگجی سی لگی۔ پھر آہستہ آہستہ دن کے اجالے کی مانند بڑھتی چلی گئی۔ یہاں تک کہ نگاہ کے سامنے نور کی جگمگاتی فضا آگئی۔ مگر میں اسی تیزی سے آگے بڑھتی رہی۔ تھوڑی دیر کے بعد کیا دیکھتی ہوں۔ کہ روح ایک ملکوتی اپسرا کے روپ میں سامنے کھڑی ہے۔ میرے بڑھتے قدم ایک دم رک گئے۔ روح کی ملکوتی مسکراہٹ نے میرے اندر نور بھر دیا۔ کہنے لگی۔ تم یہاں کیا کر رہی ہو؟ میں نے کہا۔ روزے کے دن ہیں۔ میں تو یہ دیکھنے آئی ہوں کہ تم کیسے روزہ رکھتی ہو۔ اس کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔ کیا واقعی تم یہ دیکھنے آئی ہو۔ میں نے کہا۔ تو اور کیا۔ آخر اللہ تعالیٰ کے احکامات کی گہرائی میں اس کی حکمتوں کو پہچاننا بھی تو ضروری ہے۔ وہ کہنے لگی۔ اچھا پہلے یہ بتاؤ کہ تم روزے کی متعلق کیا جانتی ہو۔ میں نے کہا کہ روزے سے جسم کو بہت سے فائدے ہیں۔ پہلا فائدہ تو یہ ہے کہ معدے کو دن بھر آرام مل جاتا ہے۔ پیٹ خالی ہوتا ہے تو ذہن بھی ہر وقت اللہ تعالیٰ کی جانب مبذول رہتا ہے۔ کہنے لگی۔ دراصل روزہ ایک ایسا پروگرام ہے۔ جس میں شعوری حواس کی اسپیڈ کو اس قدر بڑھا دیا جاتا ہے کہ شعور لاشعور یا غیب کے اندر داخل ہو جاتا ہے۔ میں نے پوچھا۔ وہ کیسے۔ کہنے لگی۔ تم نے شب قدر کی سورۃ پڑھی ہے۔ تم جانتی ہو کہ اس کے اندر اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ کہ شب قدر بہتر ہے ہزار مہینوں سے۔ ہزار مہینوں میں تیس ہزار دن اور تیس ہزار راتیں ہوتی ہیں۔ یعنی حواس کی اسپیڈ جب شب قدر میں ساٹھ ہزار گنا نارمل حواس سے زیادہ ہو جاتی ہے۔ تو ملا کہ اور روح القدر دکھائی دیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ یہ بات بتانا چاہتے ہیں۔ کہ روزہ رکھنے سے حواس کی رفتار اتنی تیز ہو جاتی ہے کہ غیب سامنے آجاتا ہے۔ حواس کی رفتار جتنی زیادہ

تیز ہوگی۔ اتنی ہی بلندی پر نظر کے سامنے انوار و تجلیات آئیں گی۔ نظر جس طرح ظاہر میں دیکھتی ہے۔ اسی طرح غیب میں دیکھتی ہے۔ مگر غیب میں دیکھنے کے لئے شعوری حواس کی رفتار لاشعوری حواس کے برابر ہونی چاہیے۔ جب ہی شعور غیب کا مشاہدہ کر سکتا ہے۔ میں نے کہا۔ وہ کس طرح۔ اگر میں تیز دوڑتی ہوں تو مجھے راستے کی کوئی چیز اچھی طرح دکھائی نہیں دیتی۔ راستے کے درخت' گھر سب کچھ بس چشم زدن سے اس طرح گزر جاتے ہیں کہ پتہ ہی نہیں چلتا کیسے ہیں۔ کہنے لگی۔ یہی تو میں بھی کہہ رہی ہوں کہ شعور لاشعور دونوں کی رفتار برابر ہونی چاہیے۔ لاشعور راستہ ہے' شعور مسافر ہے۔ راستے کی ہر شے بے حس و حرکت ہے۔ جبکہ مسافر دوڑ رہا ہے۔ دونوں کی رفتار برابر کب ہوئی۔ اب مجھے اپنی نادانی کا احساس ہوا۔ میں ایک دم بول پڑی۔ اچھی روح واقعی تم بالکل درست کہتی ہو۔ کہنے لگی' یا تو تم بھی رک جاؤ جیسے راستے کی اشیاء ٹھہری ہوئی ہیں یا پھر راستے کی اشیاء بھی تمہارے ساتھ ساتھ دوڑنے لگیں تب تم اچھی طرح انہیں دیکھنے لگو گی۔ کہنے لگی۔ غیب سارے کا سارا متحرک ہے۔ غیب کی حرکت اللہ تعالیٰ کے امر "کن" کی حرکت ہے۔ جو اللہ پاک کے ارادے سے عمل میں آئی ہے۔ جب بندے کے حواس کی رفتار امر کن کے برابر ہو جاتی ہے۔ تو ہر شے اس کی نظر کے مقابل آ جاتی ہے۔ میں نے روح سے پوچھا۔ ساری کائنات اللہ پاک کے کن کہنے سے وجود میں آئی ہے۔ پھر کائنات کی اشیاء میں گردشوں کی رفتار کیوں مختلف ہے۔ لاشعور میں حواس کیوں تیز رفتاری سے کام کرتے ہیں۔ جبکہ شعوری حواس مادیت میں سست رفتار ہیں۔ کہنے لگی۔ شعور مسافر ہے اور مسافر جب اپنے سفر کا آغاز کرتا ہے۔ تو وہ ایک ہی قدم سے شروع کرتا ہے۔ میلوں لمبے راستے پر سفر کا آغاز ایک قدم سے ہی کیا جاتا ہے۔ اسی طرح

فرد کا شعور جب غیب میں کائنات کے سفر پر روانہ ہوتا ہے تو وہ بھی اپنے سفر کا آغاز ایک نقطے سے کرتا ہے۔ یہی نقطہ دنیا میں پیدا ہونے والا بچہ ہے۔ جیسے جیسے بچے کا شعور بڑھتا جاتا ہے۔ وہ دنیا میں ظاہری اشیاء کو بھی پہچانتا جاتا ہے اور شعور کی اندرونی سطح پر یعنی حواس کے دائروں میں کائناتی روشنیوں کا عکس بھی دیکھتا ہے۔ میں نے کہا۔ مگر روزہ کس طرح حواس کی رفتار کو بڑھاتا ہے؟ روح بولی۔ تمام حواس کا مجموعہ آنکھ ہے۔ حواس کی رفتار کو بڑھانے کا مطلب یہ ہے کہ دائرہ نگاہ میں وسعت پیدا ہو جانا۔ یہ بات قابل غور ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کن کہہ کر جو کچھ پیدا کیا ہے سب کچھ موجود ہے۔ کوئی شے بھی پوشیدہ نہیں ہے۔ میں فوراً بول پڑی۔ مگر مجھے تو یہاں ہر چیز تلاش کرنی پڑتی ہے۔ وہ بولی۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ تمہاری آنکھ کائنات کے دائرے میں بیک وقت دیکھ نہیں سکتی۔ جیسے جیسے تمہاری آنکھ کا دائرہ نگاہ بڑھتا جاتا ہے۔ ویسے ویسے تم اس دائرے کے اندر موجود اشیاء سے واقف ہوتی جاتی ہو۔ روح نہایت ہی مفکرانہ انداز میں کہنے لگی۔ جب آدمی کھانا کھاتا ہے۔ تو کھانے کی مادی روشنیاں معدے کے اندر حل ہو کر خون میں شامل ہو جاتی ہیں اور دوران خون کے ذریعے یہ روشنیاں سارے بدن میں پھیل جاتی ہیں۔ جس سے ذہن اور عقل و شعور بھی متاثر ہوتے ہیں اور دماغ بوجھل ہو جاتا ہے۔ شعور و ذہن سست پڑ جاتا ہے۔ کھانا کھانے کے بعد عموماً سستی کی وجہ سے نیند آنے لگتی ہے اور آدمی چاق و چوبند نہیں رہتا۔ جب آدمی روزہ رکھتا ہے۔ تو دل میں یہ تصور ہوتا ہے کہ وہ اللہ پاک کے حکم کی تعمیل کر رہا ہے۔ چنانچہ کام کے آغاز سے پہلے ہی اسکے ذہن کا رابطہ اللہ تعالیٰ کے تصور سے قائم ہو جاتا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ اس کا معدہ بھی مادی روشنیاں یعنی کھانے سے خالی رہتا ہے۔ مادی روشنیاں کثیف اور بوجھل ہیں۔ جب

معدہ خالی ہوتا ہے۔ تو اللہ کے تصور کے انوار معدے میں جذب ہونے لگتے ہیں۔ اس
طرح خون کے اندر کثیف روشنیوں کی جگہ لطیف روشنیاں شامل ہونے لگتی ہیں۔ یعنی
اللہ تعالیٰ کے تصور کی نور کی رو ذہن سے قلب اور نفس یعنی شعور کی جانب بہنے لگتی ہے
اور شعور نور کی توانائی سے تیز رفتار ہو جاتا ہے۔ یعنی قلب کی آنکھ اور شہود کی نگاہ بڑھ
جاتی ہے اور وہ شہود کی آنکھ سے غیب میں مشاہدہ کرتا ہے۔ اپنے کلام میں روزے کے
احکام کے متعلق اللہ پاک فرماتے ہیں۔

ترجمہ: "اور کھاؤ پیو۔ یہاں تک کہ تمہیں صبح کی سفید دھاری سیاہ دھاری سے الگ
نظر آنے لگے۔ اس کے بعد صبح سے رات تک روزے کی تکمیل کرو۔" سورۃ بقرہ آیت
نمبر187

صبح کی سفید دھاری سیاہ دھاری سے الگ نظر آنے سے مراد یہ ہے کہ شعوری
حواس اور لاشعوری یا روحانی حواس میں واضح طور پر تمیز اور پہچان کرنا۔ پھر صبح سے رات
تک روزے کی تکمیل کرنے سے مراد ہے۔ اپنے ارادے سے لاشعوری حواس کے اندر
داخل ہونا۔ اللہ پاک اس آیت میں یہ فرما رہے ہیں کہ روزے کی حالت میں بندہ اپنے
ارادے سے غیب میں داخل ہو سکتا ہے۔

میں نہایت ہی انہماک سے روح کو دیکھ رہی تھی۔ اسکے ملکوتی حسن میں بار بار
انوار کی جھلکیاں دکھائی دیتیں۔ میری آنکھیں روح کے جمال سے خیرہ ہونے لگیں۔ اس
کے حسن کی روشنیاں میری آنکھوں میں جذب ہوتی محسوس ہوئیں۔ میں دم بخود اسے
ٹکٹکی باندھے دیکھتی رہی۔ کتنی ہی دیر اس طرح گزر گئی۔ اتنے میں روح کی آواز نے مجھے
چونکا دیا۔ اے بنت رسولؐ! روزے کی جزا خود ذات خالق ہے۔ اس کی آواز پر میں نے
اس کی آنکھوں میں دیکھا۔ ایک چکا چوند سی ہوئی اور میری نگاہ کے سامنے سے منظر ہی
بدل گیا۔ کیا دیکھتی ہوں کہ دور بہت دور عرش بریں پر روح احسن الخالقین کا شاہکار بنی
مسند خلافت پر جلوہ افروز ہے۔ یہ نور کا ایک عظیم الشان تخت ہے۔ اس کی نظریں خلاء
میں اس طرح دیکھ رہی ہیں۔ جیسے اسے کسی کا انتظار ہے۔ اتنے میں اسکے لبوں پر عجیب
سے الفاظ آ گئے۔ میں باوجود کوشش کے ان الفاظ کو سمجھ نہ سکی۔ بس مجھے اسکے صوتی
اثرات نہایت ہی دلکش اور لطیف محسوس ہوئے۔ اس قدر دلکش کہ میرے اوپر جیسے وجد
سا طاری ہو گیا۔ اس وجد کے ساتھ ہی ایک عجیب سی کیفیت مجھ پر طاری ہو گئی۔ مجھے
یوں لگا۔ جیسے مجھے اپنے رب کی تلاش ہے۔ اپنے خالق کا انتظار ہے۔ مگر اس انتظار میں
سرور و کیف تھا' انتظار یہ اضطراب نہ تھا۔ مجھے نہیں معلوم کہ کتنی دیر میں روح صوت
سرمدی کی آواز میں کیفیت سرور میں ڈوبی رہی۔ کہ ایک دم سے یہ آواز بند ہو گئی۔ میں
نے استغراقی کیفیت میں روح کی جانب دیکھا۔ ایک نور کا بادل آہستہ آہستہ اس کی جانب
بڑھ رہا تھا۔ دیکھتے ہی دیکھتے اس بادل نے روح کو اپنے اندر ڈھانپ لیا۔ مجھے یوں محسوس
ہوا جیسے میرے رب نے روح کو اپنی آغوش میں لے لیا ہے۔ ابدی تحفظ نے مجھے چاروں
طرف سے گھیر لیا۔ عشق حقیقی کی لطافت میرے رگ و ریشے میں دوڑنے لگی۔ بے ساختہ
میرے لبوں سے یہ الفاظ نکل گئے۔ بلا شبہ روزے کی جزا خود ذات باری تعالیٰ ہے۔ میرا
جی چاہا۔ میں چیخ چیخ کر ساری دنیا کو یہ بات سنا دوں۔ روزے کی جزا خود محبوب ہے۔ میرا
دل اندر اندر ہی پکار اٹھا۔ اے لوگو! روزے کے انوار اپنے قلب و جگر میں ذخیرہ کر لو۔
یہی نور تمہارے قلب میں نظر بن کر ظاہر ہو گا۔ ذرا دیکھ تو سہی۔ ہمارے رب نے
ہمارے لئے کیسی کیسی نعمتیں رکھی ہیں۔ ہر نعمت سے بڑھ کر اس کا جمال و نور ہے۔

تمہارے قلب کا نور ہی جس کا ادراک کر سکتا ہے۔ کیفیات کی گہرائی میں میرے لبوں پر روح کا کلام آگیا۔ میں خود اپنی شیریں سخنی پر حیران رہ گئی۔ اسی لمحے شعور کو جھٹکا لگا اور استغراقی کیفیت سے نکل آیا۔

صدقہ جاریہ

شب کو دروازے پر دستک ہوئی۔ دروازہ کھولا تو سامنے ہی اولڈھم سے قاری بھائی اور صدیق بھائی موجود تھے۔ بہت دن بعد آئے تھے۔ دیکھ کر دل خوش ہو گیا۔ ابھی وہ آکر بیٹھے ہی تھے کہ بریڈ فورڈ سے طارق بھائی' اخلاق بھائی' ارشاد' اشفاق' سہراب سارے عظیمیوں کی ٹولی آگئی۔ صدیق بھائی چونکہ آج کل برمنگھم میں کام کر رہے ہیں اس وجہ سے ان کا چکر یہاں ایک ماہ میں لگتا ہے۔ قاری بھائی ہمیشہ صدیق بھائی کے ساتھ ہی آتے تھے کیونکہ وہ خود ڈرائیو نہیں کر سکتے بس یہی وجہ ہے کہ ان کا چکر بھی اب مہینے میں ایک بار ہی لگنے لگا ہے۔ اس دن سب بہت دنوں بعد ایک دوسرے سے ملے تو سب کے چہرے کھل اٹھے۔ عام طور سے جب بھی عظیمی برادری میرے گھر اکٹھا ہوتی ہے تو روحانیت پر سوال جواب شروع ہو جاتے ہیں۔ یہ ہمارا کچھ ایسا ذہن بن گیا ہے کہ اب دنیاوی باتیں اتنی ہلکی لگتی ہیں کہ انہیں سننے اور کرنے میں وقت کا زیاں محسوس ہوتا ہے اور سب ہی ضروریات کے علاوہ زائد وقت ان سطحی باتوں میں گزارنے سے گریز کرتے ہیں۔ اس دن بھی قاری بھائی نے سوال کیا کہ باجی صدقہ جاریہ کی روحانی تشریح بیان کریں کہ کس طرح صدقہ جاریہ کا ثواب آدمی کو مرنے کے بعد بھی پہنچتا رہتا ہے۔ اس وقت میری ناقص عقل میں جو کچھ آیا وہ میں نے اس طرح بیان کیا۔

کہ آدمی کا ہر عمل دو رخوں پر ہے۔ ایک رخ عمل کی حرکت ہے۔ جسے ہم ظاہری عمل کہتے ہیں' دوسرا رخ عمل کی نیت ہے جو عمل کا باطنی رخ ہے اور یہ باطنی رخ ہی

عمل کی حرکت کا موجب بنتا ہے۔ اس باطنی رخ کے علوم کو کام کی حکمت کہا جاتا ہے۔ ظاہر محدودیت ہے مگر باطن لامحدودیت ہے اور غیب سے جو ظاہر کی آنکھ سے پس پردہ ہے۔ ہر عمل کا دارومدار نیت پر ہے جس طرح بغیر ہڈیوں کا ڈھانچہ جسم کا کمرہ نہیں ہو سکتا۔ اسی طرح بغیر نیت کے کوئی عمل وجود عمل میں نہیں آسکتا اور اللہ پاک فرماتے ہیں کہ تمہاری قربانی کا گوشت پوست اللہ کو نہیں پہنچتا بلکہ نیت پہنچتی ہے۔ نیت چونکہ عمل کا باطنی رخ ہے اور غیب ہے اور غیب لامحدودیت ہے۔ اس وجہ سے غیب میں جہاں تک بندے کی نیت پہنچتی ہے وہاں تک اس کا عمل بھی پہنچتا ہے۔ اس سے آگے نہیں پہنچتا۔ جیسے اللہ پاک نے قربانی کی مثال دی ہے اگر قربانی کرنے والے کی نیت یہ ہے کہ سب دوست احباب عزیز واقارب مل بیٹھ کر کھائیں گے اور خوش ہوں گے تو قربانی کا عمل جب مکمل ہو جائے گا تو غیب میں اس کا ریکارڈ نہیں بنے گا' اس کا ریکارڈ صرف دنیا کی حد تک ہی ہے۔ مگر جب اللہ کے حکم کی پیروی مقصد ہو گا تو اس عمل کا ریکارڈ اللہ تعالیٰ کے حکم کی تعمیل پر قربانی کا عمل کرنا ہو گا۔ اب مرنے کے بعد بھی جب اللہ تعالیٰ کا قربانی کا حکم روح کو پہنچے گا تو مرنے کے بعد کی زندگی میں بھی روح اس حکم کی تعمیل میں عمل کرے گی اس طرح یہ عمل اس کا صدقہ جاریہ میں گنا جائے گا۔ اسی مناسبت سے ہر عمل جس کی نیت اللہ تعالیٰ کے حکم کی پیروی کرنا ہے تو یہ عمل لامحدودیت یا غیب میں ریکارڈ ہو جاتا ہے اور مرنے کے بعد کی زندگی میں بھی یہ عمل اپنے وقت پر دہرایا جاتا ہے یہی صدقہ جاریہ ہے۔ اگر نیت صرف نفسانی خواہش کا پورا کرنا ہے تو اس کی مثال یوں ہے کہ ایک آدمی کے ہاتھ میں کیمرہ ہے۔ وہ فوٹو کھینچتا ہے۔ جب فوٹو بن کر نکلتا ہے تو کاغذ پر نقش نہیں آتا بلکہ کاغذ کورا رہتا ہے یا کالا ہو جاتا ہے۔ یہ کیمرے کی خرابی مانی جاتی ہے

فوٹو کھینچنے کا عمل ظاہرا حرکت ہے۔ فوٹو کا تیار ہو کر نکلنا اس کا اجریا نتیجہ ہے۔ ظاہری عمل کی حدود مادی دنیا ہے جہاں عمل کی حرکت وقوع پذیر ہوتی ہے۔ جیسے کیمرے سے فوٹو کھینچا گیا۔ مرنے کے بعد کی زندگی عالم اعراف کی زندگی ہے۔ جہاں فوٹو بن کر نکلتا ہے یعنی نتیجہ یا اجر۔ اللہ پاک نے اجر کی مدت بیان کی ہے جیسے قیامت تک' ابد تک' حشر میں دوبارہ زندہ اٹھائے جانے تک یعنی ہر عمل کا اجر عمل کرنے والے کی روحانی قوت اور ارادے پر منحصر ہے۔ اگر نیت صرف نفسانی خواہش کا پورا کرنا ہے تو جب بندہ آخرت میں اپنا اعمال نامہ دیکھے گا تو اس کو یہ تو معلوم ہو گا کہ میں نے یہ عمل کیا تھا۔ مگر آخرت میں اس عمل کا نتیجہ کورا کاغذ ہو گا۔ جیسے بیج بویا تھا۔ مگر ایک ماہ بعد جب دیکھا تو کونپل نہیں پھوٹی۔ اب وہ شخص آخرت میں دوبارہ بیج نہیں بو سکتا کیونکہ آخرت کی زندگی فصل کاٹنے کی زندگی ہے' موجودہ زندگی بیج بونے کی زندگی ہے۔ اب وہ سوائے افسوس رنج و غم کے کیا کر سکتا ہے یہی سزا وعذاب ہے اور جزا عمل کا صدقہ جاریہ ہے کہ وہ آخرت میں بھی بار بار اسی عمل کو دہرا کر خوش ہو گا اور دوسروں کو بھی خوش کرے گا۔

کچھ دیر بعد سب رخصت ہوئے مگر میں سوچنے لگی کہ اللہ تعالیٰ کے تفکر میں صدقہ جاریہ کیا ہے؟ میری ایک عادت ہے۔ میں تو اسے اچھی ہی کہوں گی' کیونکہ اس عادت سے مجھے ہمیشہ بہت فائدہ ہوا ہے۔ وہ یہ ہے کہ جب بھی عالم کے کسی نقطے پر میرا ذہن ٹھہرا تو اس کے معنی و مفہوم ذہن میں آنے لگتے ہیں مگر اس معنی میں ذہن اگر کسی سٹیج پر اٹک جاتا ہے اور اس کے معنی و مفہوم سے ذہن کی تشنگی پوری طرح دور نہیں ہوتی تو پھر خواہ کتنی ہی مصروف رہوں گی۔ خواہ مجلس میں ہوں یا خلوت میں۔ جسم چاہے جس بھی مشغولیت میں ہو مگر دماغ کی سوئی اسی نقطے پر اٹکی رہتی ہے اور جس طرح کیل پر ضرب

لگنے سے کیل گہرائی میں پہنچ جاتی ہے۔ اس طرح دماغ مسلسل اسی نقطے پر اپنا کام کیے جاتا ہے اور دماغ کی قوت تجسس گہرائی میں پہنچ کر علم کے اس نقطے سے گوہر معانی ڈھونڈ نکالنے میں کامیاب ہو جاتی ہے تب دل و دماغ دونوں مطمئن ہو جاتے ہیں اور دونوں کی کامیابی پر ہونٹ مسکرا کے گویا داد دیتے ہیں تو اس رات ایسی ہی بات ہوئی۔ سب تو چلے گئے میرے ذہن نے یہ بات پکڑ لی کہ اللہ پاک کے قوانین سنت پر تو اللہ پاک کے "کن" کہنے کے بعد سے عمل شروع ہوا۔ مگر نفاذ سے پہلے قوانین سنت کائنات بنانے والے کے تفکر میں موجود تھے۔ اللہ پاک کے تفکر میں کائنات کے علوم کی حکمتیں اور مشیت ایزدی کے اسرار ہیں۔ پس صدقہ جاریہ میں خالق کا تفکر علم کی کون سی حکمتوں کو بے نقاب کرتا ہے۔ میرا ذہن اندر ہی اندر ایک وکیل کی طرح جرح کرنے لگا۔ خود سوال کرتا اور خود ہی جواب دیتا۔ ویسے مزا بہت آتا تھا۔ جب ذہن علم کے نقطے کی گہرائی میں جھانکنا شروع کر دیتا ہے جیسے کوئی صدیوں پرانے قلعے میں تنہا داخل ہو جائے۔ پے تلے قدموں سے اندھیرے میں آنکھیں پھاڑے ہولے ہولے قدم رکھتا جائے کہ دیکھیں کیا سامنے آتا ہے۔ اتنے میں ایک دم سے روشنی کا جھماکا ہوا اور ایک چیخ سارے سکوت کو درہم برہم کر گئی۔ اللہ قسم ایسا ہی ہوا۔ رات آدھی ہو گئی تھی' ذہن کی سوئی اٹکی ہو تو نیند کہاں آتی ہے۔ کمرے میں اندھیرا اوپر سے آنکھیں بند۔ ایک دم سے روشنی کا جھماکا جو ہوا تو پٹ سے آنکھیں کھل گئیں۔ یوں لگا جیسے پورے کمرے میں ایک فلیش لائٹ چمکی۔ اب میری چیخ نہیں نکلے گی تو اور کیا ہو گا۔ وہ تو شکر کریں کمرے میں اکیلی تھی۔ کوئی دخل اندازی کرنے والا نہ تھا۔ ورنہ یہ کہانی آج پوری نہ ہوتی۔ روح بڑے زرق لباس میں سامنے کھڑی تھی۔ میری چیخ سن کر اس نے زور سے قہقہہ لگایا۔ میں نے شکایتاً" کہا اس

اندھیرے میں ایسے زرق برق کپڑے پہننے کی کیا ضرورت تھی۔ ڈرا دیا نا مجھے وہ ابھی تک ہنسے جا رہی تھی۔ ہنستے ہنستے بولی۔ اچھا تو تمہارا مطلب ہے تم سے پوچھ کر لباس پہنا کروں۔ میں نے جھوٹ موٹ خفگی سے کہا۔ چلو ہٹو۔ تم کون سی میرے کہنے میں ہو۔ مجھے ہر قدم پر تمہاری رہنمائی کی ضرورت رہتی ہے۔ وہ ہنس کر بالکل میرے پہلو میں آگئی چلو غصہ تھوک دو۔ یہ بتاؤ کیا جاننا چاہتی ہو۔ اب اس کا موڈ بالکل سنجیدہ ہو گیا اور میں بھی پورے انہماک کے ساتھ اپنے سوال کی جانب متوجہ ہو گئی۔ میں نے سوال دہرایا۔ اے روح! میری عزیز ترین دوست۔ میں یہ جاننا چاہتی ہوں کہ صدقہ جاریہ میں اللہ پاک کا کون سا تفکر کام کر رہا ہے؟ اس نے کہا۔ میرے قلب کے آئینے میں دیکھتی رہو۔ نظر بالکل نہ ہٹانا میں نے اس کے قلب پر اپنی نگاہیں جما دیں۔ سینے پر اس کا زرق برق لباس آئینے کی طرح چمک رہا تھا اس آئینے میں روح کے تفکر کے تمثلات فلم کی طرح چلنے لگے۔ دیکھا کہ ایک وسیع وعریض سمندر ہے' میں ساحل سمندر پر کھڑی ہوں' روح بھی میرے ساتھ ہے' میں روح کے سامنے بچے کی طرح ہوں' روح میرا ہاتھ پکڑ کر بڑے پیار سے سمندر کی جانب اشارہ کر کے کہتی ہے۔ یہ لامحدودیت ہے۔ اچھی طرح دیکھ لو۔ تمہیں اس کا کنارہ دکھائی دیتا ہے؟ میں نے کہا نہیں۔ جہاں ہم کھڑی ہیں بس وہی کنارہ دکھائی دے رہا ہے۔ وہ بھی انتہا تک نہیں۔ باقی تو ہر طرف نور ہی نور ہے۔ ذہن میں یہ تصور تھا کہ اس بحر کا پانی نور ہے۔ یہ نور کا سمندر ہے۔ وہ بولی۔ لامحدودیت یہ ہے جیسے انسان کی آنکھ اور روح کی آنکھ احاطہ نہیں کر سکتی۔ اس وقت تم میرے دیکھنے کو دیکھ رہی ہو یعنی جو میں دیکھ رہی ہوں وہی تم بھی دیکھ رہی ہو۔ اب ہم اس سمندر کے اندر اترتے ہیں۔ اس نے میرا ہاتھ پکڑا اور سمندر میں اتر آئی۔ کافی دور جانے کے بعد کہنے لگی۔

اب چاروں طرف دیکھو۔ کیا نظر آ رہا ہے۔ میں نے کہا۔ میری آنکھوں سے تو وہ ساحل
بھی اوجھل ہو گیا جہاں سے ہم چلے تھے۔ اب تو ہر طرف سوائے نور کے کچھ دکھائی نہیں
دیتا۔ جیسے ہم نور کے سمندر کے بیچوں بیچ کھڑے ہیں۔ ہر طرف پانی ہی پانی ہے۔ یہی
لامحدودیت ہے کہ جس کا کوئی کنارہ نہیں۔ جس کو روح کی نظر بھی احاطہ نہیں کر سکتی۔
پھر روح نے مجھ سے سوال کیا۔ تم اس وقت کس طرح اس لامحدودیت میں دیکھ رہی ہو۔
اس کے اتنا کہنے پر میری نگاہ سمٹ کر روح کی آنکھ کی پتلی میں آ گئی۔ میں نے دیکھا میری
ذات روح کی آنکھ کی پتلی کا تل ہے۔ اس تل کے اندر سے بینائی کا نور باہر نکل کر
لامحدودیت میں پھیل رہا ہے۔ وہ بولی تم میری آنکھ کی پتلی کا تل ہو۔ جس کے اندر سے
اللہ تعالیٰ کی بینائی کا نور گزر رہا ہے۔ یہ نور جب لامحدودیت میں تجلی ذات کی سطح سے
ٹکراتا ہے تو تجلی ذات کی سطح آئینے کی طرح بینائی کے نور کو اپنی سطح پر منعکس کر دیتی
ہیں۔ یہ عکس اللہ تعالیٰ کے تفکر کا عکس ہے۔ جس میں اس کے علوم کے نقوش ہیں۔ تجلی
ذات کا ہر نقش اللہ تعالیٰ کے ذاتی علوم ہیں۔ یہی نقوش اللہ تعالیٰ کے اسرار اور حکمتیں
ہیں۔ جب روح کی نظر ان نقوش کو دیکھ لیتی ہے تو نظر کے نور میں یہ عکس نقش بن جاتا
ہے۔ پھر روح کی نظر کے ذریعے کائنات کی حدود میں عکس در عکس یہ نور تخلیقی مدارج
طے کر کے کائنات کی صورتوں میں ڈھلتا رہتا ہے۔ تجلی ذات کے نقوش یا علوم الٰہی کی
تجلیات دیکھ کر شے کی تخلیق کا راز بندہ جان لیتا ہے۔ روح نے مجھے مخاطب کرتے ہوئے
کہا۔ اب تم صدقہ جاریہ کی حقیقت کو تجلی ذات کے اندر اللہ تعالیٰ کے علوم نے نقوش
میں تلاش کرو۔ تم جانتی ہو کہ اللہ پاک اپنی صفات میں قدیم ہے۔ اس کی صفات اس کی
ذات سے متصل ہے اور تجلی ذات کے جو نقوش تم دیکھ رہی ہو یہ نقوش اس کی صفت

علیم میں علم کائنات یا اسمائے الٰہیہ کے علوم کے نقوش ہیں۔ جو اس کے ذاتی علوم کی
تجلیات ہیں مگر تم کو یاد ہے کہ تم ان علوم کے نقوش روح کے قلب میں دیکھ رہی ہو۔
مجھے اس وقت روح کا قلب لوح محفوظ کا عالم دکھائی دیا۔ بہت ہی وسیع عالم۔ وہ بولی ہم
نے تمہارے لئے تمہارے قلب کو کھول دیا۔ میرے ذہن میں شرح صدر کے الفاظ
آئے۔ مجھے محسوس ہوا۔ روح کی آنکھ کی پتلی کا تل (جو میری ذات ہے) پھیل گیا ہے اور
اس کے اندر نہایت تیزی سے دھارے کی صورت میں نور ابل رہا ہے اور یہ نور پورے
لوح محفوظ پر پھیل گیا۔ میرے ذہن میں وہی سوال تھا کہ صدقہ جاریہ میں اللہ پاک کا تفکر
کیا ہے۔ نظر نے دیکھا تجلی ذات کے اندر علوم الٰہی کے تمام تمثلات لوح محفوظ کے عالم
میں واجب کا لباس پہنے موجود ہیں۔ ذات باری تعالیٰ کے علوم کی تمام تجلیات لوح محفوظ
کے عالم میں متشکل ہیں جبکہ تجلی ذات کے عالم میں یہ نقوش لطیف ترین تجلیات کی
صورت میں ہیں۔ روح بولی تجلی ذات کے لطیف ترین جلوے اسمائے الٰہیہ کے جلوے
ہیں۔ ان جلوؤں کو براہ راست صرف اللہ پاک کی نظر ہی دیکھ سکتی ہے۔ انسان اگر ان
جلوؤں کو دیکھتا ہے تو روح کے قلب میں دیکھتا ہے یعنی روح کے دیکھنے کو دیکھتا ہے۔ روح
اعظم تجلی ذات ہے۔ تجلی ذات کے دیکھنے کو بندہ دیکھتا ہے یعنی روح انسانی اور اللہ اور
اسمائے الٰہیہ کے درمیان تجلی ذات حجاب ہے۔ روح آدم تجلی ذات کا شعور ہے۔ اس
شعور نے یعنی روح اعظم نے ازل میں اللہ کا جلوہ دیکھا اور ان جلوؤں کو روح کے دل
نے محفوظ کر لیا تاکہ روح بار بار ان جلوؤں سے روز اول کی طرح لطف اندوز ہو سکے۔
اسی بات کو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اگر مجھے تلاش کرنا ہے تو زمین آسمان میں تلاش نہ کر
بلکہ مجھے مومن (عاشق اللہ) کے دل میں تلاش کر نَحْنُ اَقْرَبُ اِلَیْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِیْدِ ایسے ہی

مومن، متقی اور عاشق باری تعالیٰ کی تجلیات میں رہتا ہے۔ یہ آدم کے علم الاسماء ہونے کا صدقہ جاریہ ہے کہ اللہ پاک نے آدم کے سینے میں (روح اعظم) میں اپنے اسماء الہیہ کی تجلیات اتار دیں یعنی آدم کی روح اعظم وہ آئینہ ہے جس آئینے میں اللہ پاک کے اسمائے الہیہ کی تجلیات اپنا عکس ڈالتی ہیں اور روح کی نظر اس آئینے میں اللہ پاک کے جلوے دیکھ کر مسرور رہتی ہے۔ جب کوئی بندہ خالصتاً اللہ پاک کی رضا و خوشنودی اور اس کے عشق و لگن میں کام کرتا ہے تو ایسا کام روح اعظم کے آئینے میں عکس ریزہ ہوتا ہے۔ جب وہ آدمی مرجاتا ہے تو وہ اس حقیقت کو دیکھ لیتا ہے کہ اس کا کام لوح محفوظ کی تمثال ہے اور لوح محفوظ کی تمثال سارے عالمین میں دہرائی جاتی ہے۔ پس وہ اس نیک عمل کو بار بار سارے عالمین میں دیکھتا ہے جیسے سارے ملک کے ٹی وی سیٹ پر ایک ہی پروگرام چلتا ہے اور ہر عالم میں اس کی ستائش اور تعریف ہوتی ہے۔ یہی اللہ پاک کے تفکر میں صدقہ جاریہ ہے یعنی کسی بھی عمل کا لوح محفوظ کی تمثال بن جانا صدقہ جاریہ ہے۔ بندے کا کوئی عمل لوح محفوظ کی تمثال اس وقت بنتا ہے جب بندہ اس عمل میں ظاہری اور باطنی دونوں رخوں پر اللہ تعالیٰ کے امر کی تکمیل کے لئے اللہ تعالیٰ کے تفکر کے مطابق پوری پوری کوشش اور عمل کرتا ہے تب اس کی فرمانبرداری کی شرائط پوری ہو جاتی ہے۔

تقدیر اور تدبیر

حضرت علی رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ "میں نے اللہ تعالیٰ کو اپنی امیدوں کے ٹوٹنے سے پایا۔" جہاں آدمی کی ہر کوشش ہر امید اور ارادہ ناکام ہو جاتا ہے۔ وہاں ذات باری تعالیٰ پر ایک ایسا یقین ہو جاتا ہے کہ غیب میں کوئی نہ کوئی ایسی طاقت ضرور موجود ہے جس کے سامنے ہماری ہر کوشش اور ہر ارادہ مفلوج ہے۔ ذات واحد پر کامل یقین ہی بندے کو اس کی امیدوں میں ناکامی پر صبر کی قوت بخشتا ہے۔ خالق کائنات نے کن کہہ کر کائنات کی تخلیق کر دی اور کائنات کی تمام مخلوق کو اس کی اپنی ذات کا شعور عطا کر دیا تاکہ ہر فرد اپنے شعور کے مطابق اپنی انفرادی حیثیت کو برقرار رکھنے میں قدرت کے سکھائے ہوئے اصولوں کے مطابق جدوجہد کرتا رہے مگر اس کے ساتھ ہی اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو خود مختار اور قادر مطلق نہیں بنایا۔ قادر مطلق صرف خالق کی ذات ہے۔ مخلوق ہر حال میں خالق کی محتاج ہے۔ بارش نہ برسے، سبزہ نہ اگے، اناج نہ پیدا ہو تو سب بھوکے مرجائیں۔ ہوا نہ چلے تو سانس لینا ناممکن ہو جائے۔ بھلا زندگی کی کونسی ایسی حرکت ہے جس میں مخلوق اللہ تعالیٰ کی مدد کے بغیر کام کر سکتی ہے۔ زندگی بذات خود خالق کا عطا کردہ عطیہ ہے۔ جب زندگی ہی اپنی نہیں ہے تو اس کی کوئی حرکت بھی اپنی کیسے ہو سکتی ہے۔ مخلوق کی اس احتیاج کے باوجود اللہ تعالیٰ نے انسان اور جنات کو اختیارات سونپے ہیں ان اختیارات کو انس و جن اپنے ارادے سے استعمال کر سکتے ہیں۔ اس طرح انس و جن کے اندر دو ارادے کام کر رہے ہیں۔ ایک تو خالق کا ارادہ ہے جس میں کسی قسم کا

ردو بدل اور تغیر ناممکن ہے دوسرا انسان وجنات کا ذاتی ارادہ جس میں وہ اپنے اختیار کے مطابق ردوبدل کر سکتے ہیں۔

خالق کا ارادہ اللہ تعالیٰ کا امر ہے۔ اللہ تعالیٰ نے روح کو "امر ربی" کہا ہے۔ اللہ کا امر اس کا حکم "کن" ہے جس پر کائنات کی تخلیق کی بنیاد قائم ہے۔ اللہ تعالیٰ کے کن کہنے سے کائنات وجود میں آئی ہے۔ کائنات کے ذرے ذرے میں اور ہر فرد کے اندر اللہ تعالیٰ کے امر کن کی متعین و مخصوص مقداریں کام کر رہی ہیں۔ اس کے متعلق اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ "ہم نے ہر شے کو اس کی فطرت پر پیدا کیا ہے۔" ہر شے کے اندر کام کرنے والی فطرت اللہ کا ارادہ یا امر ہے۔ اللہ کی ہر صفت تغیر و تبدل سے پاک ہے۔ انسان کے اور جنات کے اندر کام کرنے والی فطرت اور امر الٰہی کا نقش تقدیر مبرم کہلاتا ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کے ارادے کا وہ پہلا نقش ہے جو اللہ تعالیٰ کے کن کہنے سے لوح محفوظ پر ظاہر ہوا۔ اس نقش میں تخلیق کی وہ تمام مصلحتیں اور حکمتیں موجود ہیں جن حکمتوں کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے کائنات کو پیدا کیا۔ یہ ایسے نقوش ہیں جو کائنات کی حرکت میں اولیت کا درجہ رکھتے ہیں۔ ان ہی نقوش کی ثانوی حرکات مادی کائنات ہے۔ لوح محفوظ کی ان ہی تحریروں کے متعلق یہ رقم ہے کہ "لوح محفوظ کی یہی تحریریں تقدیر مبرم کہلاتی ہیں۔ یعنی جہاں تک محتاج ہے وہ تقدیر مبرم ہے جیسے کھانا پینا' سونا' سانس لینا۔ ایسے تمام تقاضے جن کے لئے آدمی اللہ کا محتاج ہے کہ کھائے پیئے بغیر سوئے بغیر اور سانس لیے بنا کسی طور گزارہ نہیں ہے۔ یہ محتاج تقدیر مبرم ہے کہ جس کی گرفت سے آدمی کسی طور پر چھوٹ نہیں سکتا۔ یہ ایسی فطرت ہے جو تخلیقی بنیاد پر ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مرنے کے بعد بھی جنت میں کھانے پینے وغیرہ کا ذکر ہے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ کو خالق

کی حیثیت سے ماننا بھی تقدیر مبرم ہے کیونکہ خالق کے حکم کن کی بساط پر ہی زندگی کا کارواں رواں دواں ہے۔ مخلوق خالق کے حکم کو ماننے کے لئے مجبور ہے۔ مخلوق کا اللہ کے حکم کو مانے بغیر زندگی کی حرکت کا قائم رکھنا ہی ناممکن ہے۔ زندگی کا ہر وہ تقاضہ جس میں مخلوق خالق کی محتاج ہے تقدیر مبرم ہے۔ جس کی ہر تحریر اللہ تعالیٰ کا حکم و مصلحت ہے۔ مگر اسی کے ساتھ ہی اللہ تعالیٰ نے آدم کو اسمائے الٰہیہ کے علوم دے کر کائنات میں کام کرنے والی حکمتوں کے علوم بھی عطا کر دیئے ہیں۔ مثلاً خالق واحد پر ایمان لانے میں یہ حکمت پوشیدہ ہے کہ خالق بے نیاز ہے مگر مخلوق محتاج ہے۔ خالق کی بے نیازی اس کی ذاتی صفت ہے۔ خالق کی ذات وصفات میں کوئی تبدیلی نہیں ہے۔ اس کی صفات اس کی ذات کا جزو ہیں۔ اسی طرح محتاجی مخلوق کی ذات کا جز ہے۔ یہ مخلوق کی وہ صفت ہے جس صفت کے ساتھ ذات باری تعالیٰ نے ازل میں اسے پیدا کیا تھا۔ یعنی جس طرح بے نیازی ذات خالق کا ایک جزو ہے اس طرح محتاجی مخلوق کی ذات کا ایک جزو ہے۔ ذات کبھی نہیں بدل سکتی۔ اسی طرح ذات کا کوئی بھی جزو یعنی صفت بھی نہیں بدل سکتی۔ مخلوق کا وجود خالق کا تخلیق کردہ ہے۔ خالق اپنی تخلیق پر قدرت رکھتا ہے۔ صفت خالقیت اور صفت قدرت دونوں قوتوں میں خالق اپنی مخلوق سے بزرگ ترین اور افضل ہے۔ خالق کا وجود مخلوق سے پہلے ثابت ہے مگر مخلوق خالق کے حکم پر وجود میں آئی ہے۔ مخلوق کی یہی سب سے بڑی محتاجی ہے کہ وہ اپنے وجود کے لئے ایک خالق کی محتاج ہے۔ مخلوق کا تخلیق کیا جانا ہی مخلوق کی محتاجی کی سب بڑی حکمت ہے جس میں خالق کی ذات قادر مطلق ہے۔ تقدیر مبرم کی ہر تحریر مطلقیت سے عبارت ہے۔ اس کی مطلقیت ہی اس کی ذات کو ساری کائنات کا حکمران بناتی ہے۔ حکمران کے آگے مخلوق کی حیثیت رعایا کی سی ہے

کہ وہ حکمران کے مقرر کردہ قوانین سے کسی طور پر انحراف نہیں کر سکتی۔ یہی قوانین فطرت سنت الٰہیہ ہیں جن میں کوئی ردوبدل نہیں ہے اور جس کے لئے یہ کہا گیا ہے کہ قلم سب کچھ لکھ کر خشک ہو گیا۔ یہی عبارتیں اللہ تعالیٰ کے حکم کا پہلا نقش ہے جو لوح محفوظ کے پردے پر اللہ تعالیٰ کے کن کہنے سے وجود میں آتا ہے اور لوح محفوظ کے پردے امر ربی کی حیثیت سے زندگی کا اقدام کرتا ہے۔ لوح محفوظ کے نقش کا عکس درجہ بدرجہ کائنات میں نزول کرتا ہے۔ یہ نزولی حرکات امر ربی کی حرکات ہیں جو روح کے ذریعے عمل میں آتی ہیں۔ ان میں انسان اور جنات کا ارادہ شامل نہیں ہے بلکہ یہ حرکت اللہ کے امر کن کے ذریعے عمل میں آتی ہے یعنی روح اللہ تعالیٰ کے حکم یا امر پر حرکت کرتی ہے۔ اس میں انس وجن کا ارادہ شامل نہیں ہے کیونکہ انس وجن کو اپنی انفرادیت کا شعور عالم ناسوت یا مادی دنیا میں عطا کیا جاتا ہے۔ انفرادی شعور کے ساتھ ہی اختیارات بھی انہیں منتقل کئے جاتے ہیں۔ انفرادی شعور کی تخلیق امر ربی یا روح کی روشنی سے عمل میں آتی ہے۔ اسی طرح لوح محفوظ کے پہلے نورانی نقش سے انفرادی شعور یا دماغ فیڈ ہوتا ہے لوح محفوظ کی نورانی تحریریں جن کو تقدیر مبرم کہا گیا ہے۔ ذہن کا وہ پہلا عکس بن جاتی ہیں جس عکس کو لاشعور یا واہمہ کہا جاتا ہے اور جن کی معنویت سے شعور غافل رہتا ہے۔ یہی تحریریں یا لوح محفوظ کے نقوش عکس کاپی ہوتے ہوئے شعور کے پردے یعنی ذہن میں ابھرتے ہیں اور پھر ذہن انہیں معنی پہناتا ہے تب خیال بنتے ہیں اور عملی زندگی کی حرکت شروع ہوتی ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ہم نے آدم کو ساری کائنات کے علوم عطا کر دیئے اور ان علوم کو سکھانے کے بعد اس کے لئے ساری کائنات کو مسخر کر دیا۔ وہ اپنے ارادے واختیار سے کائنات کی نعمتوں سے فائدہ اٹھا سکتا ہے۔ اس عطا کردہ اختیار کو اپنے ارادے سے استعمال کرنا تدبیر ہے۔ اللہ تعالیٰ کے عطا کردہ اختیارات تقدیر معلق کہلاتے ہیں۔ تقدیر مبرم کی روشنی شعور کے پردے پر جن نقوش کی تخلیق کرتی ہے وہ تمام نقوش آدمی کے اندر تقاضہ پیدا کرتے ہیں جیسے بھوک کا تقاضہ۔ تقاضے کا مطلب یہ ہے کہ لوح محفوظ کے قانون کے مطابق تقاضہ تو بدل نہیں سکتا مگر انسان کو دیئے گئے اختیارات کے مطابق انسان اپنی مرضی سے کھانے کی مقداروں میں ردوبدل کر سکتا ہے گویا اللہ تعالیٰ نے انسان کی تقدیر میں صرف بھوک کا تقاضہ پیدا کر دیا جو انسان مٹا نہیں سکتا کہ انسان چاہے کہ بغیر کھائے ساری زندگی گزار دے یہ ناممکن ہے مگر اس بات پر اسے اختیار دے دیا ہے کہ تھوڑا کھائے۔ چاہے زیادہ کھائے۔ اسی اختیار کی وجہ سے اچھائی برائی اور خیر وشر کا قانون عمل میں آیا ہے اور تقاضے کو مٹانے کے لئے کوشش وتدبیر کے اصول وضع کئے گئے ہیں۔ جس حد تک بندے کا اختیار کام کرتا ہے یہ اختیارات تقدیر معلق ہیں جو انسان کے اعمال وافعال کا ریکارڈ ہے۔ مرنے کے بعد انسان وجنات کے تقدیر معلق کے ریکارڈ چیک کئے جائیں گے کہ اس نے اپنے اختیارات کو استعمال کر کے اپنے افعال میں کیا تدبیر وکوشش اختیار کی۔ جہاں تک بندے کا اختیار کام کرتا ہے اس کے ذہن کی ہر حرکت دو رخوں میں تقسیم ہو جاتی ہے۔ ایک رخ میں نفع یا خیر ہے دوسرے رخ میں نقصان یا شر۔ اختیار ہوتا ہے دوراہے پر۔ جہاں ایک ہی راستہ ہو وہاں اختیار کا کیا سوال۔ نوع انسانی کو صحیح طریقے پر اپنے اختیارات استعمال کرنے کے لئے پیغمبروں کی دنیا میں آمد ہوئی جنہوں نے انسان کی ہر حرکت کے دونوں راستے انسان کو دکھا دیئے تاکہ انسان اپنی قوت تدبیر او کوشش کو غلط استعمال نہ کرلے۔ تدبیر آدمی کے ارادہ اور اختیار کا نام ہے جو عقل،

کی روشنی ہے۔ عقل و شعور کو یقین سے قوت حاصل ہوتی ہے۔ یقین قلب کے اندر پڑنے والی لوح محفوظ کے عکس کی روشنی ہے۔ یہ نور شعور کو اس کے افعال کی حرکت کے لئے برقی قوت مہیا کرتا ہے۔ ہمارا جسمانی نظام اسی برقی قوت سے چلتا ہے۔ قلب میں جتنی زیادہ یقین کی روشنی ذخیرہ ہو گی شعور یا عقل اتنا ہی عملی راستوں کی طرف گامزن ہو گی۔ شعور انفرادی تشخص ہے۔ انفرادی شعور کو غیب یا لاشعور میں بڑھنے کے لئے یقین کی انرجی کی ضرورت ہے۔ بغیر یقین کے ہر تدبیر ناکام رہ جاتی ہے جیسے گاڑی موجود ہے مگر پیٹرول نہیں ہے۔ اب گاڑی کیسے چلے۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کے لئے ساری کائنات بنائی ہے انسان اللہ کی عطا کردہ نعمتوں سے اسی وقت فیضیاب ہو سکتا ہے جب اس کی ذات پر یقین و ایمان رکھے اور اپنے فعل کے روشن پہلو پر نظر رکھے۔

آدمی جب عملی زندگی میں قدم بڑھاتا ہے اور حوادث کی زندگی سے دو چار ہوتا ہے تو سب سے پہلے اسے اس بات کا خیال آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ قادر مطلق ہوتے ہوئے اور ہر شے پر قدرت رکھتے ہوئے بھی اس کی مصیبتیں کیوں دور نہیں کر دیتا۔ اصل میں اللہ تعالیٰ نے آدم کو کائنات کا تخلیقی دماغ عطا کیا ہے۔ انسان کائنات میں اللہ کا نائب اور زمین پر اس کے خلیفہ کی حیثیت رکھتا ہے۔ شعوری طور پر اس بات کی آگاہی اسے اس دنیا میں ہوتی ہے۔ آگاہی یعنی علم کی تخلیقی صورت عمل ہے۔ کائنات اللہ تعالیٰ کی صفت خالقیت کا نتیجہ ہے۔ یہاں کی ہر شے صفت خالقیت کے سانچے میں ڈھلی ہوئی ہے۔ امر ربی یا روح کے اندر تخلیق شعور ہے جیسے عالم ناسوت میں آ کر اپنی ذات کا وقوف حاصل ہوتا ہے۔ امر ربی یا روح شعور یا مادی جسم کی تخلیق کر کے اس شعوری دماغ کے اندر اپنی تخلیقی صفات منتقل کرتی ہے۔ یہی وہ روشنیاں یا انوار ہیں جو لوح محفوظ کے

خاک سے منتقل ہوتے ہیں۔ اب جس طرح روح کو اللہ تعالیٰ کی جانب سے تخلیقی علوم اور تخلیقی دماغ عطا ہوا ہے اور روح اس دماغ سے اور تخلیقی صلاحیتوں سے اللہ تعالیٰ کے عطا کردہ اختیارات کے مطابق اپنے ارادے سے اسے استعمال کرتا ہے یعنی روح اللہ تعالیٰ کے ارادے کا میڈیم ہے کہ اور اللہ تعالیٰ کے ارادے کے مطابق کام کرتی ہے اسی طرح روح کا تخلیق کردہ شعور اور شعور کا جسم یعنی مادی جسم بھی روح کا میڈیم ہے۔ روح اس میڈیم کو تخلیق کرنے کے بعد اسے اپنے اختیارات اور صلاحیتیں منتقل کرتی ہے۔ منتقلی کے بعد اور شعور کی خود اپنی ذات کی آگاہی کے بعد یہ بات ضروری ہے کہ شعور اپنی صلاحیتوں کا استعمال کرے۔ اللہ فرماتے ہیں کہ کائنات میں کوئی شے بلا ارادہ نہیں ہے۔ ہر فعل کے پردے میں اللہ کا ارادہ کام کر رہا ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ روح بھی اللہ تعالیٰ کے ارادے اور اذن پر شعوری جسم کی تخلیق کرتی ہے اور شعور کو اپنی صلاحیت اور انفرادیت کا شعور بھی ارادے و اذن ربی کے تحت منتقل کرتی ہے۔ لہٰذا شعور کی علمی و عملی استعداد کو پرکھنا بھی روح کے لئے ضروری ہے تاکہ وہ روح کے میڈیم کی حیثیت سے کام کرے اور جس کام کے لئے روح نے جسم کی تخلیق کی ہے اس جسم سے اپنی مرضی اور اللہ کی رضا کے مطابق کام لے سکے۔ یہی وجہ ہے کہ عملی زندگی کے ہر قدم پر انسان طرح طرح کی آزمائشوں سے دو چار ہوتا ہے۔ قدم قدم پر اسے سہارے کی ضرورت پڑتی ہے لیکن اگر ہر قدم پر روح یا امر ربی اسے سہارا دیئے جائے اور شعور نگاہ میں غیب کی لہر حقیقت بے نقاب ہو جائے تو شعوری سکت عقل و شعور اور انفرادی تشخص زیر بحث نہیں آتا۔ یہ ایسی بات ہے جیسے ایک بچے کو ماں جنم دینے کے بعد پالتی ہے۔ آہستہ آہستہ اسے دنیا میں جینے کے لئے اپنی ضروریات کے حصول کے طریقے سمجھاتی ہے۔ جب بچہ یہ

طریقے سیکھ لیتا ہے تو اسے عملی طور پر ان طریقوں سے کام لینے کے لئے اجازت دیتی ہے۔ بچہ خود کھاتا ہے' خود پیتا ہے۔ اب ماں کو اس کے منہ میں کھانا ڈالنے کی ضرورت نہیں پڑتی۔ بچہ ماں کی صلاحیتوں کو قبول کر کے خود ان پر ماں کی طرح عمل کرنے لگتا ہے۔ اس میں جہاں ماں کی صفت خالیقیت یعنی ممتا کو تسکین ملتی ہے وہاں بچہ کو بھی اپنی قوت ارادی پر یقین آ جاتا ہے اور وہ اپنے ذاتی تشخص سے آگاہ ہو جاتا ہے۔ اسی ذاتی تشخص کا نام انسان ہے اور یہی انفرادی شعور و تفکر اللہ کا نائب اور خلیفہ ہے جسے علوم واختیارات سونپے گئے ہیں۔ فطرت ایک ماں کی طرح اس شعور کی نگہداشت کرتی ہے۔ کبھی پس پردہ اس کی مدد کرتی ہے اور کبھی کسی روپ میں ظاہر ہو کر سے سہارا دیتی ہے۔ فطرت کا پس پردہ ہر عمل شعور کی ذات کے لئے تقدیر مبرم ہے اور اسباب ووسائل کی حدود میں مہیا ہونے والی ہر قوت تقدیر معلق ہے۔ غیب میں ہونے والی حرکات سے شعوری حواس ناواقف ہوتے ہیں جس کی وجہ سے ان پر شعور کا کوئی بس نہیں چلتا مگر ظاہر میں ہونے والے تمام واقعات شعوری حواس کی گرفت میں آ جاتے ہیں۔ اصل میں فطرت کی ذات ایک ہی ہے جو دونوں حواس کی پرورش کرتی ہے۔ ذات واحد ہے۔ البتہ حواس کے دو رخ ہیں۔ ایک رخ حواس کا ظاہری رخ ہے تو دوسرا رخ باطن ہے۔ ظاہر باطن دونوں حواس امر ربی یا روح کے حواس ہیں۔ تقدیر مبرم سے روح کے باطنی حواس واقف و آشنا ہیں اور ان کی حکمتیں روح کی نظر سے پوشیدہ نہیں ہیں جبکہ تقدیر معلق سے روح کے ظاہرہ حواس واقف و آشنا ہیں اور تدبیر کے ذریعے اپنے اعمال وافعال کے نیک وبد ہونے کی حکمت سے بھی واقف ہیں۔

علم نجوم

میری نظر سے علم نجوم کے متعلق ایک کتاب گزری۔ دراصل میری سہیلی لیکر آئی تھی۔ کہنے لگی۔ ستاروں کے ذریعے زندگی کے آنے والے واقعات معلوم ہو جاتے ہیں۔ یہ بہت زبردست علوم ہیں۔ مجھے تو ان پر بہت ہی زیادہ اعتقاد ہے۔ میں نے فلاں نجومی کو اپنا ہاتھ دکھایا تھا۔ اس نے بڑی صحیح صحیح باتیں بتائی تھیں۔ میری گزری ہوئی زندگی کے متعلق بہت سی باتیں بتائی تھیں اور آئندہ بھی جو ہونے والا ہے اس کے متعلق بتایا تھا۔ میں نے پوچھا۔ آئندہ کا کیا بتایا تھا۔ کہنے لگی اس نے بتایا تھا کہ تمہاری شادی فلاں سال میں ہو گی اور وہ بات سچ نکلی۔ میں نے کہا۔ پھر جو باتیں تمہیں نجومی نے بتائیں ان کا تمہیں کیا فائدہ ہوا۔ کہنے لگی۔ کچھ نہیں۔ کم از کم مجھے معلوم تو ہو گیا جو آئندہ میرے ساتھ ہونے والا تھا۔ میں نے ہنس کر کہا۔ نجومی کے کہنے پر تم اپنی شادی کے انتظار میں دن گننے لگیں۔ وہ بھی ہنس پڑی اور بات آئی گئی ہو گئی۔ وہ تو چلی گئی اور میں اپنی افتاد طبیعت کے مطابق ستاروں کے متعلق سوچنے لگی۔ ستاروں میں بھی تو شعور ہو گا۔ وہ بھی تو ہماری طرح سوچتے ہوں گے۔ اللہ پاک نے ہر شے کے اندر نظر اور دماغ رکھا ہے۔ یہی سوچتے سوچتے رات آ گئی۔ میرا مراقبہ کرنے کا وقت آ گیا۔ ذہن پر تو وہی خیال چھایا ہوا تھا۔ مراقبے میں بیٹھتے ہی ذہن فوراً یکسو ہو گیا۔ کیا دیکھتی ہوں کہ میرے بہت ہی قریب

ایک روشن ستارہ ہے۔ یہ ستارہ میرے اس قدر قریب آ جاتا ہے کہ میں اس کو چھو لیتی ہوں۔ اتنے میں بابا جی آتے ہیں۔ اور یہ ستارہ اپنے دونوں ہاتھوں میں اس طرح لے لیتے ہیں جیسے گیند اور پھر اسے میرے ہاتھوں میں دے دیتے ہیں۔ سارا وقت مراقبہ میں یہ دیکھتی رہی کہ اس ستارے کی روشنی میرے اندر جذب ہو رہی ہے۔

دوسرے دن صبح اٹھتے ہی خیال آیا۔ وہ ستارہ کیا تھا۔ جسکی روشنی میرے اندر منتقل ہوئی ہے اور کافی دیر کام کاج کے دوران ذہن ستارے کی جانب متوجہ رہا۔ میں بار بار سوچتی ہم آسمان پر ستارے دیکھتے ہیں۔ جب ہم ستاروں کو دیکھتے ہیں تو ستارے بھی ہمیں دیکھتے ہوں گے وہ ہمارے متعلق کیا سوچتے ہونگے۔ وقتاً" فوقتاً" انہی سوچوں میں دوپہر ہو گئی۔ فرصت پا کر تھوڑی دیر کو صوفے پر بیٹھی تو ذہن پر سکون ہو گیا۔ میں نے آنکھیں بند کر لیں۔ کیا دیکھتی ہوں۔ کہ میرے جسم کے اندر چھ ستارے مختلف مقامات پر ہیں۔ ایک ستارہ ناف کے مقام پر ہے۔ ان ستاروں کی روشنی بہت دور دور تک پہنچ رہی ہے۔ خیال آیا' میں اشرف المخلوقات ہوں اور یہ تمام ستارے میرے تابع ہیں اور مجھے روشنی پہنچانے پر معمور ہیں۔ تھوڑی دیر بعد کوئی ہستی سامنے آئی۔ یہ روشنی کا ایک ہیولا تھا۔ میں نے پوچھا۔ تم کیسے آئے ہو اور تمہارا کیا کام ہے؟ کہنے لگا۔ میں بھیجا گیا ہوں۔ میں نے کہا کہ وہ تو میں بھی جانتی ہوں کہ تم بھیجے گئے ہو۔ تم خود سے ہرگز بھی نہیں آ سکتے۔ اس نے کہا۔ کہ تم یہ کیسے جانتی ہو؟ میں نے کہا۔ تم میرے سامنے ہو' میری آنکھیں تم کو دیکھ رہی ہیں۔ تو کیا میں دیکھ کر اتنا بھی اندازہ نہیں لگا سکتی۔ اس نے حیرت سے پوچھا۔ اچھا! کیا تم صرف دیکھ کر یہ سب کچھ جان سکتی ہو۔ میں نے کہا۔ کیوں نہیں۔ دیکھ کر تو پتہ لگ ہی جاتا ہے۔ اب تم بتاؤ کہ تم یہاں کیوں آئے ہو۔ کہنے لگا اچھا پہلے یہ بتاؤ میں کون ہوں؟ اس کی حیرت ابھی تک باقی تھی۔ میں نے مسکرا کے کہا۔ تم پلوٹو (Ploto) ہو۔ کہنے لگا کہ تم نے صحیح پہچانا۔ میں یہاں تمہارے پاس اس لئے بھیجا گیا ہوں کہ تم کو روشنی پہنچا سکوں۔ میں اپنے آپ کو تمہاری خدمت کے لئے پیش کرتا ہوں۔ میں نے کہا۔ تم میری کیا خدمت کر سکتے ہو؟ پہلے مجھے یہ معلوم ہو جائے تب میں تمہیں اپنی خدمت میں رکھنے کے متعلق سوچوں گی۔ اس نے کہا کہ میری روشنی میں تمہارے حواس خمسہ زیادہ اچھی طرح کام کرنے لگیں گے۔ تم زیادہ اچھی طرح دیکھ سکو گی' سن سکو گی' سونگھ سکو گی۔ میں نے کہا۔ ٹھیک ہے مجھے تمہاری خدمات منظور ہیں۔ آج سے میں تمہیں اپنی خدمت پر مامور کرتی ہوں۔ تم میری ناف کے مقام پر ہمیشہ رہو گے اور خواہ میں تمہیں ہر بار حکم دوں یا نہ دوں۔ تم کو مستقل مجھے روشنی پہنچانی ہو گی۔ اس کے علاوہ وقتاً" فوقتاً" میں تم سے بات کیا کرونگی تاکہ اگر کوئی خصوصی ہدایت تم کو دینی ہو تو دے دوں۔ اس نے رکوع کے انداز میں جھک کر مجھے تعظیم کی اور کہا۔ میں آپ کے حکم کا تابع ہوں۔ میں نے کہا۔ اچھا اب تم جا سکتے ہو۔ تو یہ ستارہ میری ناف کے مقام پر چپک گیا اور میرے اندر اور باہر روشنی پہنچانے لگا۔

یہ منظر دیکھ کر میں سوچنے لگی۔ کائنات کی ہر شے انسان کو اشرف المخلوقات کی حیثیت سے پہچانتی ہے۔ اگر آدمی خود اپنی ذات کو آگاہی کی اس منزل پر لے جائے تو ہر شے اس کی خدمت کے لئے تیار ہے۔ یونکہ اللہ تعالیٰ نے کائنات انسان کے لئے بنائی ہے نہ کہ انسان کائنات کے لئے۔ دوسرے دن پھر فرصت کے وقت ذہن ستاروں میں جا الجھا۔ کیا دیکھتی ہوں کہ ایک بہت ہی بڑا اور روشن ستارہ ہے۔ یہ بالکل ہی قریب ہے اتنے قریب ہے کہ میں اسے چھو سکتی ہوں۔ یہ ستارہ ہماری دنیا سے کئی گنا بڑا ہے۔ اس

کی روشنی میرے دل پر پڑنے لگی۔ میں نے اس روشنی کو دیکھا۔ اس نے بھی دیکھا اور سلام کیا۔ کہنے لگا میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے بھیجا گیا ہوں۔ میرا نام زہرا (Venus) ہے۔ میں تمہارے دل کے مقام پر اپنی روشنی ڈال رہا ہوں۔ میری روشنی میں آپ اللہ تعالیٰ کے احکامات کو بہتر طور پر سمجھ سکتی ہیں۔ یہ آواز اس ستارے کی روشنی سے اس طرح آ رہی تھی۔ جیسے یہ آواز بہت ہی دور سے آ رہی ہے اور جیسے یہ ٹیپ کی ہوئی ریکارڈنگ ہے۔ پھر اس آواز نے کہا کہ جب تمہارے پاس ستارہ زہرہ کی یہ روشنی پہنچ جائے تو تم جان لینا کہ قیامت بہت قریب ہے۔ اس کے بعد یہ روشنی تصور سے ہٹ گئی اور میں اپنے کاموں میں مصروف ہو گئی۔ مگر ساتھ ہی ساتھ ان ستاروں کی انفارمیشن پر ذہن متوجہ رہا۔ دوسرے دن پھر فرصت کے وقت ذہن یکسو ہو گیا۔ بیٹھے ہوئے اچانک میرے سامنے ایک روشنی آ گئی۔ میں نے اس روشنی سے کہا کہ تم بہت دور سے آئے ہو۔ وہ کہنے لگی کہ تم کو کیسے پتہ کہ میں دور سے آیا ہوں۔ میں نے کہا کہ تمہاری لائیٹ ستاروں کی طرح ٹمٹماتی ہوئی آ رہی ہے۔ اگر سیدھی ایک شعاع ہوتی تو میں سمجھتی کہ یہ قریب سے ہی ہے۔ کہنے لگا۔ اچھا تو کیا تمہیں اتنی عقل ہے۔ میں نے کہا ہاں ہے۔ کیا تمہیں اتنی عقل نہیں ہے۔ تم بھی تو مجھے دیکھ رہے ہو اور مجھ سے بات کر رہے ہو۔ میں نے کہا۔ اچھا بتاؤ تم کون ہو؟ کہنے لگا میں تمہاری تقدیر کا ستارہ ہوں۔ میں نے پوچھا۔ نام کیا ہے؟ بولا۔ میرا نام مریخ (Mars) ہے۔ میں اس وقت تمہارے لطیفہ خفی پر روشنی ڈال رہا ہوں اور یہیں سے تم سے بات کر رہا ہوں۔ اس نے کہا جب کبھی تمہیں اخفی کا ریکارڈ دیکھنا ہو اور لوح محفوظ کی کوئی بات معلوم کرنی ہو تو میں اپنی خدمات پیش کرتا ہوں۔ میں تمہارے حکم کا تابع ہوں۔

اس کے بعد یہ منظر آنکھوں سے ہٹ گیا۔ میں غور کرنے لگی کہ یہ سب کیا ہے۔ آدھی رات کو میری آنکھ کھلی۔ میں نے محسوس کیا کہ مریخ مجھے علم دے رہا ہے۔ یہ ایک بزرگ کی صورت میں ہے۔ میں انہیں دیکھتے ہی فوراً پہچان گئی۔ اس نے کہا۔ اے بنت رسولؐ! کائناتی نظام اللہ تعالیٰ کے اسمائے الٰہیہ کی روشنیوں پر قائم اور جاری و ساری ہے۔ یہ روشنیاں ستاروں کے ذریعے سے کائنات میں پھیلتی ہیں۔ زمین پر بسنے والی ہر شے ان روشنیوں کو جذب کرتی ہیں۔ ہر روشنی کے اندر اسمائے الٰہیہ کا تفکر کام کر رہا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ستاروں سے آنے والی روشنی میں زمین کی مخلوق کے لئے کوئی نہ کوئی پیغام ہے اور روشنی مخلوق کے لئے توانائی کا کام کرتی ہے۔ پھر وہ کہنے لگا اللہ تعالیٰ نے انسان کے لئے تسخیر کائنات کا وعدہ فرمایا ہے۔ اس نے اپنے کلام میں فرمایا ہے کہ "ہم نے تمہارے لئے زمین اور آسمانوں کو مسخر کر دیا ہے۔" اللہ پاک کے اس حکم کے تحت میں تمہارے ارادے کے حکم کا تابع ہوں۔ تم جس وقت مجھے چاہو۔ میں تمہاری خدمت میں حاضر ہو کر اپنی خدمات پیش کرنے سے دریغ نہیں کرونگا۔

یکے بعد دیگرے ان ستاروں سے ذہنی رابطہ قائم ہونے کے بعد میں سوچنے پر مجبور ہو گئی کہ لاعلمی انسان کو کس قدر کم ہمت' ڈرپوک اور بزدل بنا دیتی ہے۔ اس کے ساتھ ہی وہ وسائل کا محتاج بن کر رہ جاتا ہے۔ جبکہ تمام وسائل انسان کے لئے پیدا کئے گئے ہیں۔ آدمی اپنے ارادے سے انہیں استعمال کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ میرے ذہن میں سہیلی کا چہرہ گھوم گیا۔ جو بار بار نجومی کے پاس جا کر اپنی تقدیر جاننے کے درپے تھی کہ کسی طرح مستقبل کا سراغ مل جائے۔ مجھے سہیلی کی یہ بات بھی یاد آئی۔ اس نے کہا کہ ایک نجومی نے اسے بتایا۔ کہ فلاں تاریخ سے لیکر فلاں تاریخ تک تمہارے شوہر کے لئے

جان کا خطرہ ہے' ایکسیڈنٹ کا خدشہ ہے۔ اس نے ان تاریخوں کے دوران جو ایک ہفتہ بنتی تھیں۔ اپنے شوہر کو گھر سے باہر نکلنے نہ دیا۔ میں سوچنے لگی۔ آدمی اگر اپنی روحانی صلاحیتوں کو بیدار کر کے کائناتی شعور سے واقف ہو جائے۔ تو کائنات کی ہر شئے اس کے ساتھ تعاون کرنے پر مجبور ہے۔ کائنات کی ہر شئے ایک سسٹم کے تحت ہے۔ تمام نظام شمسی' ستارے اور سیارے نقطہ وحدانی کا جز ہیں۔ نقطہ وحدانی کائنات کا نقطہ ہے۔ جو اللہ تعالیٰ کی آواز کن سے پھٹ کر لا شمار ٹکڑوں میں منقسم ہو گیا۔ نقطہ وحدانی کے یہ لا شمار ٹکڑے نظام شمسی اور اس کے اندر کے ستارے اور چاند ہیں۔ نقطہ وحدانی کے اندر اللہ تعالیٰ کا ارادہ کام کر رہا ہے اور اللہ کا ارادہ اور امر نقطہ وحدانی کا دماغ ہے۔ نقطہ وحدانی کا شعور اول حقیقت محمدیؐ یا روح اعظم کے نام سے پہچانا جاتا ہے۔ نقطہ وحدانی اللہ تعالیٰ کی ربوبیت کا مظاہرہ ہے۔ نقطہ وحدانی کی حدود کے اندر ربوبیت کا مظاہرہ ہی کائنات ہے۔ کائنات لا شمار نظام شمسی کا مجموعہ ہے۔ انسان کے اندر نقطہ وحدانی کا دماغ کام کر رہا ہے۔ نقطہ وحدانی کی روشنیاں کائنات کی ہر شئے کو فیڈ کرتی ہیں۔ ظاہر میں یہ فیڈنگ چاند' سورج' ستاروں کی روشنی ہے۔ جس کی توانائی سے زمین پر مخلوقات جنم لیتی ہیں۔ انسان' حیوانات' نباتات' جمادات سارے کے سارے روشنیوں کی وجہ سے تخلیق ہوتے ہیں۔ دوسری جانب ان روشنیوں کا عمل داخلی صورت میں ہے۔ یہ داخلی عمل شعور و عقل اور باطنی صلاحیتیں ہیں۔ جو نقطہ وحدانی کے دماغ کی صلاحیتیں ہیں۔ انسان کو اللہ پاک نے وہی دماغ عطا فرمایا ہے۔ جو دماغ نقطہ وحدانی یا کائنات کے نقطے کے اندر کام کر رہا ہے۔ یہی دماغ سارے کائناتی نظام کو کنٹرول کر رہا ہے۔ انسان کو یہ دماغ عطا کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ نے اس کے علوم بھی انسان کو سکھا دیئے ہیں کہ کس طرح اسے استعمال کیا جاتا ہے۔ یہی علوم انسان کو دوسری انواع کے مقابلے میں افضل اور اشرف قرار دیتا ہے۔ انسان کی یہ شان نہیں ہے کہ وہ چاند ستاروں سے ملنے والی اطلاعات کو اپنے اوپر مسلط کرلے۔ انسان کا شعور چاند ستاروں سے کہیں زیادہ افضل ہے۔ وہ تو شعور کل ہے۔ شعور کل اطلاعات کا تقسیم کرنے والا ہے۔ انسان کا رابطہ اس شعور کل سے ہو جائے تو وہ اپنے پاس آنے والی اطلاعات کو اپنے ارادے سے قبول بھی کر سکتا ہے اور رد بھی کر سکتا ہے۔ پس آدمی اس طرح اپنی زندگی اپنے ارادے اور اللہ تعالیٰ کی رضا کے ساتھ بغیر کسی خوف و ہراس کے نہایت ہی خوش و خرم رہ کر گزار سکتا ہے۔ انسان کا دماغ نقطہ وحدانی کا دماغ ہے۔ جو کائنات کا نقطہ ہے۔ پس یہ دماغ اپنے ذہن پر کوئی بوجھ برداشت نہیں کر سکتا۔ یہی آزادی انسان کی فطرت ہے۔ فطرت سے ہٹ کر جب کوئی کام ہوتا ہے تو اس میں شخصیت مسخ ہو کر رہ جاتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آدمی تنگی اور رنج و غم اور خوف محسوس کرتا ہے۔ میرا جی چاہا کہ میں دنیا والوں سے چیخ چیخ کر کہہ دوں کہ روحانی علوم حاصل کرو۔ تاکہ تم خود اپنی ذات کو پہچان سکو اور اپنے رب کو جان سکو جس نے تمہیں کائنات کی بہترین نعمتیں عطا کی ہیں۔

روح کی غذا

کھانا کھاتے ہوئے اچانک خیال آیا میں تو دو وقت نہ کھاؤں تو بھوک بے حال کر دیتی ہے۔ روح کو بھی تو بھوک لگتی ہو گی۔ پتہ نہیں وہ کہاں سے کھاتی ہے۔ میں نے مصمم ارادہ کر لیا۔ آج میں ضرور روح سے پوچھوں گی کہ تم کیا کھاتی ہو اور میں خود ہی خیالات کے تانے بانے بننے لگی۔ روح درختوں سے پھل کھاتی ہو گی جبھی تو اس کی صحت اچھی ہے۔ یا پھر من و سلوا کی طرح اللہ کی جانب سے اس کی خوراک کا بندوبست کیا جاتا ہو گا پھر خیال آیا۔ جنت میں دودھ اور شہد کی نہریں بھی تو ہیں۔ چلئے جنت میں تو جنتی میوے اور کھانے ہیں مگر جو بندے اللہ کے خاص ہیں اور جن کا مقام قرب خداوندی ہے وہ اللہ میاں کے پاس کیا کھاتے ہوں گے۔ اللہ میاں کو تو بھوک پیاس نہیں لگتی۔ پھر اللہ کے قرب کا مطلب ہی اللہ تعالیٰ کے سوا ہر شے سے دوری ہے تو جہاں اللہ کے سوا کچھ اور نہ ہو تو۔۔۔۔ اسی لمحے دل ہنس پڑا' تو بچاری روح کو اللہ میاں بھوکا رکھتے ہوں گے۔ اسی وقت روح کی آواز آئی۔ اچھا خود تو ایک وقت کا کھانا چھوڑ نہیں سکتی اور روح کو بھوکا مارنے کا خیال ہے۔ اس کی ہنسی نے فضا میں ترنم بکھیر دیئے۔ میں بھی بیساختہ ہنس پڑی۔ تو پھر تم کیا کھاتی ہو مجھے بھی تو دکھلاؤ۔ وہ بڑے موڈ میں کہنے لگی چلو آج تمہاری دعوت ہو جائے۔ میں نے اسی وقت کھانا چھوڑ کر سارا دھیان روح پر لگا دیا اور انتہائی شوق میں بولی ہاں ہاں ابھی تو میں نے صرف چند لقمے ہی کھائے ہیں۔ وہ بڑے خوشگوار موڈ میں تھی۔ جھوٹی کہیں کی پوری پلیٹ پیٹ کے اندر ہے اور کہتی ہے چند لقمے کھائے ہیں۔ میں بری طرح جھینپ گئی۔ روح کا بازو زور سے ہلاتے ہوئے کہا۔ تم بڑی ظالم ہو کوئی بات پردے میں نہیں رہنے دیتیں۔ ہم دونوں ہی ایک ساتھ ہنس پڑیں۔ اس کے لبوں پر خوشی بھرے نغمے آ گئے۔ ہم دونوں ہاتھ میں ہاتھ ڈالے ہنستی گاتیں جانے کن راہوں پر چل پڑیں۔ روح کے ساتھ مجھے تو اتنا بھی ہوش نہیں رہتا کہ پوچھوں کہ آخر کہاں لئے جاتی ہو۔ میرے لئے تو اس کے ساتھ کا ہر لمحہ زندگی کا حاصل ہے۔ ہر دم یہی دعا دل میں رہتی ہے۔ کاش یہ لمحات جاوداں ہو جائیں۔ ہم تیز روشنیوں کی ایک سرنگ سے گزرنے لگیں۔ جیسے ہی سرنگ ختم ہوئی مجھے لگا کہ ہم اپنی دنیا سے ملتی جلتی دنیا میں پہنچ گئیں ہیں۔ روح بولی۔ یہ عالم اعراف ہے۔ تمہاری پہلی دعوت یہاں ہو گی۔ اس عالم میں ہر شے دنیا کی ہی طرح تھی۔ مگر بہت ہی تازگی محسوس ہوتی تھی۔ سبزہ بہت ہی چمکیلا اور صاف ستھرا' مٹی زرد بہت خوشنما رنگ کی۔ سمندر کے کنارے ریت نہایت ہی دودھیا سفید رنگ کی۔ ساتھ ہی سفید چکنے گول گول پتھر ساحل سمندر پر بچھے ہوئے بہت ہی خوشنما لگتے تھے۔ سمندر کا پانی بہت ہی خوبصورت فیروزی رنگ کا تھا۔ میں تو روح کا ہاتھ چھوڑ کر سیدھی پانی میں جا پہنچی اور چلو بھر لئے۔ پانی میں عجیب طرح کی ملائمت تھی۔ ہلکا ہلکا سنکی سلکی۔ میں نے سوچا سمندر کا پانی تو بہت بھاری کثیف ہوتا ہے۔ یہ تو میٹھے پانی سے بھی زیادہ لطیف لگ رہا ہے بھلا اس کا ذائقہ تو چکھوں اور میں نے چلو سے پانی منہ میں ڈالا۔ اس کا ذائقہ نمکین چھاج جیسا تھا۔ میں نے تو پی لیا اور روح سے بولی یہاں تو سمندر کا پانی بھی اتنا خوش ذائقہ ہے۔ ہمارے یہاں تو سمندر کا پانی پیا بھی نہیں جاتا۔ اچھا یہ تو بتاؤ یہاں وہی چیزیں ہیں مگر رنگ اور ذائقے میں وہاں سے مختلف کیوں ہیں۔ وہ بولی تم نے یہاں کے سورج کی روشنی دیکھی ہے۔ میں نے سورج کی جانب دیکھا اور اس کی

روشنی پر نظر ڈالی۔ سورج کا رنگ چمکتا ارغوانی تھا اور اس کی روشنیوں میں ایسا اجالا تھا جو آنکھوں کو نہایت ہی بھلا لگتا تھا۔ اس کی دھوپ آنکھوں کو چبھنے والی نہ تھی۔ میں نے کہا۔ یہاں کا تو سورج بھی مختلف ہے۔ وہ بولی۔ ہر زمین پر سورج کی روشنی مخصوص سطح سے چھن کر آتی ہے۔ ہر زمین کے اطراف میں مختلف گیسوں کی ایک فضا ہے۔ ہماری زمین کے اطراف میں جو فضا ہے اسے اوزون لیئر کہتے ہیں۔ سورج کی شعاعیں اس سطح سے چھن کر زمین تک پہنچتی ہیں۔ یہ سطح شعاعوں کے لئے فلٹر کا کام کرتی ہے۔ ہر زمین کے اطراف میں یہ فلٹر مختلف گیسوں کا ہے۔ جس کی وجہ سے اس زمین پر سورج کی شعاعیں دوسری زمین سے مختلف معلوم ہوتی ہیں اور اس سیارے پر بسنے والی مخلوق ان کی روشنیوں سے متاثر ہوتی ہے۔ میں نے روح سے سوال کیا۔ زمین کے اطراف میں گیسوں کی یہ سطح بنتی کیسے ہے؟ وہ بولی تم دیکھ رہی ہو کہ کائنات کی ہر شے میں حرکت پائی جاتی ہے۔ ہر شے کی حرکت کی مقداریں مختلف ہیں۔ سورج کی گردش کی رفتار الگ ہے' چاند کی الگ اور ستارے کی الگ۔ روشنی جب سورج کی رفتار سے چل کر سطح زمین تک پہنچتی ہے تو زمین کی رفتار مختلف ہونے کی وجہ سے سورج کی شعاعوں کو دوہری حرکات سے سابقہ پڑتا ہے۔ یہی دوہری حرکت کی لہریں گیسوں کی سطح بناتی ہیں جو اس کرہ زمین کے لئے غلاف کا کام کرتی ہے اس طرح اس زمین کی رفتار اس غلاف کے اندر بند ہو جاتی ہے اور اس غلاف سے باہر دوسرے سیاروں اور سورج کی روشنی کی رفتار علیحدہ ہوتی ہے۔ زمین کی مخصوص رفتار زمین کو اپنے غلاف میں بند رکھتی ہے یہی زمین کی کشش ثقل کہلاتی ہے اور سورج اور دوسرے سیاروں کی رفتار ایک دوسرے سے فاصلہ متعین کرتی ہیں۔ اس طرح گردش کے قانون اور اصول گردش کی رفتار اور اس رفتار سے بننے والی سطح کو مد نظر رکھتے ہوئے ترتیب دیئے جاتے ہیں۔ جب زمین کے اطراف کا اوزون لیئر کسی وجہ سے متاثر ہونے لگتا ہے تو زمین کی گردش کے نظام میں خلل پڑتا ہے۔ جس کی وجہ سے موسم میں تبدیلیاں آتی ہیں اور کرہ زمین پر بسنے والی مخلوق متاثر ہوتی ہے یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالٰی نے انسان کو کائناتی نظام و تخلیقی فارمولوں کے علوم عطا کئے ہیں تاکہ کرہ ارض پر انسان اللہ کی مخلوق کو زمین پر پیدا ہونے والے تخریبی عناصر سے محفوظ رہنے میں مدد کرے۔ میں روح کی باتیں نہایت ہی غور سے سن رہی تھی۔ اب ہم ایسی جگہ پہنچیں جہاں دور دور تک لاوے کے دریا بہتے دکھائی دیئے۔ روح ایک لمحے کو رکی۔ میری طرف جائزہ لیتی نظر سے دیکھا۔ کہنے لگی تم ذرا بھی خوف نہ کرنا' میں جو تمہارے ساتھ ہوں۔ آج میں تمہیں سارے جہان کے کھانے کھلانا چاہتی ہوں۔ تم بے فکر رہو' تمہیں نقصان نہ ہونے دوں گی۔ میں بچوں کی طرح اس سے لپٹ گئی۔ بھلا تمہارے ہوتے ہوئے مجھے فکر کی کیا ضرورت ہے۔ تم ہی میرا دل ہو' تم ہی میرا دماغ ہو' تم ہی میرے ہاتھ پاؤں ہو۔ وہ خوش ہو گئی اور پیار سے مجھے چوم لیا۔ اپنے اوپر کا لباس اتار کر مجھے پہنا دیا۔ پھر بولی چلو چلتے ہیں۔ اس نے میرا ہاتھ زور سے پکڑا۔ اور بولی ترجمہ۔ (اے آگ! ٹھنڈی ہو جا اور سلامتی کا باعث بن جا ابراہیمؑ کے لئے) یہ کہہ کر لاوے کے بہتے دریا میں کود پڑی۔ ایک لمحے کو خوف سے میرا دم نکلتا محسوس ہوا مگر میں نے مضبوطی سے روح کا بازو تھام لیا۔ حیرت سے میری آنکھیں پھٹ گئیں۔ آگ میں تپش بالکل نہ تھی۔ اب میرے جسم کا تناؤ دور ہو گیا۔ چہرے پر اطمینان آ گیا۔ وہ بولی پتہ ہے ہم کہاں جا رہے ہیں۔ دوزخ کی سرزمین کے اطراف میں آگ یا نار کی سطح ہے جس کی وجہ سے اس زمین پر سخت گرمی ہے۔ اسی گفتگو کے دوران ہم زمین پر پہنچ بھی گئیں۔

روح کہنے لگی اگر ہم نے یہ لباس نہ پہنا ہوتا تو ہم کب کی جل گئی ہوتیں۔ پھر ہم نے نہایت ہی تیزی کے ساتھ اس زمین کے گرد چکر لگایا۔ وہاں کی زمین لاوے کی وجہ سے زیادہ تر سیاہ رنگ کی تھی جیسے جھلس گئی ہو۔ زیادہ تر پتھریلی اور ریتلی تھی۔ ان پتھریلے پہاڑوں اور ٹیلوں سے چشمے ابل رہے تھے۔ میں دیکھنے لگی۔ ان کی رنگت ایسی تھی جیسے تلچھٹ۔ روح بولی۔ آپ چند قطرے زبان پر رکھیں تاکہ آپ کو اس کھانے کا مزا بھی پتہ چل جائے۔ میں نے روح کے کہنے پر چند قطرے زبان پر رکھے۔ زبان جل کر اکڑ گئی۔ سخت گرم بدبو دار اور زنگ آلود پانی تھا۔ روح نے فوراً ہی اپنا لعاب دہن میرے منہ میں ٹپکایا۔ اسی وقت میں بالکل ٹھیک ہو گئی۔ اس نے کہا۔ ان پہاڑوں میں ایسے ہی کیمیکل بنتے ہیں جو پانی میں گھل کر پانی کو زہریلا بنا رہے ہیں۔ پھر اس جلی زمین پر درخت بھی جھلسے ہوئے تھے۔ ان پر زقوم کا پھل۔ روح نے توڑ کر مجھے دیا۔ اسے چکھ کر تھوک دیں۔ میں نے ذرا سا کاٹا تو انتہائی کڑوا اور سخت کسیلا تھا۔ جی متلانے لگا۔ اب اس نے اپنی انگلی میرے منہ میں ڈال دی۔ اس انگلی کو چوسنے پر دودھ کا سا مزا آیا اور منہ کا ذائقہ نارمل ہو گیا۔ روح بولی جس کرہ ارض پر ایسا پانی' ایسی ہوا اور روشنی ہو گی وہاں کاشت بھی تو ایسی ہی ہو گی اور پھر یہاں کے رہنے والے یہی سب کچھ استعمال کرنے پر مجبور بھی تو ہوں گے یا نہیں۔ میں نے اثبات میں سر ہلایا تم بالکل ٹھیک کہتی ہو اور میں دل ہی دل میں دوزخ سے بچنے کی دعا کرنے لگی۔

ہم اس زمین سے باہر نکل کر پھر ذرا کھلی فضا میں اڑنے لگے۔ جیسے جیسے آگے بڑھتی جاتیں۔ ویسے ویسے لطافت کا احساس ہوتا۔ یہاں تک کہ ایک حسین راستے پر آ گئیں۔ پھولوں اور درختوں سے بھرا ہوا یہ راستہ ہمارے دلوں میں فرحت و انبساط کے جذبات ابھارنے لگا۔ میں ایک دم بولی پڑی۔ کیا ہم جنت کی طرف جا رہے ہیں؟ وہ ہنس کر بولی ہم جنت میں جا رہی ہیں۔ نہایت ہی حسین باغ میں ہم داخل ہوئیں۔ روح بولی۔ تم نے دیکھا کہ جنت کس غلاف میں بند ہے۔ میں ایک دم بول پڑی جنت نور کے غلاف میں بند ہے۔ جبھی تو اس کے راستے میں خوشیاں اور اللہ تعالیٰ کی رحمت کا احساس ہوا۔ وہ بولی تم بالکل درست کہتی ہو۔ جنت کی زمین کے اطراف میں نور کا لیئر ہے۔ اللہ تعالیٰ کے نور نے چاروں طرف سے جنت کے مقام کو گھیر رکھا ہے۔ اب تم دیکھو کہ نور اس مقام پر کیا تخلیق کر رہا ہے میں نے چاروں طرف دیکھا۔ دور دور تک وہی پہاڑ تھے۔ وہی چشمے' وہی زمین' مگر ہر شے گزشتہ مقامات سے مختلف تھی۔ ہر شے میں ایسی کشش تھی کہ دیکھنے کے ساتھ ہی وہ خود بخود کھنچ کر قریب آ جاتی تھی۔ جیسے دوربین سے دیکھنے پر شے بالکل آنکھوں کے سامنے دکھائی دیتی ہے۔ ہر طرف خوشبوئیں' ہر طرف نغمے اور قہقہے۔ ہم ایک دریا پر پہنچے پانی انتہائی شفاف تھا۔ دریا کی تہہ میں جو ریت تھی۔ وہ بہت ہی خوشنما گلابی رنگ کی تھی۔ دیکھنے پر پانی گلابی لگتا تھا۔ میں نے پیا تو اس کا مزا نہایت ہی لذیذ اور شیریں تھا۔ وہاں کے پھل بھی بیحد خوش ذائقہ تھے۔ ہر شے میں نور نمایاں تھا۔ نور جو اللہ کا عکس ہے نور جو جمال ہے۔ جنت کی ہر شے اللہ کے نور کے جمال کا مظاہرہ دکھائی دی۔ ہر شے نور کی بنی ہوئی تھی۔ نور کے ڈھلے ہوئے یہ اجسام جنہیں دیکھ کر خود بخود ان کے بنانے والے پر پیار آتا تھا۔ اب ہم جنت سے باہر نکل آئے۔ جیسے جیسے آگے بڑھتے جاتے تجلیات کا ہجوم بڑھتا جاتا۔ یہاں تک کہ ہم دونوں تجلیات میں گھر گئیں۔ وہ بولی تجلیات کا یہ ہجوم عرش کی ایک بلندی ہے یہ تجلیات کا دائرہ ہے جس کے درمیان کائنات ہے۔ پھر روح نے ایک مقام پر قدم رکھے۔ کہنے لگی۔ یہ مقام تجلی ذات کا عالم ہے۔ میں نے

چاروں طرف دیکھا۔ مجھے یوں لگا جیسے یہاں ہر شے تجلی کی صورت میں ہے۔ میں نے زمین پر دیکھا زمین تجلی تھی' آسمان بھی تجلی تھا۔ غرض یہ کہ ہر طرف سوائے تجلی کے کچھ نہ تھا۔ میرے اندر تجلی ہی حواس بن گئی۔ میں نے زور سے کہا لا الہ الا اللہ مجھ پر عجیب حیرت کا احساس غالب تھا۔ روح نے میری حیرت کو توڑتے ہوئے زمین کی تجلی کو مٹھی میں بھرتے ہوئے کہا۔ اسے چکھو۔ میں تو جیسے روبوٹ بن چکی تھی۔ سوچنے سمجھنے کی ساری صلاحیتیں سلب ہو گئی تھیں۔ صرف نظر دیکھ رہی تھی۔ میں نے روح کے ہاتھ سے لے کر وہ تجلی منہ میں ڈالی۔ وہ نہایت ہی لذیذ غذا لگی۔ اب روح بولی۔ اے بنت رسولؐ مقام قرب میں ہر شے تجلی کا مظاہرہ ہے۔ اللہ تعالیٰ جو کچھ اپنے بندے کو کھلانا چاہتا ہے وہ غذا تجلی کی صورت میں بندہ کھاتا ہے' جو لباس اللہ پہنانا چاہتا ہے وہ لباس تجلی کی صورت میں بندہ پہنتا ہے۔ اس مقام پر بندے کی ذات تجلی کی صورت میں ظاہر ہوتی ہے اور اس کا شعور بھی تجلی ہی بنتا ہے۔ پس تجلی کی آنکھ اللہ کو دیکھتی ہے۔ میں نے کہا۔ اے روح جب اللہ تجلی ہے تو بندے کا اپنی ذات کا شعور کس طرح باقی رہتا ہے؟ وہ بولی۔ اللہ کی صفت حی قیوم ہے صفت حی قیوم خود زندہ اور قائم رہنے والی ہستی ہے اور اس صفت کے اندر جو بھی علم اور نقش ہو گا اسے بھی اپنی بقا سے باقی رکھنے والی ہے۔ جیسے تم فریزر میں کھانا رکھ کر اسے محفوظ کر دیتے ہو۔ اسی طرح کائنات کے نقوش تجلی ذات کے عالم میں محفوظ ہیں۔ یہی لوح محفوظ کا عالم ہے۔ جہاں کائنات اللہ تعالیٰ کی صفت حی قیوم سے زندگی اور بقا حاصل کر رہی ہے۔ بقا توانائی ہے اور یہ توانائی صفت حی قیوم کی تجلی سے حاصل ہوتی ہے۔ جب اللہ کی بقا سے کوئی بندہ ہم رشتہ ہو جاتا ہے تو وہ تجلی کے نقش یا متشکل تجلی کی صورت میں قائم اور زندہ رہتا ہے اور اس عالم میں موجود تجلیات کو ذات خالق کی حیثیت سے پہچان جاتا ہے۔ تب اس کے اوپر اسمائے الٰہیہ کے حواس غالب آ جاتے ہیں اور اللہ کی صفات اس کا ادراک بن جاتی ہیں۔

چھپا ہوا خزانہ

فجر کے وقت آنکھ کھلی۔ سردیوں کی صبحیں بھی آدھی رات جیسی لگتی ہیں۔ ٹھنڈی اور کالی۔ مگر صبح اٹھنے میں مزا بہت آتا ہے۔ ایسا لگتا ہے جیسے اللہ میاں بالکل یہیں کہیں موجود ہیں۔ شاید اس لئے کہ بند کمرے میں دور تک تو نظر جاتی نہیں اس لئے اللہ میاں بھی آس پاس ہی محسوس ہوتے ہیں۔ وضو کر کے فجر کی نماز پڑھنے کھڑی ہوئی۔ ایک دم سر پر اسپاٹ لائٹ لگی۔ مجھے یوں لگا جیسے اللہ تعالیٰ مجھے دیکھ رہے ہیں۔ یہ اسپاٹ لائٹ اللہ کی نظر ہے۔ میں اسپاٹ لائٹ کے دائرے کے بیچوں بیچ ایک نقطے کی طرح ہوں۔ ساری نماز میں دھیان اسی روشنی کی طرف رہا۔ نماز کے فوراً بعد ہی میں مراقبہ میں بیٹھ گئی۔ میں نے سوچا اللہ کی ذات مجھے دیکھ رہی ہے۔ مگر میرا وجود تو روشنی کے اس دائرے کے اندر ایک نقطے کے برابر ہے۔ سیاہ نقطہ جس کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔ میری کوئی حیثیت نہیں ہے۔ اب میری نگاہ روشنی کے دائرہ پر دوبارہ پڑی تو احساس ہوا کہ اللہ کا نور تو ہر عیب سے پاک ہے۔ عیب تو مجھ میں ہے۔ پاکی نور ہے اور عیب تاریکی اور ظلمت ہے۔ احساس کمتری نے سیاہ نقطے کو خود اپنی نظر میں اس حد تک کمتر بنا دیا کہ اس کی اپنی نگاہ میں اپنی ذات کی نفی ہو گئی۔ نظر میں بس نور ہی نور رہ گیا۔ دل نہایت ہی عاجزی کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے نور کی تعریف اور حمد وثناء میں مصروف ہو گیا۔ اللہ پاک کی ذات بڑی بے نیاز ہے اس کی نظر میں "لا" کا گزر نہیں ہے۔ "لا" جو تاریکی ہے۔ مجھے محسوس ہوا۔ دھوپ کی طرح چاروں طرف سے مجھ پر روشنی پڑ رہی ہے۔ یہ روشنی سیاہ نقطے میں جذب ہونے

لگی۔ سیاہ نقطہ ستارے کی طرح روشن ہو گیا۔ نقطے میں روشنی بڑھتی گئی اور روشنی کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ کا تصور بھی بڑھتا گیا۔ خیال آیا۔ سیاہ نقطے کا ادراک اپنی ذات کی نفی ہے۔ اس لمحے مجھے یوں محسوس ہوا جیسے اللہ تعالیٰ بالکل ہی میرے قریب ہیں۔ میں کان سرگوشی سننے لگی۔ مجھے خیال آیا میں اس کے رازوں کی امین ہوں میں کیا ہوں؟ آہ میں کچھ بھی نہیں ہوں۔ اس تڑپ کے ساتھ ہی اللہ تعالیٰ کی سرگوشی صاف سنائی دی۔ تمہاری نفی ہمارا اثبات ہے۔ اس اثبات کے ساتھ ہی سیاہ نقطے کا وجود ختم ہو گیا۔ اس کی جگہ اب نور کا ایک ستارہ تھا۔ نور نے خود اپنی ذات کا اثبات مقرر کیا۔ ستارے کا نور بڑھنے لگا۔ یہاں تک کہ ستارے سے نور کی شعاعیں نکلنے لگیں۔ ان شعاعوں کی تجلی میں ستارہ چھپ گیا۔ ذات خواہ کتنے ہی پردوں میں چھپ جائے ذات کی انا نہیں مٹ سکتی۔ نور کی شعاعیں پھیلتی گئیں' ذات کی انائیں بکھرتی رہیں' نور کی ہر شعاع میں ذات کا ایک نیا رنگ تھا۔ یہ رنگ پھیلتے پھیلتے اسپاٹ لائٹ کے دائرے کی آخری حد تک پھیل گئے۔ دائرے کی حدود سے متصل ایک رنگین ہیولا ظاہر ہوا۔ خیال آیا یہ میں ہوں۔ میں ذات کا ادراک ہوں۔ ذات جو ازل سے ابد تک اس دائرے پر محیط ہے۔ اس رنگین ہیولے نے دائرے کی گہرائی میں نظر ڈالی اور رازدارانہ انداز میں کہنے لگا۔ اے محبوب! تو ہزاروں پردوں میں اپنے آپ کو چھپالے۔ [illegible] تیرا سراغ ہر صورت میں پالے گی۔ ہیولے کی نگاہ دائرے کے مرکز میں بڑھنے لگی۔ ہر گہرائی پر یوں لگتا جیسے ایک ایک پردہ ہٹتا جا رہا ہے۔ نظر ذات کے پردے ہٹاتی چلی گئی۔ یہاں تک کہ ایک پردہ باقی رہ گیا۔ نظر کے سامنے سیاہ نقطہ آ گیا۔ مگر اب سیاہ نقطہ کا مفہوم بدل چکا تھا۔ نظر کے لئے سیاہ نقطے کی ذات اب میں نہیں بلکہ تو کا تصور تھا۔ میں کا تصور نظر کے ہیولے میں اتر آیا تھا۔ ہیولا

ذات کو جان گیا تھا۔ اس ذات کو جو سیاہ پردوں میں چھپی ہوئی تھی۔ اس نے سیاہ نقطے کی گہرائی میں جھانکتے ہوئے کہا۔ اے ذات خالق! میرا وجود تیری ہی روشنی سے قائم ہے۔ تو سورج ہے' تو چاند ہے' تو ستارہ ہے۔ اپنے اوپر سے یہ بادل ہٹا تاکہ نظر تیرے جمال کو پہچان لے۔ ذات نے چہرے سے نقاب ہٹایا جیسے پہاڑوں کی اوٹ سے سورج نکل آیا' جیسے بادل کی چلمن سے چاند نے جھانکا' جیسے آسمان کی پیشانی پر ستارہ جگمگایا۔ ذات کی روشنی میں رنگین ہیولے کے رنگ اس طرح چمک اٹھے جیسے بہار میں پھولوں کے چمن لہلہاتے ہیں۔ ہیولا ذات کے قریب ترین آگیا۔ اے میرے رب! تو ذات ہے' میں تیرا عکس ہوں۔ تو خالق ہے' میں تیرا بندہ ہوں۔ تو اسرار ہے' میں تیرے اسرار کا امین ہوں۔ نظر ذات کی گہرائی میں اترتی چلی گئی۔ وہ پہچان گئی تھی کہ ذات نے اپنے چہرے سے نقاب صرف اسی کے لئے ہٹایا ہے۔ ذات اور نظر کے سوا یہاں اور کوئی نہیں ہے۔ اس نے سوچا ذات تو چھپا ہوا خزانہ ہے۔ میرے اندر کے سارے رنگ ذات کے ہیں۔ ذات ہیرا ہے۔ میں ہیرے کی چمک ہوں۔ ہیرے کی چمک ہیرے کی ذات کا حصہ ہے۔ میں وہ ادراک ہوں جس نے سب سے پہلے اللہ تعالیٰ کی خالقیت کو جانا اور پہچانا۔ نظر ذات کی گہرائی میں اپنی انتہا کو پہنچ گئی۔ ہر قدم پر ذات کا ایک نیا رنگ اس کے سامنے آ جاتا۔ نظر اپنی انتہائی گہرائی میں پہنچ کر ذات کے رنگوں سے ذات کے خزانوں سے بوجھل ہو گئی۔ رحمت خداوندی نے نظر کو مرتبہ احسان عطا کر دیا۔ فرش بندگی پر سجدہ ریزہ ہو گئی۔ اس کے وجود کا ہر ذرہ پکار اٹھا۔ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ اس کی آواز چہار سو پھیل گئی۔ اسے یوں لگا جیسے اس کا کلمہ ایک ایسا درخت ہے جس کی شاخیں نہایت تیزی سے پھیلتی جا رہی ہیں یہاں تک کہ آسمانوں اور زمینوں کی گونج یہ کلمہ بن گیا۔ اس کا دل چاہا اور زور سے اپنے رب کی خالقیت اور ربوبیت کا اعلان کرے تاکہ اس کی گونج اس کا کلمہ پھیلتا ہی جائے۔ اس کے آسمانوں اور زمینوں کا پھیلاؤ بڑھتا جائے۔ اس کی کائنات کی وسعت بڑھتی جائے۔ نظر تحت الثریٰ سے عرش معلیٰ تک جا پہنچی۔ اس کا کلمہ ازل سے ابد تک پھیل گیا۔ ذات کی تجلی سارے عالمین کو محیط ہو گئی۔ ہیرے کی جگمگاہٹ آسمان وحدت کا شمس بن کر دونوں عالم کو منور کرنے لگی۔ وحدت خداوندی نے ہمیشہ کے لئے نظر کے ساتھ رشتہ جوڑ لیا۔ جہاں تو ایک ہے وہاں میں دوسرا ہوں۔ وہ نظر وحدت کی نگاہ بن کر اس کی لامتناہیوں میں دیکھنے لگی۔ نظر نے کائنات کی ہر شے کو دیکھا۔ کہنے لگی اے میرے رب ساری کائنات تیری ہستی کا پھیلاؤ ہے' ہر شے کے قلب میں تیرا قیام ہے' تیری تجلی کا پھیلاؤ ہی کائنات ہے' تو ہر شے کے اندر چھپا بیٹھا ہے۔ اے میرے رب ہر شے کا وجود ایک ایسا برقعہ ہے جس نے تیری ذات کو چھپا لیا ہے۔ میری نگاہ تجھے بے نقاب دیکھنے کو مچلتی ہے۔ نظر کی روشنی آہستہ آہستہ اپنے دائرے میں سمٹنے لگی۔ یہاں تک کہ سمٹتے سمٹتے ایک نقطہ رہ گئی۔ آنکھ کی پتلی کا سوراخ۔ نظر کی روشنی اس سوراخ سے اندر چلی گئی اس کے اپنے اندر سیاہ نقطے کا قیام تھا۔ نظر کی روشنی میں سیاہ نقطہ روشن ہو گیا۔ ذات کی سرگوشی سنائی دی۔ ہم نے کب تمہاری نگاہ سے اپنے آپ کو چھپایا ہے۔ ادھر دیکھو ہم تمہاری آنکھ کا نور ہیں۔ ادھر دیکھو کائنات کی ہر شئے ہمارے نور کا عکس ہے۔ اول و آخر' ظاہر و باطن سب کا سب ہم ہی ہیں۔ اے نظر! ظاہر بھی میں ہوں' باطن بھی میں ہوں۔ میں ہی تمہارا خالق ہوں۔ کیا تم اتنا بھی نہیں سمجھتی؟ نظر بولی۔ اے میرے رب! تو تو نور ہے۔ پھر مجھے ہر شے کے قلب میں سیاہ نقطہ کیوں دکھائی دیتا ہے۔ ذات نے کہا۔ اے نظر اپنی آنکھ کو اس طرح کھول کر رکھ کہ تیری پتلی سے بینائی کا نور آتا جاتا رہے۔ تب تیری

آنکھ کے ذریعے نور، نور کو دیکھے گا۔ سیاہ نقطہ تیری آنکھ کا ادراک ہے۔ جیسے جیسے ادراک بڑھتا جاتا ہے ویسے ویسے سیاہ نقطہ روشن ہوتا جاتا ہے۔ اے آنکھ جان لے کہ سیاہ نقطہ جو تجھے ہر شے کے باطن میں دکھائی دیتا ہے یہ تجلی کا عکس ہے، ذات کا عکس ہے، نقطہ ماسکہ ہے۔ تفکر کے اس نقطے سے اس وقت روشنی پھوٹتی ہے جب تو یقین کے ساتھ اس نقطے پر نظر ڈالتا ہے۔ تیرا یقین ایمان ہے۔ ایمان کے نور میں ذات کی جانب نظر اپنا راستہ تلاش کرلیتی ہے۔ ایمان نور ہے، ایمان یقین ہے، ایمان بینائی ہے۔ انسان کے قلب میں سیاہ نقطہ اللہ تعالیٰ کے تصور کا نقطہ ماسکہ ہے۔ اللہ کا یقین اور ایمان اس نقطہ میں جذب ہوتا رہتا ہے۔ نور کی صفت بینائی یا نظر ہے۔ جب دل کا نقطہ نور جذب کرلیتا ہے تو خود نور بن جاتا ہے۔ دل کی آنکھ کھل جاتی ہے اور بندہ روحانی شعور سے واقف ہو جاتا ہے۔ ایسے ہی بندے کو اللہ تعالیٰ نے مومن کہا ہے۔ جس کے سینے میں ایمان داخل ہو جائے۔ یعنی جس کے قلب کی آنکھ کھل جائے۔

جسمِ مثالی

"قیامت قریب آگئی ہے اور چاند شق ہو گیا۔" سورہ قمر کی یہ آیات پڑھتے ہی ذہن ان آیات کی گہرائی میں جا پہنچا۔ حافظے کے افق پر ایک چاند نمودار ہوا۔ اس وقت نور نبوت سے جگمگاتا ایک ہاتھ اوپر اٹھا جسکی انگلی کے اشارے پر چاند دو ٹکڑے ہو گیا۔ رعب رسالتؐ نے بدن میں ایک لطیف کرنٹ دوڑا دیا۔ دل عظمت پیغمبریؐ سے مرعوب ہو گیا۔ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم آپ پر ہزاروں سلام۔ روح چاند کی کرنوں کے لباس میں خود چودھویں کا چاند بنی سامنے آگئی۔ اس کے بدن سے چاندنی کی سی روشنی پھوٹ رہی تھی۔ چہرے پر بھورے بالوں کی لٹیں، بدلی میں چاند کا تصور پیش کر رہی تھیں۔ روح کی نظریں خلاء میں دیکھ رہی تھیں اس کی انہماکی دیکھ کر میری ہمت نہ پڑی کہ اس سے کوئی بات کروں۔ بس چپکے سے میں نے اس کی نظر کی روشنی میں اپنی نظر کو ملا دیا۔ سب سے پہلے میری نگاہ کے سامنے ایک تکون سا دروازہ آگیا۔ مگر در حقیقت یہ دروازہ نہیں تھا بلکہ ایک ٹاور سا تھا۔ اندر داخل ہوتے ہی خیال آیا میں روح کے تفکر میں داخل ہوں۔ یہ راستہ آرپار تھا۔ میں اس راستے میں ٹاور کے باہر فوراً نکل آئی۔ خیال آیا یہ ٹاور روح کے تفکر کا گیٹ ہے۔ جو اس گیٹ سے پار ہو جاتا ہے وہ روح کے حواس میں داخل ہو جاتا ہے اور جو اس گیٹ کے پار نہیں ہو سکتا وہ اس تکون ٹاور میں محبوس ہو جاتا ہے میرے اوپر ایک جھرجھری سی آگئی۔ اف! میں اس اندھیرے ٹاور میں ایک لمحے بھی نہیں رہ سکتی۔ اور میں دوڑ کر ایک ہی جست میں روح کے برابر جا پہنچی۔ وہ

اسی طرح محویت کے عالم میں خلاء میں نظریں لگائے بیٹھی تھی۔ میں نے اپنی پلکیں جھپکائیں۔ دیکھوں تو بھلا یہ کہاں گم ہے۔ بار بار پلکیں جھپکانے پر ہر بار میری نظر کے سامنے سے خلاء کا سکوت دور ہونے لگا۔ آہستہ آہستہ نظر کے سامنے نقش و نگار ابھرنے لگے۔ میں نے پھر پلکیں اس خیال سے پٹپٹائیں کہ ذرا صاف نظر آ جائے اور پھر میری نظر روح کی روشنی کے اندر عین سیدھ میں دیکھنے لگی۔ اس نور میں حد نگاہ پر چاند کھڑا تھا اس چاند کے چاروں طرف روشنیوں کا ہالہ تھا۔ یوں لگا جیسے چاند نور کی زمین پر کھڑا ہے۔ میں نے دیکھا کہ ایک اشارہ ہوا اور چاند ایک کی بجائے دو ٹکڑے ہو گیا۔ ایک چاند تو خود اس کا جسم تھا۔ دوسرا چاند کی وہ روشنیاں تھیں جو پہلے ہالے کی صورت میں چاند کے اطراف تھیں۔ میرے ذہن میں آیا چاند کا یہ ہالہ چاند کا جسم مثالی ہے اور اس جسم مثالی نے جو لوگوں کی نظر سے چھپا ہوا تھا۔ اپنے آپ کو مادی شکل و صورت میں لوگوں کی نظروں کے سامنے پیش کر دیا۔ اسی طرح آسمان پر دو چاند طلوع ہو گئے۔ جسم مثالی مادی شے کا وہ جسم ہے جو روشنیوں سے بنا ہے۔ اس روشنی کے جسم کا عکس مادی جسم ہے۔ ہماری آنکھیں عکس کو تو دیکھ لیتی ہیں مگر اصل جسم آنکھ سے مخفی رہتا ہے جسم مثالی تصویر کا نیگیٹو ہے۔ نیگیٹو سے جتنی مرضی فوٹو بنا سکتے ہیں۔ مادی جسم فوٹو ہے۔ نیگیٹو فوٹو کی اصل ہے۔ خیال آیا یہ وہ جگہ ہے جہاں نیگیٹو محفوظ ہیں خیال آیا میری نظر زمانیت میں دیکھ رہی ہے۔ زمانیت کا حکم کن کی روشنی ہے اس نور کے اندر کائنات کے تمام جسم مثالی موجود ہیں۔ روح کی نظر جس شے پر پڑتی ہے روح کے ارادے کے ساتھ وہ شے روح کے شعور میں منتقل ہو جاتی ہے اور انسان کی آنکھ اسے مادی صورت میں دیکھ لیتی ہے۔ ذہن میں تجسس پیدا ہوا روح کیا ہے کیونکہ جس روح کو میری نظر دیکھ رہی تھی وہ روح اس جسم مثالی سے علیحدہ نظر آتی تھی۔ اس خیال کے ساتھ ہی میری نظر روح کی نگاہ کی روشنی کے عین مرکز میں ایک اسپاٹ لائٹ کی طرح نہایت روشن ہو گئی۔ یہ نہایت لطیف روشنی جیسے ایک دم ایک مقام پر مرکوز ہو گئی۔ ذہن میں کلام الٰہی کی یہ آیت ابھری۔

ترجمہ: "نہ جھٹلایا دل نے جو دیکھا۔ نہ درماندہ ہوئی نگاہ نہ حد سے آگے بڑھی۔" (سورہ النجم)

بہت دیر تک میری نظر مرکز پر ٹھہری رہی۔ یہ مرکز تجلی کا ایک نقطہ تھا اس لمحے مجھے یوں محسوس ہوا جیسے مجھے کسی نے ہپناٹائز کر دیا ہے۔ بس نظر اس نقطے پر اپنی پوری توجہ کے ساتھ مرکوز ہو گئی۔ بہت دیر بعد آہستہ آہستہ اس نقطے کا پھیلاؤ ہونے لگا۔ نقطے کے ہر پھیلاؤ پر ایک ایک فلیش ہوتا گیا مگر میری نظر بالکل ساکت ہو کر سب کچھ دیکھتی رہی۔ اب یہ نقطہ پھیلتے پھیلتے پورے ازل ابد پر محیط ہو گیا۔ نقطے سے نکلنے والا ہر فلیش ازل ابد کے دائرے میں تیرنے لگا۔ خیال آیا یہ لمحہ حکم کن کا آغاز ہے۔ تجلی کا نقطہ روح کی ذات ہے نقطے سے نکلنے والا فلیش اس نقطے کی صفات ہیں۔ ہر فلیش آہستہ آہستہ اپنی رفتار کم کرتا گیا اور پھر تمام فضا میں جسم مثالی تیرنے لگے۔ خیال آیا۔ روح کی ذات ایک ہے کیونکہ روح کا تعلق براہ راست ذات باری تعالیٰ سے ہے' روح کے اندر اللہ تعالیٰ کی وحدت فکر کام کر رہی ہے۔ اسی وحدت فکر کا مظاہرہ روح کا جسم مثالی ہے' جو روح کی صلاحیتوں کے متحرک ہونے سے وجود میں آتا ہے۔ اگر روح کی ذات کو ایک ذات تصور کر لیا جائے تو کائنات کے تمام جسم مثالی روح کے مختلف لباس یا صورتیں ہوئیں جس میں کائنات کی حدود میں روح اپنے آپ کو ظاہر کرتی ہے اور جسم مثالی اپنے آپ کو ایک

مادی جسم کے ساتھ ظاہر کرتا ہے ہر لمحے اور ہر آن اللہ تعالیٰ کے حکم پر روح کی ذات اپنی تخلیقی صلاحیتوں کا مظاہرہ کر رہی ہے۔ جسم مثالی اور مادی جسم کی تمام حرکات روح کے کنٹرول میں ہے۔

اب پھر ذہن میں وہ سورہ قمر کی آیت ابھری۔ "قیامت قریب آ گئی ہے اور چاند شق ہو گیا ہے۔" بھلا اچانک چاند کے شق ہونے کا قیامت سے کیا تعلق ہے؟ قیامت کیا ہے؟ ذہن بار بار یہ الفاظ دہرانے لگا۔ قیامت کیا ہے؟ قیامت کیا ہے؟ کیا دیکھتی ہوں کہ وہی تکون نما ٹاور ہے' بہت بڑا سا اس کے اندر دیکھتی ہوں اس میں بڑی بھول بھلیاں سی ہیں اور اندر زیادہ تر اندھیرا ہے۔ کہیں روشنی کہیں اندھیرا۔ لوگ اندر داخل ہوتے ہیں اندھیرے میں وہ اندھوں کی طرح ٹٹولتے ہیں۔ اجالے میں ذرا قدم تیز ہو جاتے ہیں۔ یہ ٹاور ایسا بند سا ہے اور لوگوں کے ہجوم کی وجہ سے اور زیادہ دم گھٹتا محسوس ہوتا ہے۔ اندھیرے میں لوگ بار بار بھٹک رہے ہیں اور سخت پریشان ہیں۔ میرے ذہن میں خیال آیا کہ تعجب ہے کہ یہ لوگ اندھیرے میں اندھے کیوں ہو جاتے ہیں جبکہ روح کی ذات تو خود روشنی ہے۔ پھر یہ اپنی ذات کی روشنی کیوں استعمال نہیں کرتے۔ اس اندھیرے میں بھٹک بھٹک کے خود اپنے آپ کو تباہ کئے جا رہے ہیں۔ اس طرح تو یہ ابد تک انہی بھول بھلیوں میں بھٹکتے رہیں گے اور ان کے جسم مثالی کے حواس ابد تک اس عذاب میں مبتلا رہیں گے۔ اسی وقت روح کی آواز نہایت ہی کڑک دار لہجے میں سنائی دی۔ "اے نفس! یاد رکھ پیغمبروں کے معجزے اللہ تعالیٰ کی وہ نشانیاں ہیں جس کی کسوٹی پر ایمان کو پرکھا جاتا ہے۔ ہر انسان کا نفس کسی نہ کسی کسوٹی پر ضرور پرکھا جاتا ہے۔ دنیا کی زندگی اس تکون ٹاور کی بھول بھلیوں سے گزرنا ہے۔ جو نفس ان بھول بھلیوں میں کھو کر اپنی روح سے رابطہ توڑ دیتا ہے وہ روح کی روشنیوں سے محروم ہو جاتا ہے۔ روح کی روشنیاں ذات باری تعالیٰ کی صفات کے انوار ہیں' پس روح سے تعلق ٹوٹنے سے ذات باری تعالیٰ سے بھی ایسے نفس کا رابطہ ٹوٹ جاتا ہے' جس کی وجہ سے جسم مثالی کی روشنیاں یعنی صلاحیتیں آہستہ آہستہ دم توڑنے لگتی ہیں اور وہ ناکارہ ہو کر اس تکون ٹاور (یعنی عالم ناسوت) میں محبوس ہو جاتا ہے۔ اپنی ناکامی کا احساس ہی قیامت ہے۔ پس اے نفس یاد رکھ کسی بھی لمحے اپنی ذات کو اپنی روح سے جدا نہ کر کہ روح کا تعلق ہر لمحہ ذات باری تعالیٰ کے ساتھ قائم ہے۔ مگر روح اللہ تعالیٰ کے حکم پر جب عمل کرتی ہے تو وہ اپنے جسم مثالی اور مادی جسم کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے احکام پورے کرتی ہے۔ جسم مثالی کا شعور انسان کا قلبی شعور ہے۔ قلب جب تک ایمان وایقان کے نور سے منور نہ ہو گا انسان کو زندگی کی اندھیروں راہوں میں بھٹکنا ہو گا۔ ایمان اور یقین نور ہے جو روح کے ذریعے قلب میں منتقل ہوتا ہے۔ قلب کی صورت جسم مثالی ہے جس طرح شعور کی صورت مادی جسم ہے۔ جس طرح مادی جسم و شعور کی خوبصورتی اور تندرستی کا انحصار متوازن خوراک پر ہے اسی طرح مثالی جسم کے حسن کا راز ایمان اور یقین کے نور میں پوشیدہ ہے۔ مرنے کے بعد جسم مثالی کے ساتھ انسان زندگی گزارے گا' پس دنیوی زندگی میں انسان اپنے ایمان ویقین کے نور سے جسم مثالی کی نشوونما کرتا ہے۔ مرنے کے بعد اسی مناسبت سے وہ اپنے آپ کو حسین وتندرست یا نحیف ولاغر اور بیمار پائے گا۔ مرنے کے بعد کی حالت ہمیشہ برقرار رہنے والی ہے' پس اپنے قلب کو اندیشہ وشکوک سے پاک رکھ تاکہ ایمان اور یقین اس میں داخل ہو سکے کیونکہ یقین اور شک دو متضاد چیزیں ہیں۔ جب ایک موجود ہوتا ہے تو دوسرا غائب ہوتا ہے۔ شق القمر چاند کے جسم مثالی کی بہترین تخلیق کا نمونہ ہے

جسے اللہ تعالیٰ کے پیغمبر نے تیرے سامنے مظاہرہ کر کے تجھے دکھلا دیا کہ اے انسان! تو بھی اپنے ایمان اور یقین کے نور سے اپنے ارادے کے ساتھ اپنی تخلیقی صلاحیتوں کو بہترین صورت بخش سکتا ہے کہ تیرے اندر احسن الخالقین کے بعد تخلیق کرنے والی ایجنسی موجود ہے اور احسن الخالقین کے بعد تمام ذیلی تخلیقات ذیلی ایجنسیوں کے ذریعے ہی ظہور میں آتی ہیں۔ احسن الخالقین وہ ذات واحد ہے جو بغیر وسائل و اسباب تخلیق کرتا ہے مگر احسن الخالقین کے بعد کی تمام ذیلی ایجنسیاں احسن الخالقین کے بناتے ہوئے وسائل و قوانین کے ذریعے تخلیق کرتی ہیں۔ ذات باری تعالیٰ کے سوا باقی تمام ایجنسیاں اپنی تخلیق کے لئے وسائل کی پابند ہیں۔ اے نفس! یاد رکھ تو ہر قدم پر اپنے خالق کا محتاج ہے تیری زندگی' تیری بقا' تیری ہر سانس خالق کی عنایت ہے۔ پس خالق سے رشتہ توڑ کر تو کیوں قبر کی اندھیری کوٹھڑی میں سسکنا چاہتا ہے۔ یاد رکھ تیری اصل حقیقت روح ہے اور روح کی اصل حقیقت اللہ تعالیٰ کا نور ہے۔ روح اللہ کی تجلی کا ایک نقطہ ہے روح کی ہر صلاحیت اللہ کی صفات ہیں۔ اللہ کی ذات اور صفات لامحدودیت ہے۔ روح کے اندر اللہ تعالیٰ کا تفکر کام کر رہا ہے' اس تفکر کے ساتھ روح کی فکر بھی لامحدود ہے۔ روح اپنی صلاحیتوں کا مظاہرہ جسم مثالی اور مادی جسم کے ساتھ کرتی ہے۔ مادی جسم روح کی صلاحیتوں کو محدودیت میں رہ کر ظاہر کرتا ہے جبکہ جسم مثالی یعنی روح کا روشنی کا جسم روح کی صلاحیتوں کا لامحدودیت میں مظاہرہ کرتا ہے۔ اے نفس! پھر ایک بار غور سے سن۔ لامحدودیت اللہ تعالیٰ کی تجلیات ہیں۔ اللہ تعالیٰ عالمین میں داخل ہونے کے لئے اللہ تعالیٰ کو خالق جاننا اور اس کی ربوبیت کا پہچاننا ضروری ہے' پس وہ لوگ جن کے سامنے اللہ تعالیٰ کی نشانیاں واضح طور پر آ جائیں اور اس کے باوجود وہ اللہ تعالیٰ کی خالقیت اور ربوبیت میں شک وشبہ کریں۔ ایسے کم ظرف اور بدبخت نفوس خود اپنی انا کے مادی خول میں مقید کر دیئے جاتے ہیں۔ مرنے کے بعد ان کی روح اس تکون نما ناور میں قید ہو کر رہ جاتی ہے اور اسے آزاد فضا میں اڑنا نصیب نہیں ہوتا مگر چونکہ روح کی اصل فطرت لامحدودیت کا شعور ہے روح کے اندر اپنی فطرت کے مطابق لامحدودیت میں جانے اور ان عالمین میں آزادی کے ساتھ زندگی بسر کرنے کی خواہشات ابھرتی رہتی ہیں مگر وہ ان خواہشات کو عملی جامہ نہیں پہنا سکتی جس کی وجہ سے اس کی باطنی صلاحیتیں آہستہ آہستہ دم توڑ دیتی ہیں اور وہ ناامیدی' بے یقینی اور محرومی کے احساس میں ڈوب جاتی ہے۔ اس کے جسم مثالی میں اتنی سکت نہیں رہتی کہ وہ اپنی انا کی دیواریں توڑ کر خالق کی انا سے رشتہ وابستہ کر لے۔ بے یقینی اور شک انسان کے اندر قوت ارادی کو تباہ کر کے رکھ دیتا ہے۔ انسان کی موت کے بعد یہ جان لینا کہ وہ اب ہمیشہ کے لئے محدودیت میں قید ہو کر رہ گیا ہے اور اس کے اندر اللہ تعالیٰ کا نور کے فقدان ہے یہ احساس محرومی انسان کے لئے قیامت ہے' پس تو اپنے اندر اللہ کے نور کے ذخیرہ کر تاکہ قیامت کے عذاب سے چھٹکارا مل جائے۔"

میں روح کی اس پکار پر دم بخود رہ گئی چند لمحوں تک تو یہ حالت تھی جیسے سانپ سونگھ گیا ہے۔ پھر آہستہ آہستہ حواس بحال ہونے لگے۔ بچہ جب ماں کی جھڑکی کھاتا ہے تو منہ بسورتا ہوا پھر بالآخر ماں کی آغوش میں ہی گھسنے کی کوشش کرتا ہے کیونکہ اسے ماں کے سوا کہیں اور آرام نہیں ملتا۔ سو یہی حالت میری تھی میں نے بھی اسی میں عافیت جانی کہ روح کے بڑے سے لبادے میں اپنے ننھے منے سے وجود کو گم کر دوں تاکہ اس کے بدن کی حرارت میرے خوف کو دور کر دے۔ روح میری اس نادان حرکت پر بڑی شان سے

مسکرا دی اور جلدی جلدی اپنے لبادے کو ٹھیک کرنے لگی تاکہ کوئی مجھے دیکھ نہ سکے اور
میری پوری طرح حفاظت ہو سکے۔

عالم مثال

ایک ہی خیال ذہن میں بار بار آئے تو وہ حافظے کا نقش بن جاتا ہے اور حافظے کا یہ نقش بلا ارادہ بھی کبھی کبھی ذہن میں ابھر آتا ہے۔ ضروری نہیں کہ یہ نقش حواس کے لئے باعث تسکین ہو۔ بعض اوقات تو دماغ کے پردے پر ایسی ایسی تصویریں ابھرتی ہیں کہ دل و دماغ بوجھل ہو جاتے ہیں۔ خیالات کا جہان بھی کیا جہان ہے۔ ایسا لگتا ہے جیسے گہرا کنواں ہے جو خیالات سے بھرا ہوا ہے۔ جب خیال گہرائی سے سطح پر آتا ہے تو نظر اسے دیکھ لیتی ہے ورنہ گہرائی میں خیالات کس طرح ایک دوسرے سے ہم آغوش ہیں کون جانے۔ بار بار ایک ہی خیال جب دماغ میں پیدا ہوتا ہے تو دل کی آرزو بن جاتا ہے۔ اس دن میرے ساتھ بھی کچھ ایسی ہی بات تھی۔ حالانکہ سارا دن کام کاج میں سخت مصروفیت رہی مگر رہ رہ کر یہی خیال ابھرتا رہا۔ خیالات کے کنویں کی گہرائی میں جھانکنا چاہئے اور رات کو تمام کام سے فراغت پا کر ذہن بس اسی خیال میں ڈوب گیا۔

مجھے یوں محسوس ہوا جیسے میں ایک گہرے کنویں میں اتر رہی ہوں۔ گھپ اندھیرا ہے۔ کچھ نظر نہیں آ رہا مگر خوف نہیں ہے۔ بلکہ جیسے جیسے اندھیرے میں قدم بڑھتے جا رہے ہیں۔ ویسے ویسے دل کی جستجو بھی بڑھتی جا رہی ہے۔ ہر قدم پر یوں محسوس ہوتا جیسے بس اگلے قدم پر نظر کے سامنے کچھ آنے والا ہے اور یہی امید اندھیرے میں بڑھنے کا حوصلہ دیتی رہی۔ کچھ دیر بعد نظر کے سامنے ایک دم سے روشنی آ گئی۔ جیسے کسی نے اندھیرے کمرے میں تیز بلب روشن کر دیا ہو۔ حد نگاہ تک روشنی تھی۔ پہلے تو میں نے

رک کر چاروں طرف کا جائزہ لیا۔ روشنی کی اس قدر وسیع و عریض فضا تھی جیسے کوئی صحرا میں کھڑا ہو۔ جدھر بھی نظر جائے ریت کے سوا کچھ نہ پائے۔ میری نظر بھی روشنی کی فضا میں ہر طرف سے گھری ہوئی تھی۔ نہ کوئی سمت نہ کوئی رخ' جاؤں تو کہاں جاؤں۔ زبان سے ایک دم نکلا۔ یا اللہ! کیا کروں اور اسی لمحے روح سامنے آگئی۔ اسے اتنے قریب اچانک دیکھ کر میں نے کئی بار پلکیں جھپکائیں تاکہ دل کو یقین آجائے کہ واقعی نظر کے سامنے روح موجود ہے۔ روح میری اس حرکت پر ہنس پڑی اور شگفتہ انداز میں بولی۔ ارے بھئی یہ میں ہی ہوں۔ اب تمہارے لئے اتنی بھی انجان نہیں ہوں کہ تم مجھے نہ پہچان سکو۔ اس کی بات پر مجھے بھی ہنسی آگئی اور خوشی میں اسے گلے لگالیا۔ وہ بولی پہلے یہ بتاؤ یہاں کیا کر رہی ہو؟ میں نے کہا بہت ہی جی چاہ رہا تھا تم کو دیکھنے کو اس لئے آگئی۔ اس نے میری طرف گھور کے دیکھا پھر شرارت سے ہنس پڑی۔ کہنے لگی بس تو پھر دیکھ لیا۔ میں جاتی ہوں' خدا حافظ۔ میں نے لپک کر اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔ ارے' ارے' ایسا غضب نہ کرو بات تو سنو۔ اصل میں' میں یہ دیکھنا چاہتی ہوں کہ میرے دماغ میں خیالات کہاں سے آتے ہیں؟ میں یہاں تک تو آگئی۔ اب اس وسیع و عریض فضا میں مجھے تو روشنی کے سوا کچھ دکھائی نہیں دے رہا ہے۔ کہاں جاؤں؟ وہ بولی۔ تو یہ بات ہے اچھا تو آؤ میرے ساتھ' بس تم صرف دیکھتی رہنا۔ اپنے دل سے معنی نہ پہنانا۔ میں خود تم کو ہر چیز کی حکمت سے آگاہ کروں گی۔ میں نے خوش ہو کر اس کا ہاتھ مضبوطی سے پکڑ لیا۔ یہ تو اور بھی اچھی بات ہے۔ اس نے ایک قدم آگے بڑھایا اور اسی وقت سامنے ایک شفاف روشن سیدھی سڑک آگئی۔ میں نے حیرت سے کہا۔ یہ پہلے تو یہاں نہیں تھی۔ اس نے آگے بڑھتے ہوئے کہا۔ یہ پہلے بھی تھی۔ صرف تمہاری نظر اس زاویے پر مرکوز

نہ تھی۔ کہنے لگی کائنات کی ہر شے نظر کے ایک خاص زاویے سے دکھائی دیتی ہے۔ اگر نظر کا زاویہ سیٹ نہ ہو تو روشنیاں بکھری ہوئی دکھائی دیتی ہیں۔ یا بعض اوقات شے کی صورت اور خاکہ ہی قطعی طور پر بدل جاتا ہے ہر شے کی ظاہری صورت نظر کا ایک مخصوص زاویہ ہے۔ جیسے ہی نظر کا زاویہ بن جاتا ہے شئے اپنی شکل وصورت میں نگاہ کے سامنے آجاتی ہے۔ دوسرے معنوں میں نگاہ کو کیمرے کے لینس کی طرح تصور کے خاکے پر فوکس کرنے کی ضرورت ہے۔ جب نگاہ تصور کے خاکے پر صحیح فوکس ہو جاتی ہے تو شئے ظاہری شکل وصورت میں سامنے آجاتی ہے۔ وہ بولی۔ اے بنت رسولؐ! اندھیرا خود اپنی ذات میں کچھ نہیں ہے۔ بات صرف اتنی ہے کہ ذہن جب لاعلم ہو تو یہ لاعلمی اندھیرا بن جاتی ہے۔ علم روشنی ہے اور لاعلمی اندھیرا ہے' جب ذہن علم کی روشنی جذب کرلیتا ہے تو اندھیرا روشنی میں بدل جاتا ہے۔ کہنے لگی علم تو اللہ کا نور ہے۔ یہ نور عرش سے لے کر فرش تک ہر جگہ یکساں طور پر موجود ہے۔ خواہ تم اس کی موجودگی محسوس کرو یا نہ کرو نور کے اندر ذات اور صفات کا ادراک ہے۔ یہ ادراک جب حرکت کرتا ہے تو تہہ در تہہ نور سے گزرتا ہے۔ ادراک کی ہر حرکت نور کے اندر ڈائی مینشن یا ابعاد پیدا کرتی ہے۔ کائنات کی تمام اشیاء انہیں ابعاد وڈائی مینشن سے بنے ہوئے نقش ونگار ہیں۔ میں نے روح سے سوال کیا ادراک کیا ہے؟ بولی' ادراک اللہ تعالیٰ کی کن کی آواز ہے۔ یہ آواز کائنات کے دائرے میں جب داخل ہوئی تو اس دائرے میں ذات کی تجلیات موجود تھیں۔ کیونکہ ذات تو ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گی اللہ تعالیٰ کی ذات میں کوئی تغیر نہیں ہے جب کن کہا تو تجلیات کی اس فضا میں اللہ تعالیٰ کی آواز منتقل ہو گئی اور آواز کی یہ گونج کائنات کے دائرے میں مقید ہو گئی۔ اللہ تعالیٰ کی آواز کا نور ہی ادراک ہے جو ازل اور

ابد کے دائرے میں مسلسل حرکت ہے۔ جیسے سمندر کی لہریں اس کنارے سے اس کنارے تک سفر کرتی رہتی ہیں۔ ادراک وقت یا ٹائم ہے۔ مخلوق کے اندر ادراک تفکر اور حواس بن کر کام کرتا ہے اور ذات کی تجلیات مخلوق کے اندر نظر یا بینائی کا کام کرتی ہے۔ ادراک حرکت ہے اور نظر روشنی ہے۔ حرکت کی لہریں جب تہہ در تہہ نور کی فضا سے گزرتی ہیں تو نظر ان حرکات کی لہروں سے بننے والی ڈائی مینشن اور نقش و نگار کو دیکھتی ہے چونکہ یہ ڈائی مینشن اور نقش و نگار نور کی ذات سے الگ ہیں۔ پس اللہ کی نظر ان نقش و نگار کو اپنی ذات سے علیحدہ دیکھتی ہے اور یہی نقش و نگار کائنات کے اجسام ہیں۔ میں نے پوچھا تو اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ نقش و نگار جو اللہ تعالیٰ کی آواز سے تجلی ذات کی اس فضا میں پیدا ہوئے۔ اللہ میاں کو ان کا پہلے سے علم تھا۔ کیونکہ بغیر علم کے شئے کا وجود ممکن نہیں ہے روح نے میری جانب ستائش کی نظر سے دیکھا۔ جیسے کہہ رہی ہو کہ تم ٹھیک سمجھیں۔ بولی اللہ کا علم اس کی ذات کا ایک جز ہے۔ اور ذات کا ہر جز اس کی صفات ہیں پس اس کی ذات اور صفات کن سے پہلے بھی تھی اور کن کے بعد بھی ہے۔ تجلی ذات کے عالم میں کائنات کا علم موجود تھا' کن کہہ کر اللہ تعالیٰ نے علم کائنات کے تمام اجزاء کو ادراک عطا کر دیا۔ اس ادراک کی پہلی صورت روح ہے جو تجلی کا جمال ہے۔ دوسرے لفظوں میں تجلی کا ہیولا ہے۔ تجلی ذات کے عالم میں اللہ کی نظر اسمائے الٰہیہ کو دیکھتی ہے۔ تجلی کے یہی عکس تجلی ذات کے عالم سے جب نیچے اترتے ہیں تو لوح محفوظ کی صورت میں جلوہ گر ہوتے ہیں۔ تجلی ذات کے عالم میں صرف ادراک ہے۔ حرکت نہیں ہے۔ اس عالم میں ادراک نگاہ کے طور پر کام کر رہا ہے اور نگاہ تجلی ذات کے عالم میں علم کائنات کی ہر تجلی کو اسمائے الٰہیہ کی حیثیت سے دیکھتی ہے کیونکہ ذات واحد ہے اور نگاہ جو کچھ دیکھتی ہے وہ اپنی ہی ذات میں دیکھتی ہے مگر کن کہنے سے یہ ادراک جب حرکت میں آ جاتا ہے تو لوح محفوظ پر نور کے ہیولے اسمائے الٰہیہ کے عکس کی صورت میں نمودار ہوتے ہیں لوح محفوظ کے عالم میں یہ نقوش ارواح ہیں۔ یہ ارواح ان عالمین میں جو حرکات کرتی ہے اور دیکھتی ہیں وہی حرکات یا ادراک اطلاع کی صورت میں انسان کے دماغ میں خیالات بن کر ابھرتا ہے یعنی ہر خیال روح کی ایک مخصوص حرکت ہے۔ یہ حرکت لوح محفوظ سے شروع ہو کر دنیا یا عالم ناسوت میں آتی ہے۔ پھر یہاں سے واپس لوح محفوظ میں روح کے ذہن میں لوٹ جاتی ہے۔ ہر خیال روح کے دماغ کا ایک عکس ہے جو دراصل عالم نور یا لوح محفوظ کا ایک نقش ہے۔ لوح محفوظ سے یہ نقوش عکس در عکس اترتے ہوئے تمام عالمین میں ازل سے ابد تک پھیل جاتے ہیں اس طرح ایک عکس ساری کائنات میں سفر کرتا ہے۔ اگر یہ عکس خود اپنی ذات کا انفرادی شعور حاصل کر لے تو وہ ازل اور ابد تک حدود میں جہاں جہاں سفر کرے گا اپنی ذات کو اس عالم میں دیکھ لے گا۔

ہم نور کے اس عالم میں تھوڑی دیر چلتے رہے مگر یوں لگا جیسے ہم نے زمین و آسمان کے فاصلے طے کر لئے ہیں۔ اب ہم ایک درے سے باہر نکل آئیں۔ یہاں کا عالم ہی اور تھا۔ ہلکے ہلکے رنگوں کی روشنیاں فضا پر چھائی تھیں۔ کبھی کوئی رنگ جھلکتا' کبھی کوئی رنگ۔ یوں لگتا جیسے رنگین بادل ہیں اور یہ بادل روشنی کے ہیں۔ یہ بادل بے حد آہستہ آہستہ حرکت میں تھے اور زمین سے اوپر اٹھتے ہوئے ان کے رنگ آپس میں ایک دوسرے میں جذب ہوتے جاتے۔ اس طرح رنگوں کے بہت خوبصورت خاکے بن جاتے۔ چونکہ یہ بادل زمین سے اوپر جا رہے تھے اور مسلسل حرکت میں تھے جس کی وجہ سے

خاکے بھی ہر آن اپنی صورت بدلتے جاتے تھے۔ میں تو جیسے اس پرستان میں کھو کر رہ گئی۔ روح نے میرا کندھا ہلا کر میری محویت کو توڑا۔ بولی یہ سب بادل خیالات ہیں۔ میرے منہ سے تعجب میں ایک دم سے نکلا۔ اچھا۔ اتنے حسین خیالات یہ کہاں سے آ رہے ہیں۔ وہ بولی۔ اگر تم اپنے حواس درست رکھو تو میں لئے چلوں۔ تم تو بس ان کی رنگینیوں میں کھو کر رہ گئی ہو۔ میں نے مسکرا کے روح کے بازو میں بازو ڈالتے ہوئے کہا۔ اچھی روح تم ذرا اپنے دل پر ہاتھ رکھ کر بتاؤ۔ تصور کا یہ حسین عالم، بھلا کون یہاں اپنے ہوش وحواس میں رہ سکتا ہے۔ وہ ہنس پڑی اور شوخی سے بولی۔ تم خود کسی رنگین تصور سے کم ہو۔ اس کے ان الفاظ پر جیسے میری نظر نے خود اپنے سراپا کو دیکھ لیا۔ میں واقعی رنگین بادلوں جیسی روشنی کا ایک حسین جسم تھی۔ خوشی اور حیرت کے ملے جلے جذبات کے ساتھ ساتھ میرے اندر شدید خواہش ابھری میں کس کے تصور کا عکس ہوں؟ کون ہے وہ، کہاں ہے وہ؟ میں نے روح کو جوش میں ہلا ڈالا۔ ہم دونوں بہت ہی خوش تھیں۔ ہر قدم پر رنگین ہیولے آتے جاتے رہے اور ہم دیکھ دیکھ کر محظوظ ہوتی رہیں۔ بہت دور چل کر ایک سرزمین پر پہنچے، یہ زمین اسی فضا کی گہرائی میں تھی۔ یہاں زمین پر ہیروں کی طرح ستارے بکھرے ہوئے تھے، یہ ستارے کوئی روشن تھے، کوئی بغیر تراشے ہوئے ہیروں کی طرح مدھم تھے۔ میں نے حیران ہو کر کہا۔ کیا عجیب بات ہے۔ ستارے تو آسمان پر ہوتے ہیں اور یہ ستارے تو زمین پر اگ رہے ہیں۔ یوں لگتا تھا جیسے یہ زمین پر پودوں کی طرح اگے ہوئے ہیں۔ وہ بولی ہم آسمان پر ہی تو ہیں اور یہ جو تار تم دیکھ رہی ہو جن سے یہ ستارے اس زمین سے جڑے ہوئے ہیں۔ ان تاروں سے ستاروں کو روشنی فراہم ہو رہی ہے۔ میں ٹھہر گئی اور ان ستاروں کو بغور دیکھنے لگی۔ ان کے اندر سے رنگین شعاعیں نکل رہی تھیں اور یہی شعاعیں رنگین بادلوں کی صورت میں پھیل کر رنگین ہیولے بنا رہی تھیں۔ روح کہنے لگی۔ اے بنت رسولؐ! یہ عالم مثال ہے۔ ہر ستارہ روح ہ ایک مرکزی خیال ہے۔ روح اس ستارے میں اپنی فکر کی روشنی منتقل کرتی ہے اور ستارے کے ذریعے یہ روشنیاں عالم مثال سے سفر کرتی ہوئی عالم ناسوت میں جا کر مادی صورت میں جلوہ گر ہو جاتی ہیں اور پھر مادی صورت سے فنا ہو کر واپس روشنی میں اپنے مرکز کی جانب لوٹ آتی ہیں۔ وہ ایک دم بولی تم دیکھنا چاہتی ہو۔ تم کس کے تصور کی مورت ہو۔ میں نے فوراً کہا۔ یہی تو میں دیکھنے آئی ہوں۔ وہ ایک ستارے کی جانب بڑھی۔ بولی یہ ہے وہ ستارہ۔ میں نے نظریں جھکا کر اس ستارے کی جانب دیکھا۔ اس ستارے میں پہلے تو میرا اپنا عکس آئینے کی طرح دکھائی دیا پھر نظریں اس عکس کے اندر اتر گئیں۔ آئینے کی گہرائی میں خود روح کا عکس موجود تھا۔ میں نے نظریں اٹھائیں اور روح کو دیکھا۔ میرے ہونٹوں پر جیسے ایک سکوت چھا گیا۔ سر الٰہی زبان سے نہیں آنکھوں سے بیان کئے جاتے ہیں۔ ہمارے لب خاموش تھے۔ مگر نظروں نے جانے کیا کیا داستانیں کہہ ڈالیں اور میں روح سے لپٹ گئی۔

کس کا حسن تصور ہوں کوئی کیا جانے
ازل کے لمحہ تنہائی نے گھڑا ہے مجھے

مقام آداب

آدھی رات کو خواب سے آنکھ کھلتے ہی غیب سامنے آگیا' کیا دیکھتی ہوں کہ روح ایک مجمع میں تقریر کر رہی ہے۔ وہ انتہائی سنجیدگی کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی صفات بیان کر رہی ہے۔ مگر ابھی وہ چند جملے ہی کہتی ہے کہ لوگ آپس میں باتیں کرنا شروع کر دیتے ہیں۔ روح انہیں ادب سے سننے کے لئے کہتی ہے لیکن وہ لوگ کسی قسم کی دلچسپی ظاہر نہیں کرتے اور اپنی ہی باتوں میں لگے رہتے ہیں۔ روح پاس کھڑے ہوئے انتظامیہ کے لوگوں سے کہتی ہے میں نے کہا تھا نا کہ ان لوگوں کو میری باتوں سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔ یہ کہہ کر سخت غصے کے عالم میں وہاں سے لوٹ جاتی ہے اب پھر انتظامیہ کے لوگ اسے ایک دوسری مجلس میں لے جاتے ہیں' روح پھر ان لوگوں کے سامنے اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات کے علوم بیان کرتی ہے اب کے سے لوگ مجلس میں کوئی آ رہا ہے' کوئی اٹھ کر جا رہا ہے۔ کوئی پانی مانگ رہا ہے غرض کہ کسی کو بھی جیسے ان علوم سے کوئی دلچسپی نہیں ہے بلکہ سارے اپنے ہی مشاغل میں لگے ہوئے ہیں۔ روح بار بار انہیں ادب سے بیٹھنے اور غور سے اس کی باتیں سننے کی ہدایت کرتی ہے' مگر لوگ کوئی پروا ہی نہیں کرتے۔ آخر کار روح خوب غصے میں وہاں سے انتظامیہ کے ساتھ تیسری مجلس میں جاتی ہے۔ یوں لگتا ہے جیسے یہاں انسانوں کے ساتھ جنات بھی ہیں۔ اب کے سے پھر روح ان لوگوں میں ذات باری تعالیٰ کی تعریف بیان کرنے کی کوشش کرتی ہے' مگر جوں ہی یہ کھڑی ہوتی ہے چند جملے سن کر ہی لوگ بد تمیزی سے کہنے لگتے ہیں کہ یہ باتیں ہمارے کسی کام کی نہیں ہمیں تو تم دنیا کی باتیں بتاؤ یہ کہہ کر سب آپس میں ہنسنے بولنے لگتے ہیں۔ روح بہت غصے میں وہاں سے بھی واپس آ جاتی ہے اور انتظامیہ سے کہتی ہے میں پہلے ہی کہتی تھی کہ یہ لوگ میری بات نہیں سنیں گے۔ یہ سب اپنے حال میں مگن ہیں انہیں سوائے اپنی ذات کے اور کسی سے دلچسپی نہیں ہے۔ اس کا چہرہ جلال خداوندی کا آئینہ دار بن گیا۔ میں نے روح کا یہ روپ پہلی بار دیکھا تھا میں اس کی قوت جلال سے جیسے سہم کر رہ گئی اور اس کے ساتھ ہی مجھے ان لوگوں پر بھی غصہ آنے لگا جنہوں نے روح کا کلام سننے سے انکار کر دیا تھا۔ میں نے سوچا کیسے بد نصیب ہیں یہ لوگ جب کہ انتظامیہ نے ان کے لئے اتنی سہولتیں مہیا کر دیں' انہیں جمع کیا پھر ان کے مجمع میں روح کو ان کی ہدایت کے لئے بھیجا گیا۔ اس پر بھی لوگ کوئی بات سننے کو تیار نہیں ہیں۔ آخر لوگ کیا چاہتے ہیں۔ وہ کس طرح خالق کو چھوڑ کر مخلوق کی محبت میں اپنے آپ کو غرق کر سکتے ہیں۔ مجھے لوگوں پر سخت افسوس ہوا اور غصہ آیا کہ آرام سے اگر ذرا بیٹھ کر بات سنیں تو کچھ تو ان کی سمجھ میں آ جائے گا۔۔۔ جو سننا ہی نہ چاہیں تو کیا حاصل ہو گا۔ میں نے محسوس کیا کہ روح کے پاس بہت علم ہے اور اس کی باتیں انسان کے لئے بہت زیادہ فائدہ مند ثابت ہوں گی۔ یہ سوچ کر میں آہستہ آہستہ آگے بڑھی۔ روح کا غصے میں تمتمایا ہوا چہرہ اس کے رعب ودبدبے کی نشانی تھا۔ میں روح کے غصے کی زد میں نہیں آنا چاہتی تھی اس لئے محتاط تھی۔ میں نے دبے پاؤں اس کے قریب آ کر ادب سے ہاتھ باندھ کر عرض کی۔ اے روح! کیا میں آپ سے ایک درخواست کر سکتی ہوں؟ میری عاجزانہ آواز پر اس نے چونک کر میری

جانب دیکھا اور اسی وقت اس کے چہرے کی تمتماہٹ خوشی کی سرخی میں بدل گئی۔ اس نے مسکرا کے کہا کہئے ننھی بلبل آپ کیا چاہتی ہیں؟ اس کے خوبصورت الفاظ نے میرے دل سے اس کی دہشت مٹا دی اور میں نے اطمینان سے جواب دیا کہ میں نے ان تمام لوگوں کو دیکھ لیا ہے جو آپ کی بات نہیں سننا چاہتے تھے مجھے ان کی نادانی پر سخت افسوس ہے مگر میں ان میں شامل ہونا نہیں چاہتی۔ میں آپ سے مودبانہ عرض کرتی ہوں کہ آپ جو کچھ ان لوگوں کو سکھانا چاہتی ہیں وہ تمام علوم مجھے سکھا دیجئے کیونکہ مجھے ان کے سیکھنے کا بے حد شوق ہے اگر آپ نے میری درخواست قبول نہ کی تو میری زندگی برباد ہو جائے گی۔ میری درخواست کے دوران اس کے چہرے پر خوشی کے رنگ آتے رہے جنہوں نے اسے اور بھی حسین بنا دیا جیسے ہی میں نے کلام بند کیا اس نے اسی وقت میرا ہاتھ پکڑ لیا اور کہنے لگی آؤ میں تمہیں وہ علوم سکھاؤں گی جو یہ بدنصیب نہیں سیکھنا چاہتے۔ وہ مجھے ایک چشمے پر لے گئی۔ بولی آب کوثر سے اچھی طرح وضو کرو۔ میں نے وضو کیا اس وقت میرے ذہن میں یہ آیت گونجی نٓ وَالْقَلَمِ وَمَا يَسْطُرُوْنَ "قسم ہے قلم کی اور جو کچھ وہ لکھتے ہیں۔" (سورہ القلم) اب ہم ایک لفٹ میں بیٹھے جو انتہائی تیز رفتار تھی اس نے ہمیں ایک مقام پر اتار دیا۔ مجھے یوں لگا جیسے میں نور کی فضا میں کھڑی ہوں۔ میرے پاؤں تلے زمین کی سختی نہیں تھی۔ یہ فضا بے حد روشن تھی۔ میں نے چاروں طرف نظریں گھمائیں کہ آخر یہ روشنی کہاں سے آ رہی ہے مگر نہ چاند دکھائی دیا نہ سورج' نہ ستارے۔ بس یہ فضا خود ہی چاند سورج سے بھی زیادہ روشن اور لطیف تھی۔ مجھے محسوس ہوا ہمارے جسم بھی انتہائی لطیف ہیں اور نور کی فضا میں معلق ہیں۔ ہم اس نور میں ایک جانب بڑھنے لگے۔ یوں لگا جیسے یہ راستہ اس نور کے عالم میں بہت گہرائی میں ہے۔ بہت دور چلنے کے بعد ایک گول دائرہ آ گیا جس کے اطراف میں پانچ راستے نکل رہے تھے اور ہر راستہ بہت خوبصورت پھولوں سے سجا ہوا تھا۔ ہم ایک راستے پر بڑھے تو اس تمام سفر میں روح نہایت ہی خاموش تھی۔ وہ بہت ہی پر وقار دکھائی دیتی تھی۔ میرے اندر بھی اس کے جلال کا مشاہدہ کرنے کے بعد اتنی ہمت نہ تھی کہ کچھ بول سکوں میں نے سوچا خود ہی کچھ سکھانا چاہتی ہے سکھا دے۔ میں خواہ مخواہ کچھ بول کر اسے کیوں تنگ کروں۔ مجھے ویسے بھی بار بار اس کے ملال کا خیال آ رہا تھا کہ اس کی اتنی کوشش کے باوجود لوگ اس کی بات سننے کو آمادہ نہ ہوئے۔ اس راستے پر کچھ دور چلنے کے بعد سامنے ایک سفید نور کی بے حد عظیم الشان عمارت آ گئی۔

روح نے اس عمارت کے دروازے پر کھڑے ہو کر کہا یہ مقام محمود کی یونیورسٹی ہے اس یونیورسٹی کے چانسلر حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں۔ اس یونیورسٹی میں علم حضوری سکھایا جاتا ہے۔ یہ کہہ کر اس نے دروازے پر ہاتھ رکھا دروازہ کھل گیا۔ میں روح کے ساتھ ہی اس کے اندر داخل ہوئی۔ وہ مجھے ایک کمرے میں لے گئی جہاں بہت سے اولیاء اللہ تھے۔ سب کے سروں پر سیاہ ٹوپیاں تھیں جیسی ڈگری یافتہ پہنتے ہیں۔ روح نے میری ملاقات ان سے کرائی اور بتایا کہ یہ تمام خواتین وحضرات اس یونیورسٹی کے اساتذہ ہیں۔ کہنے لگی جس طرح دنیا میں ڈگریاں ہوتی ہیں۔ کوئی ڈاکٹر کہلاتا ہے' کوئی بیچلر کہلاتا ہے' کوئی ماسٹر کہلاتا ہے' اسی طرح علم حضوری کی بھی ڈگریاں ہوتی ہیں' یہ ڈگریاں غوث' قطب' ابدال' نجباء' وغیرہ ہوتی ہیں۔ یہ تمام اساتذہ ڈگری یافتہ ہیں۔ مقام محمود کی اس یونیورسٹی میں صرف ڈگری یافتہ ہی کام کر سکتے ہیں پھر اس کے بعد وہ مجھے کلاس روم میں لے گئی۔ روح اس وقت سر پر دوسرے اساتذہ کی مانند سیاہ ٹوپی پہنے ہوئی تھی۔ کلاس

روم میں داخل ہوئی۔ یہ بہت ہی بڑا روم تھا جیسے ساری دنیا جتنا ایک کمرہ۔ روح سیدھی
ٹیچر کی کرسی پر جا بیٹھی۔ میں اس کی اجازت سے طالب علم کے ڈیسک پر بیٹھ گئی روح نے
آواز دی۔ اسلام علیکم اے بنت سولؐ آدم؟! آپ کا داخلہ مقام محمودی کی یونیورسٹی میں قبول
کیا جاتا ہے' آپ کو مبارک ہو' خوشی سے میری آنکھیں بھیگ گئیں' میں نے کہا اے
روح! آپ کا شکریہ۔ میری آواز کلاس میں گونجی اب جو میں دیکھتی ہوں تو سارا کلاس
روم بھرا ہوا ہے۔ اسکول کی طرح قریب قریب ڈیسک ہیں اور ڈیسک پر طالب علم بیٹھے
ہیں' مگر یہ دیکھ کر حیرت سے میری آنکھیں کھل گئیں۔ ہر ڈیسک پر میں ہی اپنے آپ کو
بیٹھا دیکھ رہی تھی۔ میرے ذہن میں آیا۔ یہ ساری شبیہہ میرا ہی وجود ہے۔ ہر شبیہہ
روح کی شکر گزار تھی۔ جیسے میں بے شمار آئینوں میں اپنا عکس دیکھ رہی ہوں۔ روح نے
بلند اور پروقار آواز میں فرمایا۔ اے بنت رسولؐ! اس یونیورسٹی کا پہلا سبق پڑھیئے۔ میں
متوجہ ہو کر بیٹھ گئی۔ روح کی آواز آئی "با ادب' با نصیب۔ بے ادب' بے نصیب۔" اسی
لمحے ایک فلیش کی طرح میری سماعت سے مرشد کریم کی آواز ٹکرائی۔ جب پہلی بار آپ
نے ان ہی الفاظ سے میری تعلیم کا آغاز کیا تھا۔ روح نے کہا آپ جانتی ہیں کہ نصیب کیا
ہے؟ میں خاموش روح کی آواز پر ہمہ تن گوش تھی۔ وہ خود ہی جواباً" کہنے لگی۔ نصیب
علم حضوری کی ڈگری ہے جو صرف تعلیم یافتہ کو ملتی ہے۔ بے ادب علم اور ڈگری دونوں
سے محروم رہ جاتے ہیں۔ ادب یہ ہے کہ استاد کے آگے اپنے کان اور زبان بند کر لو
صرف دل اور آنکھ کھلی رکھو۔ استاد کا علم آنکھ کے ذریعے تمہارے دل میں سما جائے گا۔
جب یہ علم دل میں سما جائے تب اپنے کان اور زبان کھول لو تاکہ یہ علم ہی تمہاری گفتار
اور سماعت بن جائے۔ ذات باری تعالیٰ نے اپنے کلام میں اس ادب کا ذکر ان آیات میں

فرمایا ہے۔

ترجمہ :- اے ایمان والو جب تمہیں کہا جائے کہ جگہ کشادہ کر دو مجلس میں تو کشادہ کر
دیا کرو۔ اللہ تمہارے لئے کشادگی فرمائے گا اور جب کہا جائے کہ اٹھ کھڑے ہو تو اٹھ
کھڑے ہوا کرو۔ اللہ تعالیٰ ان کو جو تم میں سے ایمان لے آئے اور جن کو علم دیا گیا
درجات بلند فرما دے گا۔ اور اللہ تعالیٰ۔ جو تم کرتے ہو اس سے خوب آگاہ ہے اے ایمان
والو! جب تنہائی میں بات کرنا چاہو رسولؐ سے تو سرگوشی سے پہلے صدقہ دیا کرو۔ یہ بات
تمہارے لئے بہتر ہے اور پاک کرنے والی ہے اور اگر تم نہ پاؤ تو بے شک اللہ تعالیٰ
غفور الرحیم ہے کیا تم ڈر گئے کہ تمہیں سرگوشی سے پہلے صدقہ دینا چاہیئے۔ پس جب تم
ایسا نہیں کر سکتے تو اللہ نے تم پر نظر کرم فرمائی۔"

ان آیات میں رسول کریمؐ کی مجلس میں سوال کرنے والے کو سوال کرنے سے پہلے
صدقہ دینے کا حکم ہے۔ پھر اس حکم میں فوراً ہی نرمی کر دی گئی۔ جیسے ہی یہ حکم نازل ہوا
حضرت علیؓ نے اس حکم پر ایک دینار صدقہ دے کر حضور پاکؐ سے علمی سوال کئے۔ پھر
اس کے بعد اس حکم میں رخصت کر دی گئی کیونکہ لوگوں پر یہ حکم ماننا مشکل گزرا۔
حقیقت یہ ہے کہ حضرت علیؓ نے علم کے راستے میں اللہ تعالیٰ کے حکم کی تعمیل کر کے
ادب کا درجہ حاصل کر لیا اور مقام محمود کی یونیورسٹی میں علم حضوری کے سب سے بڑے
عہدے پر فائز ہوئے۔ جیسا کہ حضور پاکؐ نے فرمایا کہ علیؓ باب علم ہیں۔ اے بنت
رسولؐ! بارگاہ علم میں مرید کے درجات مراد کی فرمانبرداری سے ملتے ہیں۔ فرمانبرداری ہی
ادب کا مقام ہیں علم حضوری کی راہ میں مراد کی فرمانبرداری اور ادب بندگی کی نشانی ہے۔
یہی آداب بندگی بندے کو بارگاہ نبوی اور بارگاہ الٰہی تک پہنچاتے ہیں۔ مقام ادب کی سند

حاصل کئے بغیر کسی کا گزر وہاں نہیں ہو سکتا اور بانصیب وہی ہے جس کی رسائی بارگاہ عالی تک ہو۔

روح جتنی دیر بولتی رہی۔ میں اس طرح ساکت بیٹھی رہی جیسے کوئی بت۔ روح کی آواز کا نور کمرے میں موجود میری ایک ایک شبیہہ میں جذب ہو گیا۔ میں آہستہ سے اپنی جگہ سے اٹھی اور روح کے سامنے پہنچ گئی اپنا ہاتھ روح کی جانب بڑھاتے ہوئے کہا " اے روح! میں آج آپ کے ہاتھ پر بیعت کرتی ہوں کہ راہ علم میں آپ کی بندگی کی حد تک فرمانبرداری کروں گی۔" روح نے اپنے ہاتھ میں میرا ہاتھ لے لیا۔ اسی لمحے قرآن کی یہ آیت ذہن سے گزری۔

ترجمہ :- "بے شک جو لوگ آپ کی بیعت کرتے ہیں در حقیقت وہ اللہ تعالیٰ سے بیعت کرتے ہیں اللہ کا ہاتھ ان کے ہاتھوں پر ہے پھر جس نے توڑ دیا اس بیعت کو تو توڑنے کا وبال اس کی ذات پر ہو گا اور جس نے ایفا کیا اس عہد کو جو اس نے اللہ سے کیا تو وہ اس کو اجر عظیم عطا فرمائے گا۔" (سورہ الفتح)

جائے مسجود ملک مجھ کو نہ ہونا تھا یہاں
کیا تھا آغاز مرا' کیا ہوا انجام مرا

رحمت اللعالمینؐ

مغرب کی نماز کے بعد تسبیح کرتے ہوئے نظر پر سے پردے ہٹ گئے۔ کیا دیکھتی ہوں کہ ایک بہت ہی خوبصورت محل ہے۔ میں اس محل کے اندر آتی ہوں اور ادھر ادھر کسی کو نہ پا کر امی جان' امی جان کہہ کر پکارتی ہوں۔ میری آواز سن کر حضرت بی بی فاطمہؓ آتی ہیں اور آتے ہی یہ کہہ کر کہ آ گئی میری بچی۔ مجھے اپنے سینے سے لگا کر سر اور ماتھا چومتی ہیں۔ میرا ڈیل ڈول پورا جوان لڑکی کا نظر آیا۔ مگر مجھے ایسا محسوس ہوا جیسے میں بالکل معصوم بچی ہوں۔ حضرت بی بی فاطمہؓ میرے سر پر اچھی طرح اوڑھنی اوڑھاتی ہیں۔ پھر میرے ہاتھ میں قرآن مجید دیتی ہیں۔ جو میں سینے سے لگا لیتی ہوں۔ پھر میرے ہاتھ ایک گلاب کا پھول دیتی ہیں اور فرماتی ہیں۔ بیٹی اپنے نانا جان کے پاس جاؤ۔ سب سے پہلے بہت ادب کے ساتھ جھک کر انہیں سلام کرنا۔ پھر یہ پھول پیش کرنا۔ کہنا کہ بی بی فاطمہؓ نے مجھے بھیجا ہے اور یہ پھول آپ کی خدمت میں پیش کرنے کا حکم دیا ہے۔ وہ خوش ہو جائیں گے۔ پھر ان سے نہایت ادب کے ساتھ ہاتھ باندھ کر عرض کرنا کہ میری امیؓ نے فرمایا ہے کہ آپ مجھے قرآن مجید پڑھا دیں۔ حضرت بی بی فاطمہؓ خوب اچھی طرح مجھے سمجھاتی ہیں۔ جیسے کسی چھوٹے سے بچے کو سمجھاتے ہیں۔ پھر سر پر ہاتھ پھیر کر دعائیں دیتی ہیں اور جانے کی اجازت دیتی ہیں۔ میں جانے کے لئے محل کے دروازے سے باہر آتی ہوں اور دوسرے ہی لمحے اپنے آپ کو حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب کھڑا ہوا دیکھتی ہوں۔ قریب جا کر اسی طرح جھک کر سلام کرتی ہوں اور بہت ادب کے ساتھ پھول

پیش کرتی ہوں کہ یہ حضرت بی بی فاطمہؓ نے بھیجا ہے۔ سرکار دو عالمؐ اپنی پیاری بیٹی کا نام سن کر فوراً پھول لے لیتے ہیں اور پھول لے کر اسے چوم کر اس کی خوشبو سونگھتے ہیں اور جیسے حضرت بی بی فاطمہؓ کی محبت کے سرور میں ڈوب جاتے ہیں۔ پھر ایک لمحے بعد آنکھیں کھول کر مجھے دیکھتے ہیں اور فرماتے ہیں۔ یہاں آؤ بیٹی۔ تم بھی تو ہماری بیٹی ہو اور نہایت ہی محبت کے ساتھ خوب پیار کرتے ہیں۔ پھر فرماتے ہیں۔ یہ قرآن کس نے دیا ہے۔ میں کہتی ہوں۔ نانا جان یہ امیؓ نے دیا ہے۔ فرماتی تھیں کہ آپ سے عرض کروں کہ آپ مجھے اس کا درس دے دیں۔ حضور پاکؐ ایک گہری نظر مجھ پر ڈالتے ہیں۔ اور فرماتے ہیں تم کیوں پڑھنا چاہتی ہو بیٹی۔ میں نے کہا مجھے علم سیکھنے کا بے حد شوق ہے نانا جان۔ اسی وجہ سے خاص طور سے میری امیؓ نے مجھے آپؐ کے پاس بھیجا ہے۔ حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم بہت زیادہ شفقت کے ساتھ فرماتے ہیں۔ ہماری بیٹی کو قرآن پڑھنے کا شوق ہے تو ہم ضرور پڑھائیں گے' ضرور پڑھائیں گے۔ آؤ بیٹھ جاؤ۔ میں بیٹھ جاتی ہوں۔ بہت سنبھل کر اور بڑے ادب کے ساتھ اپنے سامنے ایک رحل رکھتی ہوں۔ یہ رحل حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم مجھے دیتے ہیں۔ پھر اس پر قرآن مجید رکھتی ہوں۔ سامنے حضور پاکؐ تشریف رکھتے ہیں۔ میں آپ کے حکم سے قرآن کھولتی ہوں۔ پہلی سطر پر حضورؐ اپنی انگلی رکھ کر فرماتے ہیں۔ پڑھو۔ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۔ اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّکَ الَّذِیْ خَلَقَ میں یہی آیت دہراتی ہوں۔ اسی لمحے میری نظر کے سامنے میرا 1954ء میں دیکھا ہوا خواب آجاتا ہے۔ میں نے خواب دیکھا تھا۔ اس وقت میں اسکول میں پڑھتی تھی کہ اس طرح رحل کے اوپر ایک بہت ہی بڑا قرآن شریف رکھا ہے اور ایک ہاتھ ہر ہر سطر پر انگلی رکھ رکھ کر مجھے پورا قرآن مجید پڑھا رہا ہے۔ مجھے یہی احساس تھا کہ یہ اللہ کا ہاتھ ہے اور اللہ کی آواز ہے۔

اب وہی خواب نظروں میں آجاتا ہے جیسے میں سوچتی ہوں کہ اس وقت جو میں نے محسوس کیا تھا کہ یہ اللہ کا ہاتھ ہے تو حقیقت میں تو یہ نانا جان کا ہاتھ ہے۔ اس کی توجیہہ خود ہی ذہن میں آجاتی ہے حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے محبوب ہیں۔ آپ کے اندر اللہ تعالیٰ کی روشنی کام کر رہی ہے۔ کوئی بھی بندہ جو فرائض اور قرب نوافل کے ساتھ اللہ تعالیٰ سے قریب ہو جاتا ہے۔ تو اس کا رابطہ براہ راست حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ہو جاتا ہے اور حضورؐ کا رابطہ براہ راست اللہ سے ہے۔ اللہ تو بس نور ہے۔ جیسے سمندر اس کی کوئی خاص شکل نہیں ہے۔ اس کے پانی کو گلاس میں بھریں تو گلاس کی شکل ہو جائے اور پیالے میں بھریں تو پیالے کی شکل ہو جائے۔ حقیقت میں پیاس تو پانی ہی سے بجھتی ہے۔ حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعے سے اللہ ہی اپنے بندوں کے ہر کام کر رہا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ پاک نے فرمایا ہے کہ جب کوئی بندہ اٹھتے بیٹھتے مجھے یاد کرتا ہے تو میں اس کے ہاتھ بن جاتا ہوں' اس کی زبان بن جاتا ہوں۔ وہ میرے ہی ذریعے سے ہر کام کرتا ہے۔ یعنی اس کے اندر اللہ کا ارادہ یا امر کام کرنے لگتا ہے۔ میں سوچتی ہوں کہ میرے اس خواب کی یہی حقیقت ہے کہ اصل میں اللہ ہی کا امر مجھے حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی صورت میں پڑھا رہا ہے۔ تھوڑی دیر بعد سنجیدگی کے ساتھ کہتی ہوں۔ نانا جان مجھے اسم اعظم کے علوم سکھا دیجئے۔ حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم غور سے میری جانب دیکھتے ہیں۔ میں پھر دوبارہ یہی بات دہراتی ہوں حضور پاکؐ نہایت ہی مدبرانہ انداز میں فرماتے ہیں۔ تم جانتی ہو بیٹی کہ اسم اعظم کیا ہے۔ میں اطمینان سے جواب دیتی ہو۔ نانا میں جانتی ہوں کہ اسم اعظم ذات کے علوم ہیں۔ اسی وقت حضور پاکؐ یہ سن کر اٹھ کھڑے ہوتے ہین اور میرا ہاتھ پکڑ لیتے ہیں۔ کیوں نہیں

آخر تم فاطمہؓ کی اولاد ہو یہ کہہ کر مجھے لے کر چلتے ہیں۔ کچھ دور چلنے کے بعد ایک سرنگ آتی ہے اس سرنگ میں بالکل ہی اندھیرا نظر آتا ہے۔ جیسے ہی ہم اس سرنگ میں پہنچتے ہیں۔ حضور پاکؐ کے نور سے یہ سرنگ روشن ہو جاتی ہے۔ ہم اس روشنی میں آگے بڑھتے ہیں۔ خیال آتا ہے' یہ کوئی کان ہے۔ لمبی سرنگ پار کر کے کھلی جگہ پہنچ جاتے ہیں۔ یہاں جگہ جگہ زمین پر ہیرے پڑے نظر آتے ہیں۔ میں خوش ہو کر کہتی ہوں۔ نانا کیا یہ اسم اعظم ہے۔ حضورؐ فرماتے ہیں۔ بیٹی اسم اعظم تو اس کان کی گہرائی میں ملے گا۔ میں آگے جا کر کان کے سوراخ کے اندر جھانکتی ہوں۔ سوچتی ہوں۔ اس قدر گہری کان ہے۔ نیچے تہہ کے پاس دیواروں میں چھوٹے چھوٹے ہیرے چمکتے ہیں۔ میں پھر پوچھتی ہوں۔ نانا کیا یہ اسم اعظم ہے۔ حضورؐ کان کے اندر جھانکتے ہیں اور فرماتے ہیں۔ بیٹی یہ جو دیواروں پر اور تہہ کے اندر رنگین چھوٹے چھوٹے ہیرے ہیں یہ اسمائے الٰہیہ ہیں۔ جو صفاتی اسم ہیں۔ اسم اعظم اس کان کی تہہ میں ساری کان کے اندر جو ایک ہیرا پھیلا ہوا ہے' یہ ہے۔ میں دیکھتی ہوں' یہ حسین ترین ہیرا ہے۔ جو ساری کان جتنا بڑا ہے۔ کان کی تہہ میں فرش پر پورا یہ ایک ہیرا سمایا ہوا ہے۔ میں کہتی ہوں نانا میں اس کو کیسے نکالوں۔ حضورؐ فرماتے ہیں۔ بیٹی ہمت کرو اور کان کے اندر اتر جاؤ۔ تم ہیرا نکال لوگی۔ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمانے پر اندر اترتی ہوں اور آسانی کے ساتھ ہیرا لے کر اوپر آ جاتی ہوں۔ یہ ہیرا اتنا بڑا ہے کہ میرے دونوں ہاتھوں پر جیسے کوئی بہت بڑا تھال رکھا ہے۔ میں خوشی خوشی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے لاتی ہوں۔ ہیرا اتنا بڑا ہوتا ہے کہ میرا آدھا جسم تو اس میں چھپ جاتا ہے۔ خیال آتا ہے اتنا بڑا ہیرا ہاتھوں میں سمانا مشکل ہے۔ اسے میں کہاں سجاؤں گی۔ نہ گلے میں پہن سکتی ہوں۔ نہ جسم کے کسی اور حصے پر سجا سکتی ہوں اسی لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم میرے اس تفکر پر آگاہ ہو کر ہیرے پر ایک نظر ڈالتے ہیں۔اب یہ ہیرا اسی وقت میرے ہاتھ میں چھوٹا ہو جاتا ہے۔ یہ بڑا خوبصورت سرخ رنگ کا ہیرا دکھائی دیتا ہے۔ میں بے حد خوش ہوتی ہوں۔ اور خوشی خوشی اس کو ہاتھ میں لے کر چومتی ہوں اور ہم دونوں نانا اور نواسی واپس آ جاتے ہیں۔ واپس آ کر پھر میں اسی جگہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھ جاتی ہوں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم گاؤ تکیے کے سہارے بیٹھ جاتے ہیں اور مجھ سے بچوں کی طرح کھیلتے اور پیار کرتے ہیں۔ اس کے بعد کھیلتے کھیلتے میں ایک دم سنجیدگی سے بیٹھ کر سوال کرتی ہوں۔ نانا اللہ تعالیٰ رب العالمین ہیں اور آپ رحمت العالمینؐ ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ ہمارے علاوہ بھی بے شمار دنیائیں اور عالمین ہیں۔ ورنہ اللہ میاں عالمین نہ کہتے صرف ایک عالم کہتے ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ تمام عالمین کے لئے باعث رحمت ہیں۔ تو نانا جس طرح ہماری دنیا میں اللہ نے آپ کو رحمت بنا کر بھیجا اور آپ پیدا ہوئے۔ اسی طرح دوسری دنیاؤں میں بھی آپ کو رحمت بنا کر بھیجا جاتا ہو گا اور آپ وہاں کے لوگوں کے درمیان پیدا ہوئے ہوں گے۔ کیونکہ ہر عالم کی مخلوق کو اللہ کی رحمت کی ضرورت ہے۔ تو نانا یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ آپ ایک سے زیادہ عالمین میں پیدا کئے جائیں۔ حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی طرح گاؤ تکیے کے سہارے لیٹے ہوئے ایک گہری نظر مجھ پر ڈالی۔ اور فرمایا سبحان اللہ بیٹی! تمہارا سوال بہت غور طلب بات ہے۔ اب تمہاری سمجھ میں یہ بات آ جائے گی۔ ہم تمہیں بتاتے ہیں ہماری جانب دیکھو۔ میں نے دیکھا کہ حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے سر کے اور جسم کے ایک ایک روئیں سے ایک نور کا تار بندھا ہوا ہے۔ یہ تار بہت دور دور جا رہے ہیں۔ دور ان کے سروں پر ہر تار کے ساتھ ایک نظام

شمسی بندھا ہوا ہے۔ اس لمحے ساری کائنات کا دائرہ میری نظر میں آگیا۔ دیکھا کہ ساری کائناتِ حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے بالوں اور روئیں روئیں سے بندھی ہوئی ہے۔ حضورؐ نے فرمایا دیکھا تم نے ساری کائنات ان تاروں کے ذریعے ہمارے روئیں روئیں سے بندھی ہوئی ہے۔ نور کا ہر تار ہمارے تفکر کا تار ہے۔ ہر نظام شمسی کے اندر ایک تفکر کی روشنی ہے۔ ہر تفکر کی روشنی دوسرے سے مختلف ہے۔ یہ صفات کی روشنی ہے۔ لہر تفکر ایک آٹو میٹک مکمل نظام ہے۔ ہر نظام شمسی کو اس تفکر سے روشنی ملتی ہے۔ ہر تفکر مختلف ہونے کی وجہ سے ہر نظام شمسی کے اندر اللہ تعالیٰ کی مختلف صفات کام کر رہی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ہر نظام شمسی کے اندر مخلوق کے جسم مختلف قسم کے ہیں۔ کہیں مٹی کے، کہیں شیشے کی طرح۔ کہیں روشنی کے، کہیں پتھر کی طرح کے۔ غرض کہ تفکر کے اندر کی روشنیاں پورے نظام میں منتقل ہوتی ہیں۔ صفات مختلف ہیں۔ مگر ذات ایک ہی ہے۔ جیسا کہ تم دیکھ رہی ہو کہ ہماری ذات سے ہی اللہ تعالیٰ کے یہ تمام تفکر نکل رہے ہیں۔ ہماری ذات اللہ تعالیٰ کی ذات کا مظہر ہے۔ جیسا کہ اللہ نے فرمایا ہے کہ وَاَطِیْعُوا اللّٰہَ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ ترجمہ: اللہ کی فرمانبرداری رسول کی فرمانبرداری ہے اور رسول کا فرمان اللہ ہی کا فرمان ہے۔ ذات کا شعور وحدانیت کا شعور ہے اور یہ شعور ہر تفکر کے اندر کام کر رہا ہے۔ کیونکہ ہر تفکر کا تار ذات سے وابستہ ہے۔ جب مخلوق اپنی حاجت کے لئے ذات خداوندی کی طرف رجوع کرتی ہے۔ تو اللہ تعالیٰ کی صفت ربانیت حرکت میں آ جاتی ہے۔ ہماری ذات اللہ تعالیٰ کی صفت ربانیت کا مظہر ہے اور مخلوق کی حاجتیں ہمارے ذریعے سے پوری ہوتی ہیں۔ جب اس قانون کے تحت جو اس آیت میں کام کر رہا ہے۔ عَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ کُلَّهَا ۔ یعنی ہم نے آدم کو تمام اسمائے الٰہیہ کے علوم سکھا دیئے۔ اس

قانون کے تحت ذات کا تفکر مخلوق کے اندر کام کرتا ہے۔ تو مخلوق کو علم الاسماء سکھانے کے لئے ذات کا تفکر بشر کا لباس پہن کر ان کے درمیان آ جاتا ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ ہم نے تمہیں میں سے ایک رسول بھیجا ہے۔ جو تمہاری طرح کھاتا ہے پیتا ہے۔ تمہاری ہی زبان بولتا ہے اور سب کام تمہاری ہی طرح کرتا ہے۔ تمہاری ہی طرح بشر کی صورت ہے۔ بیٹی جب تک ذات کی نظر ذات کو نہ دیکھے۔ ذات کی بات کیسے سمجھ سکتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہر تفکر کا تار ذات سے وابستہ ہے اور جب مخلوق کو ذات خداوندی کے علوم جاننے کی ضرورت پڑتی ہے۔ تو ذات مخلوق کے اندر کام کرنے والی صفات کی روشنیوں کا لباس پہن کر ان کے درمیان اتر آتی ہے۔ تاکہ مخلوق اسے اپنے تفکر سے قریب جان سکے اور سمجھ سکے۔ یہ سب کام تفکر کے آٹو میٹک نظام کے ذریعے سے عمل میں آتے ہیں۔ میں نے کہا۔ نانا اگر ہر تفکر ایک آٹو میٹک نظام ہے۔ تو اس کا مطلب ہے کہ کائنات میں جو کچھ ہو رہا ہے۔ اس کی خبر آپؐ کو نہیں ہو سکتی کیونکہ سب کام تو خود بخود مشین کی طرح عمل میں آ رہا ہے۔ اس لمحے حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے بازو کا ایک رواں کھینچا۔ میرے منہ سے بیساختہ آں نکل گیا۔ حضورؐ فرمانے لگے۔ کیا ہوا؟ میں نے کہا۔ نانا درد ہوا۔ فرمایا کہاں ہوا؟ میں نے کہا۔ نانا روئیں کی طرف اشارہ کر کے یہاں بھی ہوا اور یہ درد سارے جسم میں پھیل گیا۔ حضورؐ نے فرمایا۔ ہمارے جسم کی طرف دیکھو۔ ہر تفکر کا تار ہمارے بالوں سے بندھا ہے۔ جب ان تاروں میں حرکت ہو گی تو بالوں میں ہو گی یا نہیں۔ میں نے کہا۔ ہاں نانا۔ بال میں تکلیف ہوتی ہے اور بلکہ یہ تکلیف سارا جسم محسوس کرتا ہے۔ یہ درد سارے بدن میں سرائیت کر جاتا ہے۔ فرمایا۔ پھر ایک روئیں کے درد کا ادراک سارے جسم کو ہو گیا۔ اسی طرح ہمیں بھی

کائنات کی ہر ہر حرکت کا علم رہتا ہے اور ہر حرکت کا ادراک ہماری پوری ذات کو ہوتا ہے۔ کائنات کا ذرہ ذرہ ہمارے روئیں کی طرح ہے۔ اسی لئے تو اللہ تعالیٰ نے ادب اور تعظیم کا حکم دیا ہے اور امرونواہی کے اصول بنائے ہیں۔ یہ سن کر میں نے بے ساختہ نہایت ہی محبت کے ساتھ حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے جسم کے اوپر اپنے دونوں ہاتھوں کو پھیلا دیا۔

کوششِ نفس

میں نے دیکھا کہ گھر میں ہر طرف میری روح چل پھر رہی ہے۔ بڑی آزادی سے گھر میں ادھر ادھر گھوم پھر رہی ہے۔ یہ دیکھ کر میں نے روح سے پوچھا۔ تم یہاں بڑے آرام سے چل پھر رہی ہو۔ روح نے بہت اطمینان نے جواب دیا۔ میں تمہاری بہت شکر گزار ہوں کہ تم نے مجھے آزاد رکھا ہوا ہے۔ میں نے کہا تو کیا لوگ تم کو قید بھی کر لیتے ہیں۔ روح کہنے لگی۔ یہ سچ ہے کہ میں آزاد رہتی ہوں اور قید میں نہیں رہ سکتی۔ لوگ مجھ پر ایسی فکروں کا بار ڈال دیتے ہیں۔ جن کے بوجھ تلے میں جکڑ کر رہ جاتی ہوں اور آزادی کا سانس نہیں لے سکتی۔ روح نے میرا ہاتھ پکڑا اور کہنے لگی۔ تم اس طرح سمجھوگی۔ آؤ میں تمہیں دکھاتی ہوں۔ ہم آن کی آن میں گھر سے نکل کر ایک نورانی فضا میں آ گئے۔ ہر طرف نور ہی نور تھا۔ روح نے کہا۔ اپنی طرف دیکھو۔ تمہیں کس نے سنبھالا ہوا ہے۔ میں نے اپنے سراپے پر نظر ڈالی میرے اطراف میں نور ہی نور تھا اور اس نے مجھے ہر طرف سے تھام رکھا تھا۔ مجھے اپنے گرنے کا قطعی خوف نہ تھا۔ اس نور کے اندر مجھے پوری طرح تحفظ حاصل تھا۔ روح نے کہا۔ یہ اللہ کا نور ہے۔ تم نے دیکھا کہ اللہ تعالیٰ کی روشنیوں نے تمہیں کتنی اچھی طرح سنبھالا ہوا ہے۔ تم نہیں گر سکتیں۔ تمہیں اللہ تعالیٰ کی پوری حفاظت حاصل ہے۔ میں نے حیرانی سے روح کی جانب دیکھتے ہوئے کہا کہ واقعی میں اس نور کے اندر بہت حفاظت سے ہوں۔ مگر اور سب کہاں ہیں۔ روح نے ہاتھ سے اشارہ کیا اور میرے سامنے ساری کائنات آ گئی۔ کائنات کی ہر شئے

سے کمزور اجسام میں زندگی توانائی پیدا ہو جاتی ہے اور وہ آن کی آن میں اپنی منزل مراد کو پہنچ جاتے ہیں۔ اس طرح آدمی کی خواہش پوری ہو جاتی ہے۔ جن کاموں میں انسان اپنی ذات پر بھروسہ کر لیتا ہے۔ ایسی فکر کا بوجھ روح کو اٹھانا پڑتا ہے۔ جس کی وجہ سے وہ آزادی کے ساتھ سفر نہیں کر سکتی۔ یہی وجہ ہے کہ بے سکونی اور پریشانی کا شکار ہو جاتا ہے۔ ہر شخص کو چاہئے کہ اپنے کاموں پر اللہ تعالیٰ کی رضا کے ساتھ اس کی تکمیل کی امید اور دعا کرے۔ تاکہ اس کے افعال میں نور شامل ہو جائے اور روح اپنی زندگی کے سفر میں لطیف افکار کے ساتھ آزادی سے چل پھر سکے۔

میں نے روح کا بہت بہت شکریہ ادا کیا۔ روح نے خوش ہو کر کہا۔ تمہیں ایک بات بتاؤں۔ میں نے خوش ہو کر کہا۔ ہاں ہاں۔ ضرور بتاؤ۔ روح نے کہا۔ جو لوگ اللہ کے شکر گزار ہیں۔ ان لوگوں کے اوپر رحمتوں اور انعامات کا نزول ہوتا ہے۔ آل داؤد سے اللہ تعالیٰ نے کہا تھا۔ اے داؤد کی آل اولاد۔ تم شکر کو اپنی زندگی کا نصب العین بنالو۔ اس لئے کہ اللہ کا شکر کرنے والے بندے بہت کم ہیں۔

آدم اور ابلیس

بڑی بوڑھیاں اکثر کہا کرتی ہیں کہ بیٹا اصل سے سود پیارا ہوتا ہے۔ پہلے تو مجھے اس محاورے کا مطلب ہی سمجھ میں نہ آتا تھا۔ جب شعور کو پہنچی تو ایک دن ہمارے پڑوس کی ایک بزرگ خاتون چھوٹے سے بچے کو گود میں اٹھائے ہمارے گھر آئیں۔ بچہ یہی کوئی تقریباً دو سال کا تھا۔ آتے ہی انہوں نے فوراً اسے گود سے اتارنا چاہا۔ ان بچاری کا سانس پھولا ہوا تھا۔ بچہ تھا کہ گود سے اترنے کا نام نہ لیتا تھا۔ اس پر میں نے زبردستی بچے کو ان کی گود سے چھڑانے کی کوشش کی کہ خالہ بیٹھ جاؤ۔ بچہ چلانے لگا۔ اب انہوں نے بجائے مجھے دینے کے خود اپنی پھولی ہوئی سانسوں کے ساتھ ہی بچے کو اور زور سے اپنے سینے سے چمٹا لیا اور کہنے لگیں۔ بیٹا اصل سے سود پیارا ہوتا ہے۔ یہ میرا پوتا ہے۔ چلو رہنے دو ابھی مانوس ہو جائے گا۔ بچہ انہیں بیٹھنے بھی نہیں دے رہا تھا۔ مگر وہ کہنے لگیں۔ بیٹا ناسمجھ ہے۔ ابھی ٹھیک ہو جائے گا۔ میں نے خالہ سے پوچھا۔ خالہ اصل سے سود پیارا ہے کے کیا معنی ہیں۔ بولیں۔ اے بیٹا۔ اصل تو میرا بیٹا ہے جو میرے پیٹ سے پیدا ہوا ہے۔ یہ بچہ تو میرے بیٹے کا بیٹا ہے۔ مگر اس بچے کے اندر میری دو محبتیں شامل ہو گئی ہیں۔ ایک تو میری محبت اپنے بیٹے کے لئے اور دوسری محبت میرے بیٹے کے بیٹے کے لئے۔ یہی وجہ ہے کہ یہ زیادہ پیارا ہے۔ میری سمجھ میں آگیا۔ مگر میں اب یہ سوچنے لگی کہ یہ معصوم بچہ ایسی محبت حاصل ہونے کے باوجود بھی اپنی دادی سے ضد کیوں کر رہا ہے۔ کہنا کیوں نہیں مان رہا۔ بچے کا شعور تو بالکل صاف ہوتا ہے۔ اس میں ضد اور

نافرمانی کا خیال کیسے پیدا ہو گیا۔ نافرمانی تو ابلیس کی صفت ہے۔ ان دنوں میری امی کا سختی
سے حکم تھا کہ رات کو عشاء کی نماز ذرا جلدی پڑھ لیا کرو اور سونے سے پہلے باترجمہ ایک
رکوع قرآن مجید کا ضرور پڑھا کرو۔ یہ میری روٹین بن گیا تھا۔ رات کو عشاء کے بعد
قرآن مجید لے کر بیٹھی تو سورہ بقرہ کی آیتیں سامنے آ گئیں۔ جن میں ملائکہ کے آدم کو
سجدہ کرنے کا ذکر ہے۔ یہ آیتیں پڑھی تو میں نے پہلے بھی تھیں۔ مگر اس وقت ان کے
پڑھنے کا کچھ اور ہی لطف آ رہا تھا۔ میں نے دوبارہ یہ آیتیں پڑھیں۔ سورہ بقرہ آیت نمبر31
سے آیت نمبر37- ترجمہ :- اور جب تیرے رب نے ملائکہ سے کہا۔ کہ میں زمین میں
ایک خلیفہ بنانے والا ہوں۔ انہوں نے کہا۔ کیا تو ان میں ایسے لوگ پیدا کرے گا۔ جو اس
میں فساد کریں گے اور خون بہائیں گے اور ہم تو تیری حمد کے ساتھ ساتھ تیری تسبیح بھی
کرتے ہیں اور تجھ میں سب برائیوں کے پائے جانے کا اقرار کرتے ہیں۔ اللہ نے فرمایا۔
میں یقیناً وہ کچھ جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے اور اللہ نے آدم کو تمام نام سکھائے۔ پھر اس
کو ملائکہ کے سامنے پیش کر کے فرمایا۔ کہ اگر تم درست بات کہہ رہے ہو۔ تو تم مجھے ان
کے نام بتاؤ۔ انہوں نے کہا۔ تو بے عیب ہے جو تو نے ہمیں سکھایا۔ اس کے سوا ہمیں
کسی قسم کا علم نہیں ہے۔ یقیناً تو ہی کامل علم والا حکمت والا ہے۔ اللہ نے فرمایا۔ اے
آدم! ان فرشتوں کو ان کے نام بتا۔ پھر جب اس نے ان کو ان کے نام بتائے۔ تو فرمایا کیا
میں نے تمہیں نہیں کہا تھا کہ میں یقیناً آسمانوں اور زمین کی چھپی باتیں جانتا ہوں اور میں
اسے بھی جانتا ہوں جو تم ظاہر کرتے ہو اور چھپاتے ہو اور جب ہم نے فرشتوں سے کہا کہ
آدم کو سجدہ کرو۔ اس پر انہوں نے تو سجدہ کیا۔ مگر ابلیس نے انکار کیا اور تکبر کیا اور وہ
کافروں میں سے تھا اور ہم نے آدم سے کہا کہ اے آدم! تو اور تیری بیوی جنت میں رہو
اور اس میں سے جہاں سے چاہو بافراغت کھاؤ۔ مگر اس درخت کے قریب نہ جانا۔ ورنہ
تم ظالموں میں سے ہو جاؤ گے اور شیطان نے اس کے ذریعے سے ان دونوں کو ان کے
مقام سے ہٹا دیا اور اس نے انہیں اس حالت سے جس میں وہ تھے نکال دیا اور ہم نے کہا
کہ یہاں سے نکل جاؤ۔ تم میں سے بعض بعض کے دشمن ہیں۔ تمہارے لئے ایک مقررہ
وقت اسی زمین میں جائے رہائش اور سامان معیشت ہے۔

دوبارہ یہ ذکر پڑھنے کے بعد اچانک میرے ذہن میں یہ سوال ابھرا کہ فرشتے تو اللہ
پاک کی انتہائی فرمانبردار مخلوق ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ کے کہنے پر اور زمین میں آدم کو خلیفہ بنا
کر بھیجنے پر فرشتوں نے اعتراض کیوں ظاہر کیا۔ خواہ یہ اعتراض درست ہی کیوں نہ ہو۔
مگر ادب کا تقاضہ تو یہ ہے کہ مالک کی ہر بات کو بے چون وچرا مان لے۔ میرے نزدیک
مالک کی بات پر کسی بھی قسم کا منفی سوال ذہن میں پیدا ہونا ہی نافرمانی کی علامت ہے۔ میں
پھر سوچ میں پڑ گئی کہ میرے ذہن میں یہ کیسے خیالات آ رہے ہیں۔ بھلا کہاں فرشتے اور
کہاں منفی خیالات۔ یہ تو کوئی جوڑ ہی نہیں ملتا۔ فرشتے تو نوری مخلوق ہیں۔ پھر میں نے
بار بار یہ آیتیں پڑھیں۔ ایک ایک آیت میں غور سے پڑھتی اور پھر اس کا ترجمہ بڑی توجہ
کے ساتھ پڑھتی گئی۔ میرا ذہن بار بار یہ کہہ رہا تھا کہ فرشتوں کو تو اللہ نے صرف اپنے
ایک امر کی اطلاع دی تھی۔ ان سے رائے تھوڑا ہی مانگی تھی کہ آدم کو زمین پر خلیفہ
بناؤں یا نہیں بناؤں۔ پھر جب فرشتوں کے سامنے اللہ نے اپنے ارادے کا اظہار کر دیا۔ تو
فرشتوں کو اپنے مالک اور اپنے خالق کے ارادے کو روکنے کا کیا حق پہنچتا ہے اور اس کا
مطلب تو یہ ہوا کہ فرشتے کسی وجہ سے اللہ تعالیٰ کے اس ارادے سے متفق نہ تھے۔ اس
کا مطلب تو یہ ہوا کہ فرشتے میں بھی جی حضوری والا ذہن تو نہ ہوا۔ عقل کی اس فکر پر

میں خود چونک اٹھی۔ گھبرا کے میں نے قرآن واپس رکھ دیا کہ کہیں بارگاہ الٰہی میں کسی قسم کی گستاخی نہ ہو جائے۔ مگر رات گئے تک میرا ذہن اس قیل و قال میں مشغول رہا۔ یہاں تک کہ میں کمرے میں اندھیرا کر کے بستر پر لیٹ گئی۔ مگر جب دماغ فل اسپیڈ پر خیالات کی لہروں کو تخلیق کر رہا ہو۔ تو بھلا ایسے میں نیند کی یکسوئی کیسے حاصل ہو سکتی ہے۔ میں آنکھیں بند کر کے بستر پر لیٹ گئی اور اپنے آپ کو خیالات کے حوالے کر دیا۔ خیالات اپنی پوری رفتار سے آ رہے تھے اور مجھے یوں محسوس ہو رہا تھا۔ جیسے میری نظر آسمان پر ہے اور آسمان پر دھندلے بادل کے غول نہایت تیزی سے گزرتے جا رہے ہیں۔ میری نظر بادلوں کے ان ٹکڑوں کو بس گزرتا دیکھ رہی ہے۔ اتنے میں یوں لگا جیسے آسمان ایک دم سے صاف ہو گیا اور آسمان سے روح بڑی شان کے ساتھ اترتی دکھائی دی۔ اُسے دیکھتے ہی مجھے ایک سکون سا محسوس ہوا۔ جب وہ قریب آئی تو میں نے اسے سلام کیا۔ سلام کا جواب دیتے ہوئے وہ بولی۔ اتنی دیر سے مجھے تمہارے اشارے مل رہے تھے۔ مگر تمہیں کیا پتہ کہ میرے اپنے بھی کچھ کام ہوتے ہیں۔ اب بتاؤ۔ کون سا مسئلہ درپیش ہے۔ میں مسکرا دی اور اپنے لہجے میں عاجزانہ مٹھاس شامل کرتے ہوئے بولی۔ پیاری روح ایک تم ہی تو ہو۔ جو میرے ہر سوال کا جواب دے سکتی ہو۔ پھر میں کس سے پوچھوں۔ وہ دوستانہ محبت سے لبریز نظروں کے ساتھ دیکھتے ہوئے بولی۔ اسی لئے تو جب تم پکارتی ہو، میں آ جاتی ہوں پیاری۔ پوچھو کیا پوچھنا ہے۔ میں نے کہا۔ تم ان آیتوں کو جانتی ہو۔ میرا ذہن ان میں الجھ کر رہ گیا ہے۔ آخر فرشتوں نے آدم کو خلیفہ بنا کر دنیا میں بھیجے جانے کی اطلاع پر اللہ تعالیٰ کی تخلیق میں نقص کیوں نکالے۔ کیا اللہ نہیں جانتا تھا کہ آدم کمزور نفس ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ کو اس کے ارادے میں نظر ثانی کرنے کا مشورہ فرشتوں نے کیوں دیا۔

فرشتے تو جی حضور والا دماغ رکھتے ہیں۔ وہ بولی۔ اے بنت رسولؐ! اللہ پاک کی ذات علیم و حکیم ہے۔ جیسا کہ مندرجہ بالا آیات میں فرشتوں نے اس کے انہیں دو اسموں کا ذکر فرمایا ہے کہ تو کامل علم والا اور حکمت والا ہے۔

اللہ تعالیٰ کی تخلیق کے پیچھے اس کی حکمت کام کر رہی ہے۔ حکمت ذات کا وہ ارادہ ہے۔ جو علم کو مظاہر میں تبدیل ہونے پر آمادہ کرتا ہے۔ ان آیات میں بہت سی باتیں قابل غور ہیں۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ آدم کو زمین کی خلافت سونپنے کا فیصلہ کرنے کے بعد فرشتوں سے اس کا ذکر کرنے کی کیا ضرورت پیش آئی۔ دراصل اللہ تعالیٰ اس لمحے آدم کے متعلق فرشتوں سے اظہار رائے چاہتے تھے کہ فرشتے آدم کے منصب خلافت پر کیا رائے رکھتے ہیں۔ اس کا یہ مطلب ہرگز بھی نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات فرشتوں کے ذہن کے خیال سے ناواقف تھی۔ بلکہ فرشتوں کا اظہار رائے خود ان کے لئے وقوف شعور بنا اور فرشتوں نے خود اپنی دانست میں یہ جان لیا کہ وہ اللہ تعالیٰ کے امور کی حکمتوں سے ناواقف ہیں اور حکمتوں کی ناواقفیت کی بناء پر ان کے ذہن میں آدم کا زمین پر خون خرابہ کرنے کا خیال پیدا ہوا اور یہ بات جاننے کا تجسس ابھرا کہ باوجود آدم کی اس ظالمانہ فطرت کو پہچانتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے اسے زمین کا خلیفہ کیوں منتخب کیا ہے۔ اے بنت رسولؐ! فرشتوں کا یہ سوال نافرمانی کی وجہ سے نہ تھا۔ بلکہ وہ اس بات سے حیران تھے کہ باوجود اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء کے اور اس کی کامل بندگی و فرمانبرداری کے اللہ تعالیٰ کو ایسی مخلوق بنانے کی کیا ضرورت درپیش آ گئی۔ جو مخلوق پر اپنی حاکمیت کو منوانے کے لئے ظلم و بربریت سے بھی دریغ نہ کرے۔ فرشتوں کا یہ سوال ان کے اندر چھپے ہوئے تجسس کو ظاہر کرتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے سامنے آدم کو پیش کیا۔ تاکہ وہ اپنے

علوم کا ڈسپلے فرشتوں کے آگے کرے اور فرشتوں کا تجسس ختم ہو کر طمانیت قلب حاصل ہو۔ میں نے روح سے پوچھا۔ مگر فرشتوں نے یہ کس طرح جان لیا کہ آدم زمین میں خون خرابہ کریگا۔ روح بولی۔ ملائکہ کا تعلق لوح محفوظ سے ہے۔ ملائکہ اپنی اپنی حدود میں لوح محفوظ کے احکامات لوگوں تک پہنچاتے ہیں۔ آیت مذکورہ میں جب ذات باری تعالیٰ نے فرشتوں سے فرمایا کہ میں زمین میں ایک خلیفہ بنانے والا ہوں۔ تو اللہ تعالیٰ کا فرمان لوح محفوظ کی تمثال بن گیا اور لوح محفوظ پر آدم اللہ تعالیٰ کے خلیفہ کی حیثیت سے موجود ہو گئے۔ چونکہ تمام فرشتوں کا تعلق لوح محفوظ سے ہے یہی وجہ ہے کہ لوح محفوظ کی تمثال میں آدم کو دیکھ کر فرشتوں نے یہ بات جان لی کہ آدم کے اندر فطری طور پر ایسا عنصر موجود ہے کہ اگر آدم زمین پر پہنچ گیا اور زمین پر بہ حیثیت حکمران بسا دیا گیا۔ تو زمین پر فساد و خون برپا ہو جائے گا۔ لوح محفوظ کی تمثال میں روح اپنی ذات کی روشنیوں کا مظاہرہ کرتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ فرشتوں کی نظر آدم کے نفس کی کمزوری کی جانب چلی گئی اور انہوں نے اس بات سے تعجب کیا کہ نفس کی اس کمزوری کے ساتھ آدم زمین پر اگر حکمران بنا دیا گیا تو مخلوق کا تحفظ خطرے میں پڑ جائیگا۔ اسی جذبے کے تحت فرشتوں نے اللہ پاک سے آدم کو زمین کا خلیفہ بنانے کے متعلق سوال کیا۔ یہاں سے یہ بات ظاہر ہو گئی کہ فرشتے آدم کا تحفظ چاہتے تھے اور یہ اس بات کا بذات خود ایک ثبوت ہے کہ فرشتے آدم کے دوست ہیں۔ اب اللہ تعالیٰ نے آدم کو حکم دیا کہ وہ لوح محفوظ کے عالم میں اللہ تعالیٰ کے سنبھالے ہوئے علم الاسماء کا مظاہرہ کرے۔ جب لوح محفوظ کے عالم میں آدم نے اللہ تعالیٰ کے سکھائے ہوئے علم الاسماء کا مظاہرہ کیا تو لوح محفوظ پر کائنات کی تمثالیں وجود میں آ گئیں۔ اب اللہ تعالیٰ نے فرشتوں سے کہا کہ تمہیں آدم سے عالمین میں اگر تخریب کاری کا اندیشہ ہے۔ تو تم ہی آدم سے بہتر تمثالیں پیش کر دو۔ تمام فرشتے جان گئے کہ وہ اسمائے الٰہیہ کے علوم سے واقف نہیں ہیں اور انہوں نے اللہ تعالیٰ کے آگے اس بات کا اعتراف کر لیا کہ تو نے جو کچھ ہمیں سکھایا ہے آدم کے علوم ان سے علیحدہ ہیں اور یہ ایسے علوم ہیں جن کی حکمتوں اور علم سے تو ہی واقف ہے۔ اب اللہ تعالیٰ نے آدم کو ان تمثالوں کے علوم کو ظاہر کرنے کا حکم دیا۔ تو لوح محفوظ کے عالمین میں آدم کی تعمیری کارکردگی کا اجمالاً" مظاہرہ ہو گیا۔ مگر یہ تمام مظاہرہ تمثالی صورت میں تھا۔ یعنی یہ تمام تمثالیں لوح محفوظ کے نوری تمثالات کی صورت میں ظاہر ہوئے۔ گویا فرشتوں نے عالم نور میں آدم کی تعمیری کارکردگی کا مشاہدہ کر لیا۔ جسے دیکھ کر فرشتوں پر آدم کی اعلیٰ صفات وصلاحیتوں کا انکشاف ہو گیا اور انہوں نے اللہ تعالیٰ کے حکم پر آدم کو حاکم تسلیم کر لیا۔ جس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو آدم کا دوست بنا دیا۔

میں یوں انہماک کے ساتھ روح کی باتیں سن رہی تھی۔ مجھے یوں لگتا تھا۔ جیسے میں روح کی روشنی میں لوح محفوظ کی یہ فلم دیکھ رہی ہوں۔ مگر مجھے خیال آیا کہ اب تک شیطان یا ابلیس کا کہیں تذکرہ نہیں آیا ہے۔ میں سوچنے لگی کہ اللہ تعالیٰ نے بھی ان آیات میں یہی فرمایا ہے کہ آدم کو فرشتوں کے سامنے پیش کیا گیا۔ یہ کہیں نہیں لکھا کہ فرشتوں اور ابلیس کے سامنے آدم کو علم الاسماء کے مظاہرے کا حکم دیا گیا۔ مگر جب سجدہ کرنے یعنی حاکمیت کو قبول کرنے کا حکم دیا تو فرماتے ہیں کہ فرشتوں سے کہا کہ آدم کو سجدہ کرو۔ تو فرشتوں نے حکم کی تعمیل میں آدم کو سجدہ کیا۔ مگر ابلیس نے سجدہ کرنے سے انکار کر دیا اور تکبر کیا اور وہ پہلے ہی کافروں میں سے تھا۔ میری سمجھ میں نہ آیا کہ ابلیس اب تک کہاں تھا۔ میں روح کی روشنی میں لوح محفوظ پر نظر جمائے بیٹھی تھی۔ کیا دیکھتی

ہوں کہ آدم کے سینے کے دائیں جانب ایک مقام پر ایک سفید سا دھبہ ہے یا نقطہ ہے۔
جو نوری تمثل میں نمایاں طور پر دکھائی دے رہا ہے۔ دیکھتے ہی دیکھتے اس نقطے سے روشنی
کی ایک شعاع نکلی جو نور سے الگ تھی اور اس شعاع نے جو بادل کی طرح کی کثیف
روشن تھی۔ نمودار ہو کر لوح محفوظ پر ایک صورت بنا لی۔ اسے دیکھ کر میرے ذہن میں
سخت ناگواری کا احساس ہوا۔ جیسے ہنسوں کی ٹولی میں کوا شامل ہو جائے۔ جنت کی جانفزا
ہواؤں میں جہنم کی لو کا جھونکا آجائے۔ روشن اجالے میں اندھیرے کا سایہ آجائے اور
دیکھتے ہی دیکھتے اس سایے نے ایک صورت اختیار کر لی۔ خیال آیا یہ تکبر ہے' یہ ابلیس
ہے۔ جانے کیوں اسے دیکھ کر میرے سینے میں درد کی ایک لہر اٹھی۔ جو اپنی دردناک آواز
میں سسکتی ہوئی بولی۔ کاش میرا وجود ہی نہ ہوتا۔ کاش لوح محفوظ پر آدم اپنے تکبر کی تمثال
نہ بناتا۔ روح میرے حال سے واقف ہو گئی۔ میرے درد بھرے سینے پر اپنا نوری ہاتھ
پھیرتے ہوئے نہایت ہی پیار سے بولی۔ اے بنت رسولؐ! اللہ کے حکم سے کسی کو
دستگاری نہیں ہے۔ آدم نے اللہ کے حکم پر اس کے سکھائے ہوئے علم الاسماء کا مظاہرہ کیا
تھا تاکہ آدم اپنے اندر کی روشنیوں سے واقف ہو جائے۔ اسمائے الٰہیہ کی روشنیاں
وانوار آدم کی روحانی صفات ہیں۔ آدم کا لوح محفوظ پر علم الاسماء کا مظاہرہ کرنے میں یہ
حکمت پیش نظر ہے کہ آدم بھی اپنی روحانی صلاحیتوں سے واقف ہو جائے اور ان
صلاحیتوں کو ان کی فطرت کے مطابق بروئے کار لا کر زمین پر اللہ تعالیٰ کی نیابت وخلافت
کے امور کی انجام دہی فرمائے۔ اسم تکبر کا نور اللہ تعالیٰ کی شان جلالی کا نور ہے۔ اللہ
پاک کی ہستی میں یہ شان اس کی بزرگی عظمت اور قدوسیت کی علم بردار ہے۔ مگر جب
آدم کے ذریعے اس کا مظاہرہ ہوا۔ تو اللہ کے تقدس کے آگے آدم کے نفس کی پاکی نور

کے سمندر کی ایک لہر بن کر نمودار ہو گئی اور چونکہ فطری طور پر اس لہر میں بزرگی' بڑائی
اور اپنی عظمت کا تصور تھا۔ مگر آدم کا نفس اللہ پاک کی قدوسیت کا سمندر نہیں بلکہ
سمندر کا ایک قطرہ ہے۔ پس آدم کے نفس نے یعنی قطرے نے جب اپنی بڑائی کا مظاہرہ
کیا۔ تو اس کی روشنی اللہ کے نور کے سامنے ظلمت بن کر نمودار ہو گئی اور اللہ کی پاکی
کے تصور نے اسے قبول نہ کیا۔ نور کے سمندر نے اپنی سطح پر آئے ہوئے خس وخاشاک
کو نفس آدم کی موج پر سوار کر کے اپنی ذات سے دور کر دیا اور ذلت کے ساحل پر
لا پھینکا۔ ابلیس نے ذلت کے ساحل پر کھڑے ہو کر نفس آدم کے دریا میں اسمائے الٰہیہ کی
نورانی موجوں کی جھلک دیکھ لی۔ مگر اس کا تاریک نفس نورانیت کی تاب نہ لا سکا اور ذلت
نفس کی تاریکی اس کے وجود پر طاری ہو گئی۔ اس کی آنکھوں کے چراغ نور کے جھونکے
سے بجھ گئے۔ وہ اپنی تاریکی کے خول میں بند ہو کر نور کے مشاہدہ سے معذور ہو گیا۔ یہی
معذوری اس کا کفر اور انکار ہے۔

روح کی باتیں میرے نفس کے دریا کی تہہ تک پہنچ گئیں۔ اس کی آواز دریا کی لہر
بن کر اس کنارے سے اس کنارے تک، پھیل گئی۔ میرے نفس کے دریا میں ہلچل مچ
گئی۔ موج پر موج اٹھنے لگی' ہر موج اپنے کندھے سے خس وخاشاک کو لب ساحل پر
چھوڑنے کے لئے مستعد ہو گئی۔ مجھے یوں لگا جیسے میرے نفس' کے دریا کی ہر موج اپنے
مرکز سے دور ہوتی جا رہی ہے۔ میرا ہر لمحہ مرتا جا رہا ہے۔ میری ہر سکت ختم ہوتی جا رہی
ہے' دریا سوکھتا جا رہا ہے۔ آہ! دریا سوکھتا جا رہا ہے۔ میری نگاہ کے سامنے نفس کا دریا
ایک حقیر بوند رہ گیا۔ اس بوند سے ایک ناتواں آواز نکلی۔ جیسے سرگوشی کہ صدف برابر
والا ہی سن سکتا ہے۔ اے روح! اے عظیم ماں مجھے اپنے اندر سمو لے۔ میرا کمزور نفس

تیرے سمندر کی ایک بوند ہے۔ سمندر سے الگ رہ کر قطرہ اپنے وجود کو برقرار نہیں رکھ سکتا۔ مجھے میری موت سے بچا۔ مجھے اپنی آغوش رحمت میں زندگی عطا فرما۔ روح نے میری جانب دیکھا۔ عشق کی مقناطیسی قوت سمندر کی لہروں کی طرح اس کے نور سے نکلنے لگیں۔ اس نے بھرپور محبت کے ساتھ مجھے گلے سے لگالیا۔ سمندر کی موج نے بڑھ کر قطرے کو اپنے اندر جذب کرلیا۔

ہم تم ملے تو بحر میں طوفان آ گیا
اٹھ اٹھ کے ہر اک موج گلے ہم سے مل گئی

شعائر اللہ

چلتے پھرتے ہر دم محسوس ہونے لگا جیسے آسمان سے تجلی کا نزول ہوتا ہے اور یہ تجلی نیچے آتے آتے تک ساری دنیا میں دائرے کی صورت میں پھیل جاتی ہے اور روشنی کے اس دائرے میں سارا عالم آ جاتا ہے۔ میرا ذہن اللہ تعالیٰ کی ربوبیت پر غور کرنے لگا کہ اللہ تعالیٰ کی ربوبیت کی تجلیاں سارے عالمین کو فیڈ کرتی ہیں۔ اللہ کی تجلیات سارے عالمین پر محیط ہیں۔ ان تجلیات میں اسمائے الٰہیہ کا ادراک ہے اور یہی ادراک تقسیم ہو کر کائنات کے افراد کا شعور بن جاتا ہے۔ میرا ذہن اللہ تعالیٰ کی لامحدودیت کا مشاہدہ کرنے لگا۔ تجلی کا نور ازل سے ابد تک تمام عالمین پر محیط تھا۔ میری نگاہ آفاق پر تجلیوں کو گرتا ہوا دیکھنے لگی۔ آفاق پر نمودار ہوتے ہی تجلی کی روشنی نہایت تیزی سے پھیلتی جاتی اور اس پھیلتی روشنی کے اندر نہایت چمکیلے ذرات ستاروں کی صورت میں پھیلتے جاتے۔ یہاں تک کہ تجلی روشنی کے اندر تمام عالمین آ جاتے اور تجلی کی روشنی تمام عالمین کو گھیر لیتی۔ میری نظر روشنی کی فضا میں چمکیلے ذرات پر گئی۔ یوں لگا جیسے کسی نے ستاروں سے بھرا دوپٹہ اوڑھا دیا ہے۔ جسم سے لگے [illegible] مجھے اللہ تعالیٰ کی شان ربوبیت پر بہت پیار آنے لگا۔ میں سوچنے لگی۔ اللہ تعالیٰ کی ذات بھی کس قدر رحیم ہے کہ کائنات کی محتاجی کو مدنظر رکھتے ہوئے ہر آن اور ہر لمحے اسے رزق فراہم کر رہی ہے۔ بلاشبہ تجلی کی روشنی ہی کائنات کا رزق ہے۔ جس کے بغیر کائنات کا وجود ممکن نہیں ہے۔ میری روحانی نظر دوبارہ افق اعلیٰ پر پہنچی۔ جہاں سے تجلیات کا نزول ہو رہا تھا۔ اس سطح پر نظر پڑتے ہی میرے

اندر لا کا تصور ابھرا۔ جیسے یہاں کچھ نہیں ہے۔ خیال آیا۔ یہ نفی اللہ کی نفی نہیں ہے۔ بلکہ خود اپنی ذات کی نفی ہے کہ اس مقام پر انا ذات کے پردے میں مستور ہے۔ انا کے بغیر ذات کا ظہور نہیں ہے۔ انا ذات کی پہچان ہے۔ اسی لمحے تجلی دکھائی دی اور ذہن میں اللہ کی موجودگی کا تصور ابھرا۔ دل سے آواز آئی۔ الا اللہ۔ اللہ ہے۔ دل نے دہرایا؟ دل کے اقرار پر ذہن نے چونک کر یہی الفاظ سوالیہ انداز میں دہرائے۔ اللہ ہے؟ سوال کی توسیع ہوئی۔ اللہ کا اقرار کس نے کیا ہے؟ دل نے کہا۔ ذات کی انا نے۔ ذہن نے کہا۔ انا کہاں ہے؟ اسی لمحے تجلی سے نور نکلا اور متشکل ہو گیا۔ اسی متشکل تجلی کو دیکھ کر دل نے کہا۔ یہ تجلی کا جمال ہے' یہ ذات کی انا ہے۔ جو ذات کی تجلی کو پہچاننے کا کردار ادا کر رہی ہے۔ ذات کی ہر تجلی اسماء الٰہیہ ہیں۔ اب میرے ذہن میں آیا۔ انا جو ذات کو پہچاننے کا کردار ادا کر رہی ہے۔ اس انا کی خود اپنی پہچان کیا ہے۔ ذہن کے اس سوال پر دل نے مشورہ دیا۔ معراج کے لمحے میں جھانک کر دیکھو۔ مجھے یوں لگا۔ میری پیشانی سے نور کی ایک روشن دھار نکل رہی ہے۔ یہ نور آہستہ آہستہ فضا میں بڑھتا چلا جا رہا ہے۔ ساتھ ہی ساتھ اس نور کے اندر مناظر ابھرنے لگے۔ زمین و آسمان' عرش و کرسی سب کچھ دکھائی دی۔ یوں لگا جیسے یہ نور پوری کائنات کو محیط ہو گیا ہے۔ ذہن میں خیال آیا یہ حقیقت محمدیؐ کا ادراک ہے۔ جو روح اعظم کا شعور ہے۔ مجھے ستاروں بھرے دوپٹے سے رحمت اللعالمین کی رحمت کا احساس ہوا۔ میں نے دوپٹہ خوب زور سے اپنے چاروں طرف لپیٹ لیا اور ستاروں پر ہاتھ پھیرنے لگی۔ جوں جوں میں ستاروں پر ہاتھ پھیرتی جاتی۔ توں توں حضور پاکؐ کی محبت دل میں زیادہ ہوتی جاتی۔ دل نے کہا۔ جس طرح اللہ تعالیٰ کی ربوبیت کی تجلیات ساری کائنات پر محیط ہیں۔ اسی طرح رحمت اللعالمینؐ کی رحمت کی تجلیات بھی ساری کائنات پر محیط ہیں۔ ربوبیت کی تجلیات میں ذات کی انا تجلی کی صورت میں اپنے آپ کو ظاہر کرتی ہے اور رحمت کے انوار میں ذات کی انا تجلی سے ہٹ کر اپنے جمال کو تجلی کی نگاہ کے سامنے ظاہر کرتی ہے۔ اس طرح رب العالمین اور رب العالمین کو پہچاننے والی حقیقت رحمت اللعالمین کے نام سے مخلوق میں پہچانی جاتی ہے۔ ذات لامحدودیت ہے اور ذات کی انا لامحدودیت کا دل ہے۔ دل وہ مقام ہے جو مرکز ذات ہے اور مرکز ہر سمت سے ذات میں گھرا ہوا ہے۔ میرے ذہن میں یہ آیت ابھری۔ دل نے جو کچھ بھی دیکھا۔ جھوٹ نہ دیکھا۔ دل لامحدودیت میں دیکھنے والی آنکھ ہے۔ ذہن میں خیال آیا۔ لامحدودیت میں دیکھنے والی نظر بھی لامحدود ہوتی ہے۔ دل کی آنکھ لامحدودیت میں جو کچھ بھی دیکھتی ہے۔ وہ حقیقت محمدیؐ کا شعور ہے۔ اس شعور کے ساتھ کائنات کی روح اعظم حرکت کرتی ہے۔ روح اعظم کا متحرک ہونا ذات کی پہچان ہے۔ روح اعظم کا ذات کو پہچاننا انسانی شعور کی معراج یا انتہائی بلندی ہے۔ میرے دل میں شدت سے یہ خواہش ابھری کہ کاش میں بھی کسی طور خواص کی ان انتہائی بلندیوں کو چھو لوں۔ اس کے ساتھ ہی یہ بھی خیال آیا کہ میرے اندر یہ خواہش کہاں سے آ رہی ہے۔ کیونکہ جب میں اپنی ذات سے فنا ہوں اور اصل ذات سوائے ذات باری تعالیٰ کے اور کوئی نہیں ہے۔ تو پھر میرے اندر خواہشات کہاں سے ڈالی جا رہی ہیں۔ اسی خیال کے ساتھ ہی میرے سر پر تالو کی جگہ ایک سخت دباؤ محسوس ہوا۔ جیسے کوئی پیوست ڈھکن کھولتا ہے اور تالو کی جگہ کھل گئی۔ مجھے محسوس ہوا جیسے میرے لئے غیب میں داخل ہونے کا دروازہ کھولا گیا ہے۔ وہ غیب جو ذات کا عالم ہے۔ ذات ایسی پراسرار ہستی ہے جس نے اپنے آپ کو غیر کی نگاہ سے پردوں میں چھپا رکھا ہے۔ کیونکہ غیر کی نگاہ اس کی حقیقت کو نہیں پہچان سکتی اور اس کے جمال

کی قدروقیمت سے واقف نہیں ہو سکتی۔ جیسے ناشناس ہیرے اور پتھر میں تمیز نہیں کر سکتا ہے۔ پس ہیرے نے اپنے آپ کو پتھروں سے علیحدہ رکھنے کے لئے پردوں میں چھپا رکھا ہے۔ میرے دل میں خیال آیا ہیرے کی پہچان تو جوہری ہی کر سکتا ہے۔ آج ہیرا اپنی چمک دکھا کر جوہری کو خود دعوت نظارہ دے رہا ہے۔ میرے ذہن میں حدیث قدسی کے الفاظ آ گئے۔ میں ایک چھپا ہوا خزانہ تھا۔ جب میں نے چاہا کہ پہچانا جاؤں تو میں نے کائنات کی تخلیق کی۔ دل نے کہا۔ آج ہیرے نے جوہری کو اپنی پہچان کی دعوت دی ہے۔ ہیرا تو چھپا ہوا خزانہ ہے جو انمول ہے۔ مگر جوہری بھی انمول خزانے کی قدروقیمت سے خوب واقف ہے۔ اس اعتبار سے دونوں ہی انمول ہیں۔ ہیرے کی چمک سوائے جوہری کے اور کون دیکھ سکتا ہے۔ میں نے ستاروں بھری اوڑھنی اپنے سر پر کھینچ لی اور چاروں طرف سے اپنے جسم کے ساتھ ساتھ اس اوڑھنی سے اپنا چہرہ بھی چھپا لیا۔ دل نے دیکھا۔ اے ذات محبوب۔ جن اسرار کو تو غیر سے چھپانا چاہتا ہے۔ میں بھی ان اسرار کو غیر سے پوشیدہ رکھنا پسند کروں گی۔ تالو کے راستے ایک تجلی اندر داخل ہوئی۔ میں نے دیکھا کہ تجلی کے نور میں ایک عظیم الشان تخت ظاہر ہوا۔ ذہن نے کہا۔ یہ کرسی ہے' یہ کائنات کی بادشاہی ہے۔ دل نے کہا۔ اے میرے رب مجھے کائنات کی بادشاہی دکھلا۔ جیسی تو نے اپنے دوست حضرت ابراہیم علیہ اسلام کو دکھلائی۔ اس وقت بادشاہی کے تخت پر حضرت ابراہیمؑ بیٹھے دکھائی دیئے۔ آپ کے اطراف میں تخت کے چاروں طرف تجلیات چاند' سورج' ستاروں کی مانند بکھری تھیں۔ یہ تمام تجلیات نہایت ہی منظم وخوبصورت ترتیب کے ساتھ تھیں۔ حضرت ابراہیم علیہ اسلام نے مجھے تخت پر آنے کی دعوت دی۔ وہ اس طرح کہ آپ کے قلب سے نور کی ایک شعاع نکلی اور اس شعاع نے مجھے اپنی جانب کھینچ لیا۔ میں اسی طرح گھونگھٹ میں لپٹی تھی۔ حضرت ابراہیم علیہ اسلام کی نہایت ہی شفیق آواز آئی۔ اے بنت رسولؐ! آپ اللہ تعالیٰ کے چھپے ہوئے خزانے کی چمک ہیں۔ ذہن نے سوچا۔ میں تو اپنی ذات سے فنا ہوئی۔ دل نے کہا۔ یہ پہچان تیری نہیں اس اصل ذات کی ہے جو بقا ہے۔ پھر آپ نے بہت محبت کے ساتھ فرمایا۔ چہرے سے نقاب ہٹا دیجئے کہ یہاں غیر کا گزر نہیں ہے۔ میں نے آہستہ آہستہ اوڑھنی چہرے اور سر سے سرکائی۔ روح کی روشنیوں سے سارا تخت جگمگا اٹھا۔ اب ایک ایک کر کے چاند ستاروں سے تجلّی نزول کرتی اور تخت پر آ کر اپنا تحفہ پیش کرتی۔ ساتھ حضرت ابراہیم علیہ اسلام اس کا تعارف فرماتے کہ یہ فلاں اسم الٰہی ہیں۔ میری اوڑھنی کا ایک ستارہ جگمگا اٹھتا اور اس کی روشنیاں اسم الٰہی کی روشنی سے مل جاتیں۔ میری نظر حد نگاہ تک اس روشنی کا تعاقب کرتی۔ یہاں تک کہ اسم الٰہی کی تجلی میں گم ہو جاتی۔ ذہن میں آیت ابھرتی۔

اِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِنْ شَعَآئِرِ اللّٰہِ ۔(بے شک صفا اور مروہ اللہ کی نشانیوں میں سے ہیں۔) دل کہتا شعائر اللہ اسمائے الٰہیہ کے کمالات ہیں۔ یہی کمالات قانون تجلیات ہیں اور ان ہی تجلیات کے نظام کائنات کو سنبھالے ہوئے ہیں۔ موجودات میں اسماء الٰہیہ کے کمالات یا شعائر اللہ فطرت بن کر کام کر رہے ہیں۔ ایک ایک کر کے میری اوڑھنی کا ہر ستارہ روشن ہو گیا۔ جوہری کی نظر کائنات کے خزانوں کو پہچان گئی۔ حضرت ابراہیم علیہ اسلام نے مسکرا کے ایک سند پیش کی۔ اے بنت رسولؐ! آپ کے رب نے آپ کو کائنات کی بادشاہی دکھلا دی۔ روح نہایت ادب سے اٹھ کر کھڑی ہوئی شکر کے طور پر کورنش بجا لائی اور عرش پر اسمائے الٰہیہ کی تجلیات کی جانب دیکھ کر تعظیماً" رکوع میں جھک گئی۔ پھر ہاتھ باندھ کر عرض کیا۔ اے میرے رب بلاشبہ تو ہی کائنات کا حقیقی بادشاہ

ہے' تیری ذات عرش اور کرسی سے ماوراء ہے۔ میرے لئے اپنی ذات میں ایسے راستے بنا
کہ مخلوق میرے راز سے واقف نہ ہو سکے۔ مجھے یوں لگا عرش کے تمام ستارے نیچے
اترنے لگے۔ تمام اسمائے الہیہ نے مجھے چاروں طرف سے گھیر لیا اور عرش کے ستاروں
کے درمیان ایک راہ بن گئی۔ میں تمام اسمائے الہیہ کی حفاظت میں اس راستے پر چل
پڑی۔ دل نے کہا۔ لامحدودیت میں راہ مل گئی ہے۔ ذہن نے کہا۔ لامحدودیت کا قانون کیا
ہے؟ دل نے مسکرا کے جواب دیا۔ لامحدودیت کا قانون شعائر اللہ ہے۔ شعائر اللہ' اللہ
تعالیٰ کی صفات ہیں۔ جن کے کمالات اسمائے الہیہ کی تجلیات کی صورت میں لامحدودیت
میں نازل ہوتے رہتے ہیں۔ لامحدودیت کا قانون اللہ تعالیٰ کی نظر اور اللہ تعالیٰ کی آواز
ہے۔ تمام اسمائے الہیہ دل کی اس حکمت کو سن کر بیک آواز بول اٹھے۔ اے بنت رسولؐ!
زندگی ایک ناختم ہونے والا سفر ہے۔ اس سفر میں تم اللہ کی نظر سے دیکھتی رہو اور اللہ کی
آواز پر چلتی ہو۔ لامحدودیت میں تمہارا سفر جاری وساری ہو جائے گا۔

منزل کے سب نشان گزرتے چلے گئے
منزل ملی نہ پھر بھی تمنائے یار کی

براق

بازار میں شاپنگ کرتے ہوئے تصویروں کی ایک دکان کے آگے سے گزر ہوا۔
دیواروں پر بڑی خوبصورت فریموں میں تصویریں آویزاں تھیں۔ ایک تصویر پر نظر جیسے
ٹھہر کر رہ گئی۔ بڑی سی آبنوسی فریم میں سفید براق سا گھوڑا اپنی اگلی دو ٹانگیں اٹھائے بڑی
شان سے کھڑا تھا۔ ایسا لگتا تھا جیسے ابھی قلانچیں بھرنے ہی والا ہے۔ اس کے چہرے پر
عجیب تمکنت تھی اور بڑی بڑی سیاہ آنکھیں تو بولتی دکھائی دیتی تھیں۔ میں ٹکٹکی باندھے
اسے دیکھنے لگی۔ ایک لمحے کو ان آنکھوں کی گہرائی میں ایک غبار سا دکھائی دیا اس غبار
میں سچ مچ ایک جیتا جاگتا گھوڑا نظر آیا۔ ہو بہو تصویر جیسا۔ میں نے گھبرا کے اپنی آنکھیں
بند کر لیں اور اسی لمحے دکان والا میری طرف مخاطب ہوا۔ تصویر تو مجھے لینی نہیں تھی دکان
دار سے اس کی خوبصورتی کی تعریف کر کے آئندہ دکان پر آنے کا وعدہ کر کے آگے بڑھ
گئی۔ دو دن گزر گئے۔ نظروں میں جیسے وہ تصویر نقش ہو گئی تھی۔ حالانکہ مجھے کبھی
گھوڑوں سے اس قدر دلچسپی نہیں رہی۔ مجھے تو غزالی آنکھوں والے اور سڈول جسم
والے ہرن پسند ہیں۔ ان کی چیتے جیسی کھال تو مجھے اس قدر پسند ہے کہ میں ہمیشہ سوچتی
ہوں کہ اگر کبھی مجھے موقع ملے تو خوب سارے ہرن پالوں گی۔ مگر جانے اس سفید
گھوڑے میں کیا بات تھی کہ اس کی تصویر دو دن سے ایک پل بھی میری نگاہوں سے
غائب نہ ہو سکی دوسری رات عشاء کی نماز اور مراقبہ سے فارغ ہو کر لیٹی تو جلد ہی نیند کی
آغوش میں پہنچ گئی۔ کیا دیکھتی ہوں کہ ایک بہت بڑا سا دریا ہے۔ میں اس دریا کے

کنارے کھڑی ہوں۔ مجھے ایسا لگا جیسے یہ دریائے نیل ہے۔ دریا بہت گہرا تھا' مگر میری نظریں اس دریا کی گہرائی دیکھ سکتی تھیں۔ جیسے جیسے نظر دریا کے اندر سفر کرتی جاتی تھی مجھے یوں محسوس ہوتا جیسے میں ادراک کے سمندر میں سفر کر رہی ہوں۔ یہاں تک کہ نظر دریا کی تہ تک پہنچ گئی۔ میرے سامنے نور کا ایک راستہ تھا۔ میں نے سوچا دریا کی تہہ میں نور کا یہ راستہ کہاں جا رہا ہے۔ اور اس راستے پر کون آتا جاتا ہو گا۔ اسی وقت ایک سفید گھوڑے پر حضرت موسیٰ علیہ السلام اس راستے پر آگے آگے جاتے دکھائی دیئے۔ آپ کے ہاتھ میں ایک نہایت ہی روشن عصا تھا۔ آپ کے پیچھے آپ کی قوم کچھ گھوڑوں پر سوار اور کچھ پیدل چلی جا رہی تھی میں نے سوچا کہ یہ راستہ وہ ہے جو دریائے نیل میں حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنا عصا پانی پر مار کر معجزاتی طور پر بنایا تھا۔

کائناتی ادراک کے اندر کائنات کی ہر شے کا شعور موجود ہے۔ دریائے نیل کی گہرائی میں کائناتی شعور کی سطح پر دریائے نیل کے ادراک میں نور کا یہ راستہ اب بھی موجود ہے۔ مجھے ایسا محسوس ہوا جیسے میرے اندر کائناتی پروگرام کام کر رہا ہے اور میں دریائے نیل کی ہر لہر اور پانی کی ہر گہرائی پر پانی کے ذہن کو سمجھ رہی ہوں اور پانی بھی میرے ذہن کو سمجھ رہا ہے۔ مجھے بڑی خوشی سی ہوئی کہ اب مجھے دریا کی گہرائی میں تاریکی کی وجہ سے کوئی دقت نہ ہو گی۔ پانی کی لہریں خود مجھے راستہ بتائیں گی اور میری نظر پھر گہرائی میں دیکھنے لگی۔ اب کے سے نور کے اس راستے پر اس طرح کے سفید براق گھوڑے پر میری روح بیٹھی دکھائی دی۔ ایک لمحے کو میں ٹھٹھک کر رہ گئی۔ یہ تو وہی گھوڑا ہے' وہ تصویر والا۔ روح اس پر بیٹھ کر کہاں جا رہی ہے۔ گھوڑے کی تیز رفتاری دیکھ کر میں لپک کر اس کے راستے پر آ گئی تاکہ نظر سے اوجھل ہونے سے پہلے روح کے ساتھ ہو لوں۔ مجھے دیکھ کر روح نے گھوڑے کو رکنے کا حکم دیا اور میرا ہاتھ پکڑ کر اپنے پیچھے مجھے بٹھا لیا اور پھر گھوڑے کو تھپتھپایا تو وہ چلنے لگا۔ اب روح میری طرف گردن موڑ کر کہنے لگی۔ ارے تم یہاں کیا کر رہی ہوں۔ اس کی نظروں میں استعجاب کے ساتھ ساتھ خوشی کی روشنی تھی۔ میں نے کہا۔ یہی سوال تو میں تم سے پوچھنا چاہتی ہوں کہ اس راستے سے کہاں جا رہی ہو۔ وہ کہنے لگی کہ تمہیں پتہ ہے یہ کون سا راستہ ہے؟ میں نے کہا۔ یہ تو وہی راستہ ہے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے دریائے نیل پر ان کی معجزاتی عصا کے پانی میں مارنے سے پیدا ہوا تھا۔ دریا کا پانی دونوں اطراف میں کھڑا ہو گیا تھا اور درمیان میں خشک راہ نکل آئی تھی۔ روح کہنے لگی۔ یہ نور کی وہ رو ہے جو عصا کے اندر سے نکل کر دریائے نیل کی گہرائیوں میں پیوست ہو گئی۔ تمہیں کلام پاک میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کا وہ ذکر ضرور یاد ہو گا جس میں اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو عصا اور ید بیضا کے معجزے دیئے جانے کا ذکر فرمایا ہے۔ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنی بیوی کے ساتھ مدین سے واپس مصر جا رہے تھے۔ سرد اور اندھیری رات میں دور انہیں آگ دکھائی دی۔ انہوں نے اپنے گھر والوں سے کہا تم سب یہیں ٹھہرو۔ میں آگ لے کر آتا ہوں تاکہ راستے کی تاریکی دور ہو جائے اور اندھیرے میں بھٹکنے سے بچے رہیں۔ جیسے ہی حضرت موسیٰ علیہ السلام آگ کے قریب پہنچے۔ ندا آئی کہ اے موسیٰ یہ مقدس وادی طویٰ ہے۔ اپنے جوتے اتار کر یہاں آؤ دراصل وہ آگ نہیں بلکہ تجلی تھی۔ اسی تجلی کو اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے عصا کے اندر اور آپ کے ہاتھ کے اندر منتقل فرما دیا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کے حکم پر عصا زمین پر ڈالنے سے تجلی کے اثر سے زندہ سانپ بن گیا اور ہاتھ کو بغل میں ڈال کر نکالنے سے ہاتھ مثل چاند کے نورانی ہو گیا۔ تجلی کے

اندر اللہ تعالیٰ کا تفکر کام کر رہا ہے۔ تجلی کے نور میں اللہ تعالیٰ کے تفکر کی اشکال روح کی نظر سے دیکھی جا سکتی ہیں۔ تجلی کی ہر رو اللہ تعالیٰ کا ایک امر ہے۔ عالم امر سے یہ تجلی دنیا یا عالم ناسوت میں آتی ہیں۔ جہاں تجلی کے اندر اللہ تعالیٰ کے تفکر کی اشکال ظاہری صورت اختیار کر لیتی ہیں۔ عالم ظاہر میں ایک مدت معینہ تک اپنے امر کا مظاہرہ کرنے کے بعد پھر تجلی کی روشنی واپس عالم امر میں لوٹ جاتی ہے۔ عالم ظاہر میں ظاہر کی نظر یا شعور تجلی کے ساتھ ساتھ عالم امر کی جانب سفر کرتا ہے۔ تجلی کی رو شعور کے لئے اللہ تعالیٰ کی جانب سفر کرنے کا راستہ ہے۔ اسی راستے پر چل کر شعور اللہ تعالیٰ کے امر کی وہ مخصوص تجلی کا مشاہدہ کرتا ہے جس کے اندر اللہ تعالیٰ کا تفکر کام کر رہا ہے اور اللہ تعالیٰ کے تفکر کے تمام جلوے اس کی نظر میں آجاتے ہیں۔

میں نے بڑی بیتابی کے ساتھ پوچھا تو کیا واقعی تم اللہ تعالیٰ کے جلووں کا مشاہدہ کرو گی اور اس کے ساتھ میں نے بڑے پیار سے سفید گھوڑے کی پیٹھ کو تھپتھپایا۔ اچھے گھوڑے مجھے بھی اپنے رب کے پاس لے چلو۔ روح نے بہت محبت کے ساتھ مجھے دیکھا اور کہنے لگی تم ہمارے ساتھ آخیر تک سفر کرو گی فکر نہ کرو۔ میں نے خوشی سے روح کے بال چوم لئے۔ نور کا یہ راستہ بہت لمبا تھا۔ راستے کے دونوں اطراف میں نور کی نہریں بہہ رہی تھیں۔ ہر نہر میں مختلف رنگ جھلکتے دکھائی دیتے تھے۔ کہیں چشمے ابل رہے تھے۔ کہیں رنگین آبشاریں تھیں۔ نہروں کے کنارے نور کے درخت تھے جن کے اندر رنگین روشنیوں کے پھل اور پھول لگے تھے' ہر قدم پر ایک نیا منظر دیکھنے میں آتا تھا' جگہ جگہ لوگ اپنے چاہنے والوں کے ساتھ پکنک منا رہے تھے' حسین حوریں نہروں میں نہا رہی تھیں۔ نور کے پانی میں بھیگا ہوا حسن ساغر جمال کی دو آتشہ شراب دکھائی دیتا تھا۔ جنہیں دیکھ کر نگاہیں مخمور ہوئی جاتی تھیں۔ میں نے نشے میں ڈوبی آواز کے ساتھ روح سے کہا۔ اچھی روح کیا ہم تھوڑی دیر یہاں دریا کے کنارے ٹھہر سکتے ہیں' میں دریا کا پانی چکھنا چاہتی ہوں۔ وہ ہنس دی۔ کیوں نہیں تمہاری ہر خواہش میری ہی تمنا ہے۔ مگر میرا کیا ہے۔ میں تو یہاں جب چاہے آ جا سکتی ہوں۔ فکر تو مجھے تمہاری ہے تم نے اگر اس نور کی نہر کا پانی چکھ لیا تو دنیا تمہارے لئے ویران ہو جائے گی اور ابھی دنیا میں تمہارا کچھ دن اور رہنا ضروری ہے۔ مگر میں دیکھتی ہوں کہ تمہاری تشنگی اب حد سے گزر چکی ہے اور یہ بات اللہ تعالیٰ کی شان کریمی کے خلاف ہے کہ دریا کے کنارے وہ کسی کو پیاسا دیکھ سکے۔

روح کی یہ باتیں سن کر میرا دل ایک انجانے خوف سے لرز کر رہ گیا۔ بار بار دل سے صدا آنے لگی میرا کیا بنے گا۔ اتنے میں ایک حسین ترین سفید گھوڑا دریا کے کنارے رک گیا۔ روح نے مسکرا کے میرا ہاتھ پکڑ کر مجھے گھوڑے سے نیچے اتارا۔ میں نے چاروں طرف نظر بھر کر دیکھا۔ ایسا حسین منظر تو خیال میں بھی نہیں آ سکتا۔ میرا دل اس کی لطافت میں ڈوبتا چلا گیا اور میں اس میں اس طرح کھو گئی کہ تمام خدشے ذہن سے قطعی طور پر مٹ گئے۔ ہم دونوں دریا کے پانی میں اتر آئے اور بچوں کی طرح اس میں کھیلنے لگے۔ دریا کا پانی ذائقے میں دنیا کے تمام پانیوں سے مختلف تھا۔ اس کی شیرینی میرے رگ و پے میں سرائیت کر گئی۔ اس کے نور سے میرا سارا وجود روشن ہو گیا۔ اس کی حلاوت و سرور میں میرے بدن کا ایک ایک رواں ڈوبتا محسوس ہونے لگا۔ میں نے سکون کے ساتھ اپنے آپ کو دریا کی لہروں کے حوالے کر دیا۔ دریا کی ہر لہر سے میرے دل میں گدگدی ہونے لگی۔ میرا جی چاہا کاش کہ میں ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ان لہروں پر بہتی رہوں۔ اسی لمحے روح نے میرا ہاتھ پکڑ کر مجھے دریا سے باہر کھینچ لیا۔ بس اب آگے چلنا ہے ہم پھر

سفید گھوڑے پر بیٹھ گئے۔ نہر کا پانی پینے سے میرا بدن بہت ہی ہلکا پھلکا محسوس ہوتا تھا اور گھوڑے میں بھی بجلی بھر گئی تھی برق رفتاری کے ساتھ ہم اس نور کے راستے کے کنارے پر پہنچ گئے سامنے ایک سفید جگمگاتا ہوا محل تھا جیسے دریا کے نور سے بنا ہے اس محل کی شعاعیں راستے پر دور دور تک پہنچ رہی تھیں۔ ہم محل کے دروازے پر رک گئے۔ ایک خوبصورت نوجوان جو یہاں کا دربان معلوم ہوتا تھا نہایت تعظیم کے ساتھ آگے بڑھ کر اس نے ہمارے قدم لئے اور اندر ہمارے آنے کی اطلاع دی۔ ہم اندر پہنچے تو ایک بہت ہی خوبصورت مسند پر حضرت موسیٰ علیہ السلام بیٹھے تھے۔ ہم نے رکوع کے بل جھک کر انہیں آداب کہا اور آپ کی اجازت سے آپ کے قریب بیٹھ گئے۔ ہمیں دیکھ کر حضرت موسیٰ علیہ السلام بے حد خوش ہوئے آپ کے پاس ہی آپ کا عصائے مبارک رکھا تھا۔ آپ نے وہ ہمیں دکھایا ایسا لگا جیسے تجلّی کی ایک بیم (Beam) ہے میں نے ہاتھ میں لیا تو اس کی روشنیاں میرے ہاتھ کے ذریعے جسم میں سرایت کرتی محسوس ہوئیں۔ میں زیادہ دیر تک اسے پکڑ نہ سکی۔ اب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنا ہاتھ بغل سے نکالا۔ اس قدر حسین اور روشن ہاتھ کبھی کسی شاعر کے تخیل میں بھی نہیں آسکتا۔ بے ساختہ میں نے جھک کر اسے چوم لیا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام بہت خوش ہوئے اور اسی خوشی کے جذبے کے ساتھ میرا ہاتھ پکڑا اور مسند سے اٹھ کر کھڑے ہوئے۔ ہم محل کے اندر گھومنے لگے۔ چند ایک کمرے دکھانے کے بعد آپ نے مجھے ایک کمرہ دکھایا۔ فرمایا۔ تم جب بھی یہاں آنا چاہو اس کمرے میں ٹھہر سکتی ہو۔

اس کے بعد ہم نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے اجازت مانگی اور آپ کی اجازت دعاؤں کے ساتھ وہاں سے رخصت ہوئے۔ دوسرے ہی لمحے میری آنکھ کھلی تو اپنے آپ کو بستر پر پایا۔ طبیعت میں جاگنے کے بعد کی کسلمندی کی بجائے رگ رگ میں نور کی لطافت محسوس ہونے لگی۔ مجھے یقین نہ آیا کہ یہ سب کچھ خواب تھا۔ میں سوچنے لگی اللہ کے امر کی روشنی جب روح کے اندر منتقل ہو جاتی ہے تو روح کی نظر لوح محفوظ کے پردے پر اللہ تعالیٰ کے تفکر کی تصویروں کا مشاہدہ کرتی ہے۔ تفکر کی یہی تصویریں عالم تمثال کے پردے پر اپنا مظاہرہ کرتی ہیں۔ جب شعور عالم رویا میں داخل ہو جاتا ہے تو عالم تمثال میں ہونے والے مظاہرات کو خواب میں دیکھتا ہے اور جب خواب کی دنیا شعور کی سطح پر روشن ہو جاتی ہے تو بندہ اس حقیقت کو پا لیتا ہے کہ ساری کائنات انسان کے اندر ہے باہر کچھ بھی نہیں ہے۔ اسی دن میں بازار سے اس سفید گھوڑے کی تصویر خرید لائی۔ مجھے ایسا لگا کہ یہی میرے خواب کا گھوڑا ہے۔

آدم

کل سارا دن ذہن میں ایک ہی خیال بار بار گردش کرتا رہا۔ رات ہوتے ہوتے یہی خیال دل کی خواہش بن گیا اور دل کی خواہش پر ذہن کی قوت تجسس بن بلائے مہمان کی طرح روح کے درون خانے میں براجمان ہو گئی۔ ایسے میں بھلا نیند کا کیا کام۔ نیند تو اس وقت آتی ہے جب ذہن خواہش وخیال سے خالی ہو اور دس پندرہ منٹ تک بستر پر کروٹیں بدل بدل کر بالآخر میں اٹھ ہی بیٹھی۔ گرم گرم پانی سے وضو کیا۔ وضو سے طبیعت میں تازگی آ گئی۔ پھر مصلے پر بیٹھ گئی۔ درود شریف پڑھتے ہی حضور پاکؐ کی جانب دھیان لگ گیا۔ یوں لگا جیسے میں حضور پاکؐ کے حضور میں ہوں۔ آپؐ کی نظریں مجھ پر ہیں' میں آپ کے سامنے دوزانو بیٹھی ہوں۔ میں نے نہایت ادب کے ساتھ اپنے دونوں ہاتھ جوڑ کر سر کو بارگاہ حضورؐ میں عاجزی کے ساتھ جھکاتے ہوئے عرض کی۔ سرکار میری جان آپ پر قربان' میرے ماں باپ آپ پر قربان' میرے دل میں کائنات کے تکوینی کنٹرولنگ سسٹم کو دیکھنے کی خواہش ہے۔ میں یہ جاننا چاہتی ہوں کہ کائنات کا تکوینی نظام کس طرح کام کرتا ہے؟ میں نے دیکھا۔ یہ سوال کرتے کرتے روح انکسارانہ جذبے کے تحت کچھ اور زیادہ جھک گئی۔ اس کے اوپر رسالت کے رعب کا دباؤ تھا۔ جس نے اسے بارگاہ نبویؐ میں انتہائی ادب واحترام سے جھکا دیا تھا۔ اس نے نہایت ہی عاجزانہ انداز میں ہاتھ جوڑ کر عرض کیا۔ یا رحمت اللعالمینؐ! مجھے آپ کی رحمتوں کا آسرا ہے۔ اس کی نظریں نیچی تھیں۔ وہ تقدس کا نوری مجسمہ دکھائی دی۔ حضور پاکؐ کی نظروں سے نور برسنے لگا۔ اس نور میں رحمت کی تجلیاں تھیں۔ جو روح کے انوار میں جذب ہونے لگیں۔ حضورؐ پاک نے بڑی محبت سے فرمایا۔ اے بنت رسولؐ! تم ہماری آنکھوں کا نور ہو' دل کی ٹھنڈک ہو۔ کیا تم جانتی ہو کہ ہمیں تمہارے سوال سے کتنی خوشی ہے۔ یہ سن کر روح کا چہرہ پھول کی طرح کھل اٹھا۔ اس کے مکھڑے کی چاندنی میں شفق کی لالی گھل گئی۔ اس نے بچوں کی طرح بے ساختہ مسکراتے ہوئے کہا۔ نانا کیا سچ مچ آپؐ مجھ سے بہت خوش ہیں۔ آپؐ میرے سوال پر مجھ سے بالکل ناراض نہیں ہیں۔ یہ کہتے کہتے روح حضورؐ پاک کے کچھ اور قریب آ گئی۔ حضورؐ پاک روح کی اس معصومانہ حرکت پر ہنس پڑے۔ آپ کے دندان مبارک سے سچے موتیوں جیسی روشنی چمکی۔ آپؐ نے نہایت ہی پیار سے روح کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے فرمایا۔ بیٹی اللہ کے نزدیک کائنات کی سب سے قیمتی شے علم ہے۔ اللہ تعالیٰ کے علم کا مظاہرہ کائنات ہے۔ علم سے ہی انسان کے درجات بلند ہوتے ہیں۔ تم کبھی علم کے حصول میں کوتاہی نہ کرنا۔ نہ ہی کبھی اس بات کا خیال بھی دل میں لانا کہ علم کے راستے میں کسی قسم کا سوال کرنے سے اللہ تعالیٰ اور اس کے پیغمبران ناراض ہوں گے۔ بیٹی تم جانتی ہو کہ اللہ تعالیٰ نے دنیا میں آدم کو علوم سکھانے کا پورا پورا بندوبست کیا ہے۔ اس نے اپنے پیغمبر اور آسمانی کتابیں اسی غرض سے نازل کیں تاکہ انسان علوم حاصل کرے۔ اللہ کی خوشی اسی بات میں ہے کہ انسان اس کے علوم سیکھ کر کائنات کے امور میں اس کا معاون ومددگار بن جائے۔ جس کام میں اللہ کی خوشی ورضا شامل ہے اس میں اللہ کی ناراضگی کا کیا سوال۔ اب حضور پاکؐ کے لہجے میں رعب تھا۔

آپ نے تنبیہہ کے طور پر فرمایا۔ نادان لڑکی! علم کے حصول میں آئندہ کسی بھی قسم کے سوال کرنے سے دریغ نہ کرنا۔ حضورؐ پاک کے ناصحانہ حکم پر روح نے ادب سے ہاتھ باندھ کر سر کو جھکا دیا اور فرمانبردارانہ اقرار کرتے ہوئے کہا۔ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مجھے آپ کی نظر کرم کی ضرورت ہے۔ حضور پاکؐ کی نظروں میں اب پھر رعب کی جگہ رحمتوں کی روشنیاں نکلنے لگیں۔ آپ کائنات کا تکوینی سسٹم دیکھنا چاہتی ہو۔ تو لو دیکھو لو۔ روح نے اپنے اوپر ایک دباؤ سا محسوس کیا۔ وہ عشق محمدیؐ کے سرور میں ڈوبتی چلی گئی۔

روح نے دیکھا۔ ایک عجیب عالم ہے' جہاں تیز چاندنی جیسا نور ہر طرف پھیلا ہوا ہے۔ وہ نور کی اس سرزمین پر کھڑی ہے۔ پہلے تو اس نے چاروں طرف گردن گھما گھما کر دیکھا کہ یہ روشنی کہاں سے آ رہی ہے۔ اوپر آسمان پر کوئی چاند نہیں تھا۔ اب اس کی نظر زمین کی جانب گئی۔ ساری زمین چاندنی جیسے نور کی تھی اور اس زمین سے ہی نور نکل کر چاندنی کی طرح ہر طرف پھیل رہا تھا۔ پہلے تو ذہن میں خیال آیا۔ نور تو ایک انتہائی لطیف شے ہے۔ پھر میں اس لطیف زمین پر کس طرح کھڑی ہوں' اس لطیف سطح پر میرے پاؤں کس طرح قائم ہیں۔ اس نے پاؤں زور سے زمین پر مارا۔ تو پاؤں زمین میں دھنسے نہیں بلکہ اس بات کا مشاہدہ ہوا کہ زمین کی سطح پر نور ٹھوس حالت میں موجود ہے اور وہ خود اس سطح سے زیادہ لطیف ہے۔ یہی وجہ ہے کہ زمین کی سطح اس کے جسم کو اپنے اوپر اٹھائے ہوئے ہے۔ اس کے سامنے ایک راستہ تھا بالکل سیدھا۔ جس کے اطراف میں دو رویہ پھولوں سے لدے لمبے لمبے درخت تھے۔ روح اس راستے پر چلنے لگی۔ کچھ دور چلنے پر سامنے ایک گول عمارت آ گئی۔ یہ عمارت بے حد بڑی تھی اور اڑن طشتری کی طرح

زمین پر عجیب انداز میں رکھی تھی۔ ایک نظر دیکھنے سے عمارت کی بجائے اڑن طشتری کا تصور ابھرتا تھا۔ جیسے ہی وہ اس عمارت کے دروازے پر پہنچی دروازہ کھل گیا ساتھ ہی آواز آئی۔ خوش آمدید اے بنت رسولؐ! روح باوقارانہ انداز میں عمارت کے اندر داخل ہو گئی۔ ایک شخص مسکراتے ہوئے سامنے آیا۔ سلام کیا اور روح کی آمد پر حیرت کا اظہار کیا۔ روح کے چہرے سے اجنبیت کا تاثر دور ہوا اور اس کی جگہ مسکراہٹ نے لے لی۔ وہ شخص اسے لے کر ایک راہداری سے ہوتا ہوا ایک بہت ہی عظیم الشان گول کمرے میں لے آیا۔ جیسے ہی وہ کمرے میں داخل ہوئی۔ کورس کی صورت میں بہت سی آوازیں بیک وقت سنائی دیں اور سلام اور خوش آمدید کی صداؤں سے کمرہ گونج اٹھا۔ یہ ایک آفس تھا۔ یہاں بے شمار لوگ تھے جو کرسیوں پر بیٹھے تھے۔ ان کے آگے ایک مشین سی تھی۔ مگر یہ مشین بہت ہی جدید اور اعلیٰ قسم کی تھی اور دیوار کی طرح بہت بڑی سی تھی۔ اب وہ شخص جو دروازے سے روح کے ساتھ تھا۔ وہ رخصت لے کر واپس ہوا اور کمرے سے ایک شخص روح کے قریب آئے اور مسکراتے ہوئے فرمایا۔ میرا نام لال شہباز قلندرؒ ہے۔ یہ اہل تکوین کا دفتر ہے۔ یہاں کائناتی امور کنٹرول کئے جاتے ہیں۔ آیئے ہم آپ کو یہاں کے کنٹرولنگ سسٹم کے متعلق بتائیں۔ اس کے لئے اگر آپ کے ذہن میں کوئی سوال آئے تو پوچھنے سے نہ ہچکچائیں۔ روح نے فوراً کہا کہ حضور اس دفتر کو دیکھ کر میرے ذہن میں سب سے پہلے تو یہ سوال ابھر رہا ہے کہ دنیا میں بھی یہاں کی تمثیلات موجود ہیں۔ یہ کیسے ممکن ہے؟ جبکہ دنیا والوں نے غیب کے ان مقامات کو دیکھا بھی نہیں۔ حضرت لال شہباز قلندرؒ نے فرمایا اے بنت رسولؐ! کائنات کا وجود ایک زبردست نظام پر قائم ہے۔ یہ نظام اسمائے الٰہیہ کی تجلیوں کے نظام ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے

کن کہنے سے اس نظام میں حرکت پیدا ہو گئی۔ اس حرکت نے اللہ تعالیٰ کے ارادے کے ہر نقش کو تخلیقی صورت بخش دی۔ اس تخلیق کو قائم رکھنے کے لئے کائنات کا تکوینی نظام قائم ہوا اور اس نظام کو چلانے کے لئے تمام مخلوق میں سے آدم کو اللہ کے نائب کی حیثیت سے چنا گیا اور اسمائے الٰہیہ کے علوم عطا کئے گئے۔ حضرت شہباز قلندرؒ ایک مشین کے پاس روح کو لے گئے۔ فرمایا اس مشین کی انرجی اسمائے الٰہیہ کی تجلیات ہیں۔ عالم تکوین میں اسمائے الٰہیہ کے دریا موجود ہیں۔ ہر اسم الٰہی کی اپنی ایک مخصوص قوت ہے۔ اس قوت کو جب کسی نظام میں فیڈ کیا جاتا ہے تو نظام اس کی قوت سے مخصوص حرکت کرتا ہے' یہ نور نظام میں خاص پائپ کے ذریعے لایا جاتا ہے۔ پھر آپؒ نے یہ تمام سسٹم دکھایا۔ جیسے ہی ایک نظام میں یا یوں کہہ لیجئے کہ ایک کمپیوٹر میں اسمائے الٰہیہ کا نور داخل ہوا اسکرین پر ایک خاکہ بن گیا۔ فرمایا یہ نقش عالم لاہوت کی تخلیق ہے۔ میں نے کہا یہ تو ہم کمپیوٹر اسکرین پر دیکھ رہے ہیں۔ کہنے لگے۔ یہ کمپیوٹر اللہ تعالیٰ کے ارادے کے خاکے کو تخلیقی صورت میں تبدیل کرتا ہے جو نور اس کمپیوٹر میں ڈالا گیا ہے۔ وہ نور اسم اللہ کی تجلی ہے۔ اس تجلی کے ذریعے عالم لاہوت کے نقوش اسکرین پر دیکھے جاتے ہیں۔ یہ نقوش تجلی میں ہمیشہ سے موجود تھے وہ "لا" کی تجلیاں کہلاتی ہیں جب یہ تجلیاں اس کمپیوٹر میں منتقل ہو جاتی ہیں۔ تو اسکرین پر یہ خاکے اور نقوش ڈھیلے ہو جاتے ہیں۔ بغیر اس اسکرین کے "لا" کی تجلیوں کے یہ نقوش نہیں دیکھے جا سکتے۔ یہ تمام نقوش عالم لاہوت ہے۔ جو ذات کی تجلیوں کا عالم ہے۔ فرمایا اے بنت رسولؐ! انسان جس کو تخیل' تصور اور خیال جانتا ہے وہ سب کا سب عالم غیب کی تخلیق کے مختلف مدارج ہیں۔ جن کا "کن" کے بعد مظاہرا ہوا ہے۔ اسے روح کی آنکھ اور انسان کی قوت القاء مشاہدہ کر سکتی ہے۔

قوت القا ذہن میں وہ قوت ہے جس کے ذریعے مشیت ایزدی کے اسرار و رموز مشاہدہ کئے جا سکتے ہیں۔ قوت القاء تجلی ذات کا شعور ہے۔ "لا" کی تجلیوں میں اللہ تعالیٰ کے اسرار اس کے ذاتی علوم کی حیثیت سے موجود ہیں۔ ذات باری تعالیٰ کے ارادے سے یہ علوم بصورت تجلی اس اسکرین پر نقش اول کی حیثیت سے نازل ہوتے ہیں۔ یہی نقوش تقدیر مبرم کہلاتے ہیں۔ یہ نقوش عالم لاہوت کے نقوش ہیں۔ ان کی حرکات اللہ تعالیٰ کے ارادے سے ہے۔ جب یہ نقوش حرکت میں آ جاتے ہیں تو یہ ہی نقوش ارواح کہلاتی ہیں۔ اہل تکوین اس کمپیوٹر کے ذریعے ان حرکات کو کنٹرول کرتے ہیں اور—— ان کا ریکارڈ قائم کرتے ہیں۔ یہی ریکارڈ انسان (مخلوق) کی زندگیاں کہلاتی ہیں۔ یہ ارواح اللہ تعالیٰ کے حکم و امر پر ایک عالم سے دوسرے عالم میں منتقل ہوتی رہتی ہیں۔ اس کمپیوٹر کے ذریعے ان سے رابطہ رکھا جاتا ہے۔ یعنی کمپیوٹر کے ذریعے روحوں کے حواس کا ریکارڈ و اندراج رکھا جاتا ہے اور انہیں حواس کے درجات کے مطابق انہیں مختلف عالمین میں بھیجا جاتا ہے۔ میں نے پوچھا۔ حواس بنتے کیسے ہیں؟ فرمایا۔ کمپیوٹر کے ذریعے اسمائے الٰہیہ کا نور روحوں میں فیڈ کیا جاتا ہے۔ جس سے روح کے حواس اور احساس کی درجہ بندی ہوتی ہے۔ حواس کا ہر درجہ ایک عالم ہے۔ جیسے عالم ناسوت مادی حواس کا زون ہے۔ جب روح کے حواس اس درجہ میں پہنچتے ہیں تو وہ روح دنیا میں کسی نہ کسی مخلوق کی صورت میں پیدا ہو جاتی ہے۔ روح کائنات کے کسی بھی زون میں پہنچ جائے مگر ہر صورت میں اس کا رابطہ اس کمپیوٹر کے ساتھ قائم رہتا ہے۔ یہ کمپیوٹر روم ہی عالم امر کا اسٹیشن ہے۔ جہاں سے کائنات کی تمام حرکات کو کنٹرول کیا جاتا ہے اور اس کمپیوٹر کو انسان اللہ تعالیٰ کے نائب اور خلیفہ کی حیثیت سے استعمال کرتے ہیں۔ میں نے کہا۔ حضرت یہ تو

بالکل دنیا والی بات ہے کہ وہاں بھی انسان ایجادات کر رہا ہے اور ان یجاوات کو استعمال کر رہا ہے۔ یہ کمپیوٹر انسان کی ایجاد ہے۔ جو عالم امر کا نشریاتی اسٹیشن ہے۔ پھر اصل عالم امر کیا ہے؟ میرے سوال پر حضرت شہباز قلندرؒ نے مجھے گہری نظر سے دیکھا پھر میرا ہاتھ پکڑا۔ سیدھے ہاتھ کی ہتھیلی کو سامنے کیا۔ آپ نے اپنا ہاتھ پورے کا پورا میرے ہاتھ پر پھیلا دیا۔ آپ کے ہاتھ سے کرنٹ نکل کر میرے ہاتھ میں جذب ہو گیا۔ جب آپ نے اپنا ہاتھ ہٹایا تو میری ہتھیلی پر تجلی کے خوشنما نقوش تھے۔ جیسے ہاتھ کی لکیریں ہتھیلی پر ہوتی ہیں۔ پھر سرگوشی نما آواز میں فرمایا۔ اے بنت رسولؐ! اصل عالم امر یہ ہے۔ میں نے ہتھیلی کے ان نقوش میں اپنی نظریں گاڑ دیں۔ نظر کے سامنے سے حجابات اٹھتے گئے اور ازل کی وہ پہلی تجلی ایک فلیش کی طرح سامنے آگئی۔ روح کی زبان سے بیساختہ نکلا۔ بلا شبہ آپ ہی ہمارے رب ہیں اور روح سجدہ شکر میں گر پڑی۔ کچھ دیر بعد اٹھی تو حضرت کا بصد ادب واحترام شکریہ ادا کیا۔ حضرت نے فرمایا۔ اصل عالم امر اللہ تعالیٰ کے حکم کن کی تجلیات ہیں۔ حکم کن کی تجلیات کا ہر یونٹ امر ربی یا روح ہے۔ حکم کن کی تمام تجلیات کا مرکز عالم لاہوت ہے۔ جس کا ایک رخ اللہ تعالیٰ کی تجلیات ہیں۔ دوسرا رخ اللہ تعالیٰ کی تجلیات کی حرکت یعنی اس کا امر ہے۔ امر متشکل ہے مگر تجلیات غیر متشکل ہے۔ غیر متشکل تجلیات اسمائے الٰہیہ ہیں۔ متشکل نقوش ارواح ہیں۔ عالم لاہوت کے نقوش اللہ تعالیٰ کے اسرار و مشیت کا احاطہ کرتے ہیں۔ اہل تکوین مشیت ایزدی کے اسرار کے علوم جان کر اللہ تعالیٰ کے ارادے و رضا کے مطابق کائناتی نظام کو کنٹرول کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو اسمائے الٰہیہ کے علوم عطا فرمائے ہیں۔ یعنی کائنات کے فارمولوں کے علوم۔ عالم لاہوت کا ہر نقش یا روح کائنات کے فارمولے ہیں۔ جو اسمائے

الٰہیہ کی تجلیات کا ؤسیلے ہیں۔ مشیت ایزدی کے رموز سے واقف انسان اللہ کے نائب کی حیثیت سے ان فارمولوں کے ذریعے کائناتی امور پر کام کرتا ہے۔ میں نے کہا کہ پھر اس کا مطلب یہ ہوا کہ یہ کمپیوٹر جو اس روم میں ہیں۔ یہ تمام کمپیوٹر اللہ کے نائب آدم کی ایجاد ہیں۔ پھر آدم کیا ہے؟ فرمایا۔ اس اسکرین پر دیکھئے۔ میں نے اسکرین پر نظریں گاڑ دیں۔ اسکرین بالکل صاف تھی کچھ نہ تھا، مگر یہ اسکرین خود ہی روشن تھی۔ پھر اس اسکرین پر ایک روشن نقطہ ظاہر ہوا اور اس روشن نقطے نے دیکھتے ہی دیکھتے بڑا ہونا شروع کیا اور پھر اس روشنی نے آدم کی تصویر اختیار کر لی۔ حضرت نے پوچھا آدم کیا ہے؟ میں نے کہا کہ آدم روشنی کا نقطہ ہے۔ فرمایا روشنی کیا ہے؟ میں نے کہا۔ روشنی تو پہلے سے موجود تھی۔ یہ اسکرین اسی طرح روشن تھا۔ اس نقطے نے یہ روشنی جذب کر لی اور آدم کی صورت اختیار کر لی۔ فرمایا اب اس اسکرین پر دیکھئے۔ آدم کیا ہے؟ میں نے آدم کے خاکے پر نگاہیں جما دیں۔ اس پورے خاکے کے اندر ساری کائنات دکھائی دی۔ اس کائنات کا قیام اسکرین پر موجود روشنی کے اوپر تھا۔ آدم کا خاکہ ایسا لگا جیسے کسی ملک کی حدود ہوتی ہے۔ مگر یہ خاکہ پوری کائنات کا خاکہ لگا۔ فرمایا۔ اے بنت رسولؐ! اسکرین پر پھیلی روشنی اللہ کی ذات کی تجلی ہے۔ جو ہمیشہ سے اسی طرح تھی اور ہے اور اس تجلی کا ایک علم کائنات ہے جو لامحدودیت کا ایک نقطہ ہے۔ جیسا کہ آپ نے دیکھ لیا۔ لامحدودیت کا یہ نقطہ ہی پوری کائنات ہے۔ اس نقطے کا شعور آدم ہے۔ پس جان لیجئے کہ آدم کے شعور کو لامحدودیت سے فیڈنگ ہو رہی ہے۔ اسی فیڈنگ کے نتیجے میں آدم کی ذات یعنی کائنات قائم ہے۔ اللہ کی تجلیات پر کائنات کے وجود کا انحصار ہے۔ جیسے بجلی یا الیکٹرسٹی نہ ہو تو الیکٹرک سے چلنے والی ہر شے ساکت وبیکار ہو کر رہ جائے۔ آدم کو اللہ

نے تخلیقی فارمولوں کے علوم عطا کئے ہیں۔ اسمائے الٰہیہ کے نور آدم کی صلاحیت ہے۔ ان صلاحیتوں کے استعمال سے آدم نے ایسی مشینیں ایجاد کی ہیں۔ جن کے ذریعے سے وہ کائناتی نظام میں اللہ تعالیٰ کے نائب کی حیثیت سے کام کر رہا ہے۔ دنیا کی کوئی شے ایسی نہیں ہے جس کا وجود تجلی کے اس اسکرین پر نہ ہو۔ ایسا ممکن ہی نہیں ہے۔ کیونکہ آدم زاد کے دماغ میں فیڈ کئے جانے والے ایسے فارمولوں کی روشنیاں اسی اسکرین سے یا عالم سے گزر کر فیڈ ہوتی ہیں۔ آپ نے دکھایا کہ اسکرین پر دنیا کا زون آگیا اور اس زون سے ایک آدم کی تصویر کو اسکرین پر انلارج کیا گیا اور پھر اس کے اندر روشنیاں فیڈ کی گئیں۔ میں نے کہا یہ تمام چیزیں اور افعال و حرکات سب ایک ہی جیسی ہیں۔ پھر غلطی کہاں ہوتی ہے؟ فرمایا۔ اصل ذات سے غفلت آدم کو بقا کی بجائے فنا کے راستے پر لے جاتی ہے میں نے دیکھا۔ روح اللہ اکبر کہہ کر سجدے سے گر پڑی۔

امانت

اچھے بھلے بیٹھے ہوئے ذہن میں جانے کہاں سے خیال ابھرا کہ میں حاملہ ہوں۔ اس حماقت آمیز اطلاع پر نظر خود ہی مسکرا دی۔ عقل نے اپنی دانائی کا ثبوت دیا۔ جب روح تخلیقی قوتوں سے لبریز ہو جاتی ہے۔ تو حواس کے دائرے روح کی روشنیوں سے بوجھل ہو جاتے ہیں۔ یعنی بوجھ اٹھانے والی۔ عقل کی فلسفیانہ توجیہ پر لب مسکرا دیئے۔ ذہن عقل کی دلیل پر آگے بڑھنے لگا۔ خیال کی روشنی ذہن سے ٹکرا رہی ہے۔ تب ہی ذہن نے اپنے اسکرین پر ڈیولپ ہونے والی تصویر میں معنی پہنچائے ہیں۔ یوں لگا جیسے خیال کی روشنی ذہن کی اسکرین پر ٹھہر گئی ہے۔ فکر خیال کی گہرائی میں ڈوبنے لگی۔ نظر کے سامنے روح آگئی۔ وہ سفید کپڑوں میں ملبوس قدوسیت کا نمونہ لگ رہی تھی۔ اتنے میں اس کی جانب دو تین آدمی بڑھتے ہوئے دکھائی دیئے۔ انہوں نے روح سے اپنا تعارف کراتے ہوئے کہا۔ تمہارا تعلق شعبہ تکوین سے ہے۔ ہم آپ کو یہ بتانا چاہتے ہیں کہ آپ حاملہ ہیں۔ روح نے تعجب سے اپنے پیٹ پر ہاتھ رکھا۔ میں حاملہ ہوں؟ کون ہے وہ جس نے مجھ پر یہ بوجھ رکھا ان میں سے ایک شخص نے کہا۔ اے روح وہ آپ کا رب ہے۔ ذات کی روشنیوں سے جب روح کے تمام لطائف رنگین ہو جاتے ہیں اور نقطہ ذات تجلی روشنیوں سے لبریز ہو جاتا ہے تو روح اپنے رب کی امانت کے بوجھ سے بوجھل ہو جاتی ہے۔ یہ امانت اسماء الٰہیہ کے علوم ہیں۔ جن کے بوجھ کو زمین و آسمان نے اٹھانے سے اس وجہ سے انکار کر دیا تھا کہ وہ اس بوجھ کو اٹھانے کی طاقت نہیں رکھتے تھے۔ مگر اللہ کی

امانت کو اللہ کے بندے نے قبول کر لیا اور وہ نائب مقرر ہوا۔ پس آدم کی اولاد میں سے جو بندہ اللہ کی امانت کا بوجھ اٹھانے کی سکت رکھتا ہے' اس کی روح اس امانت کی امین بن جاتی ہے۔ یہ امانت آدم کی روح کے ذریعے روح در روح منتقل ہو رہی ہے۔ روح امانت کے بوجھ کو محسوس کرتی ہے اور ذہن اسے حاملہ کے لفظ سے معنی پہناتا ہے۔ یہ باتیں سن کر روح تھوڑی سی گھبرا گئی۔ اب میں کیا کروں؟

ان آدمیوں نے مہربان دوست کی طرح روح کے کندھوں پر ہاتھ رکھے۔ آپ ذرا بھی نہ گھبرائیں بس جو کچھ ہم کہتے ہیں اس پر عمل کریں۔ آپ کو قطعی کوئی تکلیف انشاء اللہ نہیں ہوگی روح کا ذہن بالکل خالی تھا اس نے ان کی جانب دیکھا اور بولی۔ اب مجھے کیا کرنا ہو گا۔

اس میں سے ایک شخص نے کہا۔ کیا آپ اس امانت کو دیکھ سکتی ہیں۔ جو آپ اٹھائے ہوئے ہیں؟ روح نے اپنے اندر نظر کی۔ پانی کی ایک بوند کے اندر رنگوں کے بے شمار دائرے اس کی نظر میں آ گئے۔ وہ شخص بولا آپ کیا دیکھ رہی ہیں؟ روح نے کہا۔ پانی کی بوند کے اندر گیارہ ہزار رنگوں کے دائرے ہیں۔ وہ شخص کہنے لگا۔ آپ اب ہمارے ساتھ چلیں۔ یوں لگا جیسے وہ اشخاص اور روح پانی پر کھڑے ہیں' سب پانی پر چلنے لگے۔ چلتے ہوئے اس شخص نے کہا۔ یہ دریائے وحدانیت ہے۔ اب ہم آپ کو اس دریا کے اس کنارے پر لئے چلتے ہیں' جہاں سے دریا شروع ہو رہا ہے۔ دریائے وحدانیت میں چلتے ہوئے روح وحدت فکر کے پانی میں بھیگ گئی۔ اس پانی سے اس کے اندر پانی کی بوند کے رنگ پھیلنے لگے۔ یوں لگتا تھا کہ رنگوں کے بوجھ سے بوند پھٹ جائے گی۔ اس کے قدم سست ہو گئے۔ وہ آہستہ آہستہ اس بوند کو اپنے اندر سنبھالے ہوئے قدم بڑھانے لگی وہ

شخص روح کی ہمت بڑھانے لگے۔ بس صرف چند ہی قدم ہیں۔ ہم آپ کو ایسی جگہ لے جا رہے ہیں۔ جہاں آپ اس بوجھ کو اتار کر آرام کا سانس لے سکتی ہیں۔ اور وہ اسے بتاتے جاتے تھے۔ آپ کو کیا کیا کرنا ہو گا۔ وہ دریا کا چکر کاٹ کر ایک ایسی جگہ پہنچ گئے۔ جہاں پہاڑ میں ایک غار بنی ہوئی تھی۔ یہ غار اندر سے بالکل اندھیری تھی۔ وہ لوگ اس غار کے پاس جا کر رک گئے۔ پانی پر چلتے ہوئے روح کے ذہن میں یہی خیال رہا۔ جو درحقیقت کلام الٰہی ہے کہ کائنات کی تخلیق سے پہلے عرش پانی پر تھا۔ اس کا ذہن ہر قدم پر یہی الفاظ دہراتا رہا۔ یہاں تک کہ ذہن نے خود اس کی تشریح کر دی۔ عرش مجموعہ ہے کرسی' لوح محفوظ' بیت المعمور اور سدرۃ المنتہیٰ کا۔ پانی سے مراد ارادہ یا تصور ہے۔ پس عرش کا پانی پر ہونے سے مراد کرسی' لوح محفوظ' بیت المعمور اور سدرۃ المنتہیٰ کا تصور یا خاکہ اللہ تعالیٰ کے ارادے میں ہونا مراد ہے۔ یعنی حکم کن سے پہلے عرش کے علوم اللہ تعالیٰ کے ارادے میں موجود تھے۔ اس کی نظر غیر ارادی طور پر اپنے اندر موجود اس امانت کی جانب اٹھ گئی۔ اسے یوں محسوس ہوا۔ جیسے اس امانت میں اللہ تعالیٰ کے تمام اسرار و علوم موجود ہیں اور وہ اور زیادہ احتیاط سے پانی پر چلنے لگی۔ بالآخر وہ اس غار کے پاس جا کر رک گئے۔ اس نے غار کے اندر جھانکا۔ گھپ اندھیرے کے سوا کچھ نہ تھا' مگر تعجب کی بات یہ لگی کہ غار سے نور کا دریا اپنے پورے زور و شور سے نکل رہا تھا۔

ان لوگوں میں سے ایک نے کہا۔ اے روح۔ یہی وہ جگہ ہے جہاں سے واحدانیت کا دریا نکل رہا ہے آپ کو اس کھوہ کے اندر جانا ہو گا۔ یہ ایک سرنگ ہے' آپ اس میں داخل ہو جائیں۔ آپ کی حفاظت کی جا رہی ہے' آپ کو ڈرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ روح کے ذہن میں سوائے فرمانبرداری کے اور کوئی ارادہ نہ تھا۔ اسے کچھ پتہ نہ تھا

کہ سرنگ میں داخل ہونے کے بعد وہ کہاں جائے گی بس اس کے ذہن میں تو صرف اتنی بات تھی کہ اس کا رب اس سے یہی چاہتا ہے۔ اس نے منہ ہی منہ میں اپنے رب کا نام لیا اور اندھیری رات سے بھی زیادہ اندھیری سرنگ میں تنہا داخل ہو گئی۔ یوں لگا جیسے اس سرنگ میں کوئی تیل نما چکنی شے ہے' جس پر وہ پھسلتی جا رہی ہے۔ اس کے ذہن نے بار بار قرآن کی یہ آیت دہرانی شروع کر دی اور کہا ہم نے آپ پر سے وہ بوجھ نہیں اتار دیا جس نے آپ کی کمر توڑ رکھی تھی۔ اس گھپ اندھیرے میں جہاں روح غیر اختیاری طور پر پھسلتی جا رہی تھی۔ کلام الٰہی کے الفاظ نے اسے سہارا دیا۔ اس کا یقین بڑھتا چلا گیا۔ بلاشبہ اللہ میرا دوست ہے' وہ میرا ہمدرد ہے' وہ میری حفاظت کرنے والا ہے۔ چند ہی لمحوں میں سرنگ ختم ہو گئی۔ اس آخری لمحے میں ایک زبردست چکا چوند ہوئی۔ اس چکا چوند نے ایک لمحے میں اس کے تمام حواس سلب کر لئے' اس کا ذہن بھی رک گیا اور جب اسے ہوش آیا تو اس نے محسوس کیا وہ بہت اونچائی سے چھلانگ لگا رہی ہے۔ خوف کے مارے اس کے منہ سے ایک چیخ نکلی۔ اس کے حواس نے محسوس کیا۔ جیسے اس کے اندر کی بوند پھٹ گئی ہے۔ ایک زور دار دھماکہ ہوا' اس بوند کے پھٹنے پر اسے اس کی قوت و طاقت کا اندازہ ہوا۔ اس نے دیکھا۔ اس دھماکہ سے اس کے اندر سے نور کا جیسے آتش فشاں پھٹ نکلا ہو۔ بوند کے سارے رنگ باہر اپنی پوری قوت سے جا پڑے۔ اس نے دیکھا گیارہ ہزار سورج ہیں' یہ تمام سورج ایک گول دائرے میں ہیں' یہ سب سورج اس بوند کے اندر سے نکلنے والے رنگ و نور کے ہیں۔ یہ دیکھ کر اسے سکون ملا۔ اس کے ذہن میں آیا۔ یہی میری کائنات ہے' یہی میرے رب کی امانت ہے۔ جس کے بوجھ نے میری کمر توڑ رکھی تھی۔ اس کائنات کی حفاظت کرنا میرا فرض ہے۔ میں اللہ کی امانت کی

امین ہوں۔ اب روح کی آنکھ نے دیکھا کہ یہ گیارہ ہزار سورج انتہائی لطیف تاروں کے ساتھ اس کی ذات سے وابستہ ہیں۔ اس نے اپنی ذات کی جانب دیکھا اور پھر اس کھوہ کی جانب دیکھا جہاں سے نکل کر وہ اس روشن فضا میں آ گئی تھی۔ اس نے سوچا میں نقطہ وحدانی ہوں۔ کائنات کا نقطہ' دریائے وحدانیت کی ایک بوند' اس بوند کے اندر کائنات کا علم وحدت فکر کی حیثیت سے موجود ہے۔ جب اس بوند کے اندر وحدت و فکر میں ارادے کی حرکت پیدا ہوئی تو فکر کی روشنی نے ارادے یا اللہ تعالیٰ کے شیئون کی حرکت پر اس بوند کے اندر اپنی حرکت مکمل کر لی۔ لامحدودیت کی ہر حرکت دائرے میں ہے۔ بوند کے اندر تفکر کی ہر حرکت ایک ایک رنگ کا دائرہ ہے' ہر دائرہ وحدت فکر کا دائرہ ہے اور ہر دائرے میں کائنات کی ایک ایک نوع کا علم ہے۔ بوند کے اندر وحدت فکر کے یہی علوم اللہ کی امانت ہے' وحدت فکر وحدانیت کا تفکر ہے' جو وحدانیت کا دریا سے بوند کو منتقل ہوتا ہے۔ وحدانیت کا دریا ذات باری تعالیٰ کی تجلی ہے۔ اصل ذات باری تعالیٰ اس دریا سے ماوراء ہے۔ دریائے وحدانیت میں اصل ذات باری تعالیٰ کا تفکر موجود ہے' جو دریائے وحدانیت کو فیڈ کرتا رہتا ہے۔ محدودیت دریائے وحدانیت کی ایک بوند یا تجلی ذات کے عالم کی ایک تجلی ہے۔ جب یہ بوند دریا کے تفکر کو اپنے اندر جذب کر لیتی ہے' تو وحدت فکر کا رنگ اس تجلی یا بوند پر غالب آ جاتا ہے۔ ہر وحدت فکر کائنات کی کسی نہ کسی نوع کا فارمولا ہے۔ تجلی بذات خود ذات باری تعالیٰ کی تجلی ہے۔ تجلی کے رنگ اسمائے الٰہیہ کی صفات یا تجلیاں ہیں اور نوع کا فارمولا اسمائے الٰہیہ کی متعین مقداریں ہیں۔ دریائے وحدانیت یا تجلی ذات کا عالم خلائے نور ہے۔ خلائے نور کو اللہ تعالیٰ کا ارادہ بغیر کسی اسباب و وسائل کے نور میں تبدیل کر دیتا ہے۔ خلائے نور کی نور میں تبدیلی صفت

تدلی کہلاتی ہے۔ نور کے اندر کائنات کی فکر کام کر رہی ہے' یعنی لامحدودیت کا تفکر کائنات کے نقطے میں منتقل ہو جاتا ہے۔ یہ نقطہ نقطۂ وحدانی کہلاتا ہے۔ اس نقطے میں اللہ تعالیٰ کے گیارہ ہزار اسمائے الٰہیہ کی تجلیات موجود ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے حکم کن سے گیارہ ہزار تجلیات حرکت میں آ جاتی ہیں اور ان سے کائنات کے نظام شمسی تخلیق ہو جاتے ہیں۔ اگر ہم گیارہ ہزار اسمائے الٰہیہ کو ایک ایک سورج تسلیم کریں۔ تو گیارہ ہزار سورج کی روشنی ایک مرکز پر جمع ہو جاتی ہے اور ان کی روشنی سے یہ مرکز یا نقطہ روشن ہو جاتا ہے یہی نقطہ کائنات کا نقطہ یا نقطہ وحدانی ہے۔ نقطہ وحدانی کا دماغ اللہ کا ارادہ ہے۔

اس ارادے کی یہ فکر اسمائے الٰہیہ کا شعور یا تفکر ہے اسی تفکر کو وحدت فکر کہتے ہیں اور جب اللہ تعالیٰ کے حکم سے اس تفکر کا اظہار ہوتا ہے تو فکر اپنا اظہار اسم یا لفظ میں کرتی ہے۔ وحدت فکر کا ہر حرف نقطہ وحدانی کے اندر ہونے والی ایک حرکت ہے۔ یہ حرکت اللہ تعالیٰ کے امر کی حرکت ہے۔ جس کا اظہار امر ربی یعنی روح کے ذریعے ہوتا ہے۔ روح نقطہ وحدانی یعنی تجلی ذات کا عکس ہے۔ یہ عکس نقطہ وحدانی کے اندر موجود گیارہ ہزار اسمائے الٰہیہ کے رنگوں سے رنگین ہے۔ روح کی ہر حرکت نقطۂ وحدانی کے ذہن سے ہوتی ہے۔ نقطہ وحدانی کا دماغ اللہ کا ارادہ ہے۔ جس کے لئے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اللہ کا امر یہ ہے کہ جب وہ کسی شے کا ارادہ کرتا ہے۔ تو کہتا ہے ہو جا اور وہ ہو جاتی ہے۔ گویا نقطۂ وحدانی کی ہر حرکت کائنات کی ایک نوع کی تخلیق ہے۔ یہ تخلیق روح یا امر ربی کے ذریعے ہوتی ہے۔ علم کا مظاہرہ تخلیق ہے۔ کائنات کا ہر مظاہرہ اللہ تعالیٰ کے ارادے پر اس کے کن کہنے سے ہو رہا ہے۔ یعنی لامحدودیت میں اللہ تعالیٰ کا ارادہ اسمائے الٰہیہ کی آیتوں کے ذریعے سے نقطۂ وحدانیت میں منتقل ہوتا ہے۔ تو نقطۂ

وحدانی کے اندر ذات باری تعالیٰ کے ارادے کو اسمائے الٰہیہ کی ہستیاں حکم کن میں تبدیل کر دیتی ہیں۔ حکم کن آواز ہے دوسرے لفظوں میں ذات باری تعالیٰ کی آواز کن اسمائے الٰہیہ کے ذریعے نقطۂ وحدانیت سے روح کی اندر منتقل ہو جاتی ہیں۔ روح اللہ کے امر کی روشنی حروف اور آواز کی صورت میں موصول کرتی ہے۔ امر کن کی ہر روشنی اللہ تعالیٰ کے تفکر کا ایک مکمل علم ہے۔ یہ علم روح کے ذریعے کائنات میں ڈھیلے ہوتا ہے۔ اسی ڈھیلے کو تخلیق یا کائنات کہتے ہیں۔ وحدت فکر اپنے اظہار کے لئے مخصوص الفاظ اختیار کرتی ہے۔ یہ الفاظ فکر کی روشنی کا لباس ہیں۔ اس لباس میں فکر کی روشنی حرکت کرتی ہے۔ نقطۂ وحدانی کے ذریعے روحوں کو کائنات کا تفکر تقسیم ہوتا ہے۔ آدم کی روح کو کائناتی تخلیق کے فارمولوں کے علوم حاصل ہیں۔ یہی وہ امانت ہے جس کے پہاڑ' آسمان اور زمین متحمل نہ ہو سکے۔ نقطۂ وحدانی کے یہ علوم جب آدم کی روح میں منتقل ہوئے تو اس کی ذمہ داریوں کے بوجھ کی فکر کو روح نے لفظ حاملہ کے ذریعے اظہار کیا۔ ان علوم کی منتقلی ذات باری تعالیٰ سے براہ راست اسمائے الٰہیہ سے' نقطۂ وحدانی سے روح کو منتقل ہو رہی ہے۔ نقطۂ وحدانی کی حقیقت روح اعظم یا روح محمد الرسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں۔ روحانی علوم کی منتقلی دراصل رسول پاکؐ کے انوار کی منتقلی ہے۔ جو اللہ کے قانون کے مطابق سینہ در سینہ چلا آ رہا ہے۔ حضور پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اندر یہ علوم براہ راست اسمائے الٰہیہ کے ذریعے منتقل ہوئے عالم ناسوت میں حضور پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے شعور میں اسمائے الٰہیہ کا تفکر یعنی فرشتے کے ذریعے علم منتقل ہوا۔ حضور پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مرشد اسمائے الٰہیہ ہیں۔ مراد اور مرید کا یہی قانون روحانیت کے علوم کی منتقلی میں کام کر رہا ہے۔ روح نے نیچے

دیکھا گیارہ ہزار سورج دائرے کی صورت میں اس کے سامنے آ گئے۔ ہر سورج کے ساتھ روح ایک باریک تار کے ساتھ بندھی ہوئی تھی' ہر سورج میں اسمائے الٰہیہ کا عکس تھا۔ اس کے اندر اپنے رب کے لئے محبت اور تشکر اور روشنی پیدا ہوئی اور یہ روشنی ان تاروں سے ہر سورج میں منتقل ہونے لگی۔ روح کا ذہن حقیقت محمدی صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم میں جذب ہو گیا۔

وراثت

تنہائی میں بیٹھی اللہ تعالیٰ کے پیارے رسول حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مبارک کے متعلق سوچنے لگی کہ اللہ میاں نے اپنے محبوبؐ کے اندر کیسی کیسی روشنیاں بھر دیں ہیں۔ نہ اس کی ابتداء ہے نہ اس کی انتہا ہے۔ جب ابتداء کا تصور کریں تو ذہن ایک نامعلوم سفر پر چلنا شروع کر دیتا ہے۔ جس کا تصور ازل کی حیثیت سے ذہن میں آتا تو ہے' مگر اس کی حقیقت کا صحیح اندازہ نہیں کیا جا سکتا۔ اسی طرح ابد کا خیال بھی صرف تصور ہی کی حد تک محدود رہتا ہے۔ دل میں شدت سے یہ خواہش ابھرنے لگی۔ کاش میں ان ساری روشنیوں کو دیکھ سکوں جن کے علوم علم الاسماء کی شکل میں آدم کو ودیعت کئے گئے ہیں۔ اس خیال کے آتے ہی میری روح بالکل میرے سامنے کھڑی دکھائی دی۔ وہ گہرے گلابی لباس میں ملبوس تھی۔ کپڑوں کا عکس چہرے پر پڑنے سے اس کا چہرہ زندگی کی تازگی سے بھرپور دکھائی دیا۔ مجھے دیکھتے ہی بولی۔ تمہیں اسمائے الٰہیہ کے علوم سیکھنے کا بہت شوق ہے' میں نے ذرا افسردگی سے کہا۔ ہاں شوق تو بے حد ہے' مگر کوئی شخص سارے علوم کیسے سیکھ سکتا ہے۔ میرے خیال میں تو تمام اسمائے الٰہیہ کے علوم جاننے کا خیال بھی دل میں نہ لانا چاہئے۔ پتہ نہیں میرے ذہن میں ایسی بات کیسے آ گئی۔ یہ سن کر روح کا گلابی چہرہ کچھ اور گلابی ہو گیا۔ وہ تڑخ کر بولی۔ کیوں یہ بات ناممکن کیسے ہے۔ کیا تم نے اللہ تعالیٰ کا کلام نہیں پڑھا؟ ترجمہ:- اور ہم نے آدمؑ کو اسماء الٰہیہ کے کل علوم سکھا دیئے۔ حضرت آدم علیہ السلام تمام بنی نوع انسانی کے نمائندے ہیں اور تمام بنی

آدم کے باپ ہیں۔ کیا باپ کا ورثہ اس کی اولاد میں تقسیم نہیں ہوتا۔ آدمؑ کا ورثہ اسمائے الٰہیہ کے علوم ہیں اور اللہ تعالیٰ کے قانون وراثت کی رو سے آدمؑ کی تمام اولاد اس ورثے کی حقدار ہے اور تم دیکھ رہی ہو کہ جس کا جتنا مقدر ہے وہ اس ورثے سے اپنا حصہ حاصل کر رہا ہے۔ میں نے کہا۔ تم ٹھیک کہتی ہو' مگر جب بہت سی اولادیں ہوں تو ورثہ حصوں میں تقسیم ہو جاتا ہے۔ پھر یہ تقسیم شدہ حصہ کل کیسے ہو سکتا ہے۔ میری روہانسی صورت دیکھ کر وہ ہنس پڑی۔ بولی تم تو بالکل باؤلی ہو۔ اتنی سی بات نہیں سمجھتیں۔ وراثت کا قانون اللہ کا بنایا ہوا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے وارثوں کے لئے مخصوص حصے مقرر فرمائے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ہر قانون اپنی جگہ مکمل ہے۔ اس کا مقرر کردہ وہ حصہ جو اس نے وارث کے لئے وراثت کی تقسیم میں رکھا ہے۔ یہ حصہ وارث کے لئے وراثت کا مکمل حصہ ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کے قانون کا ہر شعبہ ایک مکمل حیثیت رکھتا ہے' اس شعبے سے باہر اس قانون کی حد نہیں ہے۔ جیسے وارث کے لئے مقرر کردہ حصے سے زیادہ لینا جائز نہیں ہے۔ یہ مقرر کردہ حصہ ہی اس کی مکمل حدود وراثت ہے' اس حد سے باہر اللہ تعالیٰ کی منع کردہ حدود ہیں۔ لہٰذا وارث کے لئے اس کا جائز حق ہی کل جائیداد ہے۔ وارث کے لئے یہ بات درست نہیں ہے کہ وہ اپنے باپ کے کل کو اپنا کل سمجھ لے جیسے اللہ تعالیٰ نے آدمؑ کو اسمائے الٰہیہ کے کل علوم سکھا دیئے۔ کل سے مراد آدم کا کل ہے۔ اللہ کا کل نہیں ہے۔ آدمؑ کے اندر اسمائے الٰہیہ کے علوم سیکھنے کی جس قدر صلاحیت تھی۔ اس قدر علوم اللہ نے انہیں سکھا دیئے اور آدم کے ذہن میں علم الٰہی کی روشنیوں کو جذب کرنے کی جس قدر استعداد تھی' اتنی روشنیاں ان کے اندر بھر دیں۔ اس سے زیادہ روشنیاں ان کے مقدور سے زیادہ تھیں۔ جیسے گلاس میں پانی بھرنے کے بعد اگر مزید ڈالا جائے تو وہ ضائع ہو جاتا ہے جب گلاس پورا بھرا ہوا ہو تو تم کیا کہو گی کہ مکمل بھرا ہوا ہے۔ اس کے اندر اور گنجائش نہیں ہے۔ اسی طرح کلھا سے مراد ہرگز یہ نہیں ہے کہ اس کے علاوہ اللہ تعالیٰ کے اندر اور کوئی صفت نہیں ہے۔ سمندر سے جب بالٹی بھری جاتی ہے تو سمندر اسی طرح بھرا کا بھرا رہتا ہے۔ ہر انسان اپنی ذات میں ایک مکمل کائنات ہے۔ ہر انسان کی ذات کا نقطہ اللہ تعالیٰ کی تجلی ذات کا نقطہ ہے۔ اس نقطہ کے اندر اللہ تعالیٰ کی جتنی بھی روشنیاں کام کر رہی ہیں۔ ان کے علوم اسمائے الٰہیہ کی شکل میں انسان کو دیئے گئے ہیں' اگر کوئی فرد اپنے نقطہ ذات کے اندر کام کرنے والی کل روشنیوں کے علوم حاصل کرے تو اسے کل اسمائے الٰہیہ کے علوم حاصل ہو جاتے ہیں۔ مگر یاد رکھ کہ تمہاری ذات کا یہ نقطہ اللہ تعالیٰ کی تجلی ذات کا نقطہ ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنی وسعتوں میں لامحدود ہے۔ لامحدودیت کا ہر ذرہ اپنی وسعتوں میں لامحدود ہے۔ لامحدودیت کا ہر ذرہ اپنی حدود میں لامحدود ہی کہلائے گا۔ جیسے سمندر کے پانی کا ہر قطرہ پانی ہی کہلاتا ہے۔ سمندر سے ہر قطرہ کو ذات کا تصور پانی کی شکل میں ملا ہے۔ اسی طرح وحدانیت کا تصور کائنات کے ذرہ ذرہ میں کام کر رہا ہے۔ وحدانیت لامحدودیت ہے۔ لامحدودیت کسی شکل وصورت اور قانون میں نہیں آسکتی۔ جب روح کے اندر لامحدودیت سے روشنیاں آتی ہیں' روح کی نظر ان روشنیوں کو اپنے تفکر کے سانچے (Dye) میں ڈھال کر دیکھتی ہے۔ روح کے اندر اللہ کا تفکر کام کر رہا ہے۔ اللہ کا تفکر لامحدود اور لامتناہی ہے چنانچہ روح کا تفکر بھی لامحدود ہے اور لامحدودیت کے علوم بھی لامحدود ہیں۔ ہر شے کے نقطہ ذات کے اندر اللہ کا تفکر کام کر رہا ہے۔ اللہ اپنی ہر صفت میں یکتا اور واحد ہے۔ ہر فرد کے اندر اللہ کا تفکر بھی وحدانیت کی اسی صفت سے آراستہ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہر فرد کا

ایک اپنا ہی ذہن ہے۔ کسی کا ذہن مکمل طور پر کسی دوسرے سے نہیں ملتا اور آپس میں نظریات کے اختلاف اور مختلف الذہنی کی بنیادی وجہ یہی ہے۔ مجھے ایسا لگا جیسے میرا ذہن آہستہ آہستہ کھلتا چلا جا رہا ہے۔ میں نے روح سے پوچھا۔ تم ہر سوال کا جواب کس طرح دیتی ہو اور پھر تعجب اس بات کا ہے کہ تم جواب بھی بالکل صحیح دیتی ہو۔ کیا تمہارا طریقہ تعلیم بھی دنیا کی طرح ہے؟ اس نے گہری نظر سے میری طرف دیکھا اور کہنے لگی۔ اللہ تعالیٰ اپنے کلام میں فرماتے ہیں کہ "اللہ کی سنت میں ابد تک کوئی تبدیلی نہیں ہے۔" اس کا مطلب یہ ہے کہ جو قانون فطرت مادی دنیا میں رائج ہیں وہی قانون فطرت روشنی اور نور کے عالمین میں بھی جاری و ساری ہیں۔ جسے اللہ تعالیٰ نے غیب کی دنیا کہا ہے۔ مادی دنیا کی ہر شے مادی خدوخال اور ظاہری شکل و صورت میں ہے اور روشنی یا نور کی ہر شکل و صورت میں موجود ہے کیونکہ مادی جسم کی نظر مادے ہی میں دیکھ سکتی ہے اور روشنی یا نور کے جسم کی نظر روشنی اور نور میں ہی کام کرتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کے اسماء الٰہیہ کے کل علوم اور قانون فطرت کے کل نکات قرآن مجید کے اندر محفوظ ہیں۔ یہ ام الکتاب ہے۔ جس کے اندر کائنات کے مکمل علوم ہیں۔ مادی دنیا میں انہی کے علوم تمہاری نظر کے سامنے کتاب کی صورت میں تحریر کی شکل میں موجود ہیں۔ تم اسے پڑھ کر اپنے شعور اور مادی دنیا میں کام کرنے والے قانون کے مطابق معنی اخذ کرتے ہو' اس کے رموز اور اللہ تعالیٰ کی حکمتیں سمجھنے کے لئے تمہیں کسی استاد کا سہارا بھی لینا پڑتا ہے تاکہ وہ تمہارے ذہن کے مطابق تمہیں معرفت الٰہی کی باریکیاں سکھا سکے۔ روشنی یا غیب کی دنیا میں ہر شے روشنی کے خدوخال اور صورت میں موجود ہے۔ کلام الٰہی کی تحریر بھی نور اور تجلیوں کی صورت میں موجود ہے جو لوح محفوظ کہلاتی ہے۔ لوح محفوظ کے تیس شعبے ہیں۔ ہر شعبہ اللہ تعالیٰ کے علم و قوانین کا ایک شعبہ ہے جس کے اندر اللہ تعالیٰ کے مقرب بندے کام کرتے ہیں۔ جب روح کی نظر اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی توفیق اور اس کے فضل کے ساتھ لوح محفوظ کے اندر کام کرتی ہے تو روح کی آنکھ نور اور تجلیوں کے اندر اللہ تعالیٰ کے کلام کی تحریر کو دیکھتی ہے اور روح کا شعور اس کے اندر کام کرتا ہے۔ جیسے تمہارا ذہن کلام پاک کی عبارت پڑھ کر اس کے معنی اخذ کرتا ہے۔ جب روح کا شعور کسی نکتے کو سمجھ نہ سکے تو اللہ تعالیٰ کے مقرب بندے جن کو کتاب کا علم دیا گیا ہے اور جو غیب کی دنیا میں اللہ تعالیٰ کے اذن پر خدمت خلق میں مصروف ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے حکم پر اپنا فرض سمجھتے ہوئے روح کے ذہن پر اپنا تصرف کرتے ہیں۔ جس سے روح کے شعور کو جلا ملتی ہے اور وہ کلام الٰہی کی حقیقتوں سے واقف ہو جاتی ہے۔ یہ کہہ کر روح نے میری آنکھوں میں بہت گھور کر دیکھا۔ اسی وقت اس کی غزالی آنکھوں سے روشنی کی دو لکیریں نکل کر میری آنکھوں کے اندر داخل ہو گئیں جس کے ادراک سے میری پلک جھپک گئی۔ دوسرے لمحے آنکھ کھولی تو نظر دور نورانی فضا میں جا پہنچی۔ میری روح وہاں کھڑی نظر آئی۔ سبز رنگ کے سرسراتے ہوئے ریشم کے لباس میں وہ جنت کی حور دکھائی دیتی تھی۔ ایک لمحے کو میری نظر اس کے جمال سے مبہوت ہو کر رہ گئی۔ دوسرے ہی لمحہ ذہن میں خالق کونین اللہ رب ذوالجلال والاکرام کا خیال آیا۔ فکر وجدوانی عرش کے حجابات طے کرتی ہوئی الوہیت کی فضاؤں میں جا پہنچی۔ مجھے ایسا لگا جیسے میرے محبوب میرے رب کے ضیائے حسن کی ایک ایک کرن نے رنگین لبادہ اوڑھ لیا ہے اور نظر ان رنگین لبادوں کو اس کا جمال سمجھ کر اس کے رعب حسن سے مرعوب ہو جاتی ہے۔ میرے محبوب' میرے رب' میرے آقا کے حقیقی حسن و جمال تک تو تصور کی بھی رسائی نہیں ہو

سکتی۔ نظر سے دیکھنا تو بڑی بات ہے۔ مجھے ایسا لگا جیسے تمام کائنات کے اندر پھیلی ہوئی تجلیات ربانی الوہیت کی فضاؤں کی گہرائی میں سمٹتی جا رہی ہے۔ اب نظر کے سامنے اندھیرے کے سوا کچھ باقی نہ رہا۔ اس اندھیرے نے کائنات کے وجود کو اپنی تاریکیوں میں گم کر دیا۔ میرے دل سے ایک گہری آہ نکلی۔ سب کچھ میرا ربّ ہی ہے، میرے رب کے سوا اور کچھ بھی نہیں ہے، کسی شے کا وجود نہیں ہے، اسی لمحے نظر کے سامنے پہلے سے بھی زیادہ روشنی ہو گئی۔ روح کے چاروں طرف روشنیوں کا ہجوم تھا۔ انہیں روشنیوں میں حضور قلندر بابا اولیاءؒ چلتے ہوئے دکھائی دیئے۔ قلندر باباؒ روح کے قریب آئے۔ روح نے نہایت ہی ادب کے ساتھ انہیں سلام کیا۔ حضور قلندر باباؒ بہت خوش ہوئے گلے سے لگا کر بولے۔ آپ تو ہماری بہت پیاری بیٹی ہیں پھر روح کے سر پر بڑی محبت وشفقت کے ساتھ اپنا ہاتھ رکھا اور کچھ پڑھ کر سر پر پھونک ماری اور مسکرا کر بولے۔ اب آپ کی سمجھ میں اچھی طرح آ جائے گا۔ روح نے خوشی اور عقیدت کے مارے ان کے ہاتھ چوم لئے اور محبت سے مسرور ہو کر بولی۔ قلندر باباؒ آپ مجھے بہت ہی اچھے لگتے ہیں۔ قلندر باباؒ نے خوش ہو کر پیشانی چوم لی اور رخصت ہو گئے۔ مجھے روح کی تقدیر پر رشک آنے لگا۔ میں نے کہا اچھی روح تم کس قدر خوش نصیب ہو کہ تمہیں اللہ تعالیٰ کے برگزیدہ بندوں کی محبت حاصل ہے۔ وہ خوشی سے چہکتی ہوئی بولی۔ سچ مچ میں بہت خوش نصیب ہوں اور اس کے لئے ہر لمحہ اپنے پیارے رب اور اپنے پیارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا شکر ادا کرتی ہوں اور پیارے رسولؐ پاک کے پیاروں کا شکر ادا کرتی ہوں۔ پھر وہ دور خلاؤں میں دیکھتے ہوئے بولی۔ سچ پوچھو تو یہ سب کچھ میرے اللہ کا فضل ہے۔ اسی کا فضل کبھی قلندر باباؒ کی شکل میں میرے سامنے آ جاتا ہے اور کبھی میرے پیارے باباجی کا روپ دھار کر میرے وجود پر چھا جاتا ہے۔ یہ سب میرے رب ہی کے جلوے ہیں۔ جو کبھی کسی رنگ میں اور کبھی کسی رنگ میں نظر کے سامنے آ جاتے ہیں۔ اس کے بدن سے نور کی شعاعیں پھوٹنے لگیں اور وہ آن کی آن میں میری نگاہ سے اوجھل ہو گئی۔

معلمِ جنّات

بوقت نماز جمعہ روح کی اس آواز پر میں چونک پڑی۔ وہ تحکمانہ لہجے میں پکار رہی تھی۔ اے فرشتوں' اے جنات! آؤ اور صف میں کھڑے ہو جاؤ۔ جمعے کی نماز کا وقت ہو گیا ہے۔ میں جلدی سے اٹھی اور دوپٹہ لپیٹ کر جاء نماز پر کھڑی ہو گئی۔ کیا دیکھتی ہوں کہ روح سفید ریشمی لباس میں تقدس کا مجسمہ بنی بڑے ادب سے سر پر دوپٹہ اوڑھے امام کی جگہ کھڑی ہے۔ اس کے پیچھے ملائکہ کی صفیں ہیں۔ ملائکہ کے پیچھے جنات کی صفیں ہیں۔ میں بھی جلدی سے سب سے آخیر میں جا کر کھڑی ہو گئی۔ روح نے ایک نظر صفوں پر ڈالتے ہوئے کہا۔ اے فرشتوں اور جنات! اپنی اپنی صفیں درست کر لو' دیکھو درمیان میں جگہ باقی نہ رہے۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ کوئی آواہ بادل تمہارے درمیان راہ پا کر داخل ہو جائے' اور تمہارے ربط میں خلل آ جائے۔ تمام فرشتے اور جنات روح کی یہ بات سن کر صفوں میں ایک دوسرے سے قریب قریب ہو گئے۔ اس لمحے مجھے یوں لگا جیسے روح ایک استاد ہے' جو ننھے منے معصوم بچوں کو تعلیم دے رہی ہے اور اسی وقت روح نے نماز جمعہ کی نیت باندھی اور سب نے اس کے پیچھے باجماعت نماز ادا کی۔ نماز کے بعد روح نے تمام فرشتوں اور جنات کے ہاتھوں میں نہایت شفقت کے ساتھ مختلف رنگوں کے ہیرے جواہرات دیئے اور کہا جاؤ اور انہیں بوقت ضرورت خرچ کرو۔ میں پھر تم لوگوں کے لئے اللہ تعالیٰ کے علم کے خزانے لے کر آتی ہوں۔ چند جنات کے بچوں نے کہا کہ اے پیاری روح کیا ہم تمہارے ساتھ ان خزانوں کو حاصل کرنے نہیں جا سکتے۔ روح نے کہا کہ نہیں تم ابھی بہت چھوٹے ہو تمہیں اتنی سمجھ نہیں ہے اور پھر جہاں سے میں خزانے لاتی ہوں۔ یہ راستہ تو خفی کا راستہ ہے۔ جو تمہاری نظر سے اخفیٰ ہے۔ سوائے میرے اور کوئی اس راستے پر قدم نہیں رکھ سکتا۔ تم سب جاؤ اور اپنے اپنے کاموں میں اسی طرح لگ جاؤ جس طرح تمہیں میں نے سکھایا ہے۔ یہ کہہ کر وہ جانے کے لئے داہنی جانب ایک پتلی سی صاف شفاف سڑک پر مڑی۔ میں نے سوچا۔ قبل اس کے کہ وہ میری نظر سے اوجھل ہو جائے۔ جلدی سے اسے پکڑ لوں اور میں نہایت تیزی سے اس کی جانب لپکی۔ میری آہٹ سن کر وہ جاتے جاتے ٹھٹک گئی۔ اچھا تو یہ تم ہو کیا کہنا چاہتی ہو۔ میں نے خوشامدانہ انداز سے معذرت پیش کی کہ تمہارے کاموں میں داخل اندازی کر رہی ہوں۔ مگر کئی چیزیں ایسی ہیں۔ جو تمہارے سوا اور مجھے کوئی نہیں سمجھا سکتا۔ پیاری روح پہلے مجھے میرے تمام سوالوں کا جواب دے دو۔ پھر چلی جانا۔ اس نے مجھے غور سے دیکھا۔ پھر میرا ہاتھ دبا کر مسکرائی اور بڑے پیار سے کہا۔ آؤ یہاں بیٹھ جاتے ہیں۔ جو کچھ پوچھنا ہے۔ پوچھ لو۔ ہم دونوں زمین پر بچھے ہوئے قالین پر بیٹھ گئے۔ میں نے ذرا پریشان ہو کر کہا۔ پیاری روح ابھی ابھی تم نے جمعہ کی نماز میں امانت کے فرائض انجام دیئے ہیں۔ تمہارے پیچھے فرشتوں اور جنات' مردوں اور عورتوں نے نماز پڑھی ہے۔ سب سے پہلی بات تو یہ ہے کہ تم عورت ہو کر کس طرح مردوں میں امامت کر سکتی ہو اور حیرانی اس بات کی ہے۔ کہ تمہاری امامت کو فرشتوں اور جنات نے کس طرح قبول کر لیا۔ میرا پریشان چہرہ دیکھ کر وہ مسکرائی اور میری آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کہنے لگی۔ نادان لڑکی! تم سے کس نے کہا کہ روح عورت ہے روح اللہ تعالیٰ کا امر ہے۔ جب اللہ تعالیٰ کا امر کائنات کے نظام میں کوئی کام کرنا چاہتا ہے۔ تو امر کی تجلی روح کی شکل اختیار کر کے اللہ

تعالیٰ کے احکامات کے مطابق کام کرتی ہے۔ روح ایک مکمل فارمولا ہے۔ فارمولا علم شئے ہے اور روح اس فارمولے کی شکل یعنی شئے کی اصل ہے۔ روح کے اندر دونوں رخ موجود ہیں۔ ایک ظاہر کا رخ جو خود روشنی ہے۔ دوسرا باطن جو روشنی کا علم ہے۔ تخلیقی فارمولا ظاہر اور باطن دونوں رخ سے مل کر مکمل ہوتا ہے۔ انہیں دونوں رخوں کو مرد اور عورت کہا گیا ہے۔ اصل میں روح کے اندر علم الاسماء کے دیکھنے کے لئے دو شعور کام کرتے ہیں۔ ایک شعور کے ذریعے روح اللہ تعالیٰ کی ذات کی معرفت کے علوم حاصل کرتی ہے۔ دوسرے شعور کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی صفات کی معرفت کے علوم حاصل کرتی ہے۔ مرد اس شعور کا نام ہے۔ جس شعور سے معرفت ذات حاصل ہوتی ہے اور عورت اس شعور کا نام ہے جس سے صفات کے علوم حاصل ہوتے ہیں۔ دنیا عالم مثال ہے۔ دنیا میں اسمائے الٰہیہ کے تمام فارمولے اپنی تخلیقی صورت میں موجود ہیں۔ تاکہ انسان شعوری طور پر ان کے علوم حاصل کرے۔ دنیا میں ہر شئے علم الٰہی کی ظاہری صورت ہے۔ ہر شئے کے باطن میں شئے کا علم ہے۔ جب کوئی بندہ اپنے ارادے سے اللہ تعالیٰ کے علوم سیکھتا ہے۔ تو اس کی روح کو علم کی معرفت حاصل ہو جاتی ہے۔ اگر روح کو معرفت ذات حاصل ہو جائے۔ تو اس کا شمار مردوں میں ہوتا ہے اور اس پر وہ تمام قوانین عائد ہوتے ہیں۔ جو مردوں کے لئے ہیں۔ ان قوانین کے علوم کی تجلیوں کو کلام پاک میں کٓھٰیٰعٓصٓ کے الفاظ میں بیان کیا گیا ہے۔ جب کوئی روح ان حروف نورانی کی تجلیوں کو دیکھ لیتی ہے اور ان کے علوم جان لیتی ہے۔ تو اسے ذات کی معرفت حاصل ہو جاتی ہے اور اس کا وہ شعور غالب آ جاتا ہے جسے دنیا میں مردانہ شعور کہا گیا ہے۔ روح کا وہ شعور جس سے صفات کی معرفت کے علوم حاصل ہوتے ہیں۔ کلام پاک میں اس کے لئے حرف نورانی الٓرٰ کی تجلّیاں ہیں۔ جب یہ دونوں شعور قانون فطرت کے مطابق کسی روح کے اندر نشوونما پا جاتے ہیں تو وہ روح آدم کے فارمولا کی شکل بن جاتی ہے اور ایسی روح اپنے دونوں شعور کو اپنے ارادے کے ساتھ استعمال کرتی ہے۔ مگر روح کی شکل نہیں بدلتی۔ البتہ صفات بدل جاتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے علم الاسماء کی روشنیاں روح کے اندر روح کی صفات کے طور پر کام کرتی ہیں اور روح اپنے ارادے سے ان روشنیوں کو استعمال کرتی ہے۔ روح کی نظریں مسلسل میری آنکھوں پر تھی۔ میں اس کی نظروں سے مسحور ہو کر دم بخود بیٹھی تھی۔ اس کا ہر لفظ میرے دل کی گہرائیوں میں اترتا محسوس ہوتا تھا۔ روح نے اپنی سرگیں پلکیں جھپکائی اور اس لمحے میں اس بے خودی کے عالم سے باہر آگئی۔ میرے ذہن میں پھر ایک حرکت ہوئی اور میں نے تجسّس میں روح کے پہلو میں تقریباً گھستے ہوئے کہا۔ پیاری روح مجھے بتاؤ۔ کیا فرشتے اور جنات بھی تم سے علم سیکھتے ہیں۔ میں تو سمجھی تھی کہ فرشتے انسان کو علم سکھاتے ہیں۔ وہ ہنسی اور پیار سے مجھے بچوں کی طرح پہلو میں لپٹاتے ہوئے کہا۔ کیا تم نے یہ شعر نہیں سنا۔

فرشتے سے بہتر ہے انسان بننا
مگر اس میں پڑتی ہے محنت زیادہ

میں نے کہا۔ ہاں سنا تو ہے۔ کہنے لگی۔ مادی طرز فکر رکھنے والا انسان فرشتے سے بہتر نہیں ہو سکتا بلکہ فرشتے سے بہتر وہ انسان ہوتا ہے۔ جو انبیاء علیہ السلام کی طرز فکر رکھنے والا ہے اور ان کے لائے ہوئے علوم کو سیکھ کر ان کے بتائے ہوئے راستوں پر چلنے والا ہے۔ آدم کو اللہ تعالیٰ نے اسمائے الٰہیہ کے کل علوم عطا فرمائے ہیں۔ مگر فرشتوں کو

ان کے کام کے اعتبار سے ان کے فرائض کی حدود میں علوم دیئے گئے ہیں۔ جب کوئی بندہ آدم کی خلافت و نیابت کے اختیارات کو سمجھتے ہوئے اسمائے الہیہ کے علوم سیکھ لیتا ہے۔ تو ایسا بندہ اپنے فرشتوں سے افضل ہو جاتا ہے۔ ایسے بندے کے اندر روح کا شعور غالب آ جاتا ہے اور وہ روح کے شعور کے ذریعے فرشتوں پر فضیلت رکھتا ہے میں جلدی سے بولی۔ مگر پیاری روح جنات تو بالکل شیطان ہوتے ہیں۔ ان پر کوئی کیسے قابو پا سکتا ہے اور وہ کیسے مطیع ہو جاتے ہیں۔ روح بولی۔ کیا تم نے نہیں سنا کہ حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جنات قرآن مجید کی تعلیم حاصل کرنے آتے تھے۔ میں نے اثبات میں سر ہلایا۔ روح کہنے لگی۔ خیر اللہ ہے اور شر مخلوق ہے۔ جو کوئی بندہ اپنے نیک اعمال کے ساتھ اللہ کی روشنیاں اپنے اندر جذب کر لیتا ہے تو وہ مجسم نیکی بن جاتا ہے۔ اس کے اندر اسماء الہیہ کی روشنیاں کام کرنے لگتی ہیں۔ جن کی صفات اللہ کی صفات ہے اور اللہ اپنی صفات میں غالب اور قدرت رکھنے والا ہے۔ پس بندے کو بھی اس کی صفت قدرت کی روشنیاں حاصل ہو جاتی ہیں اور بندہ ہر قسم کے شر سے محفوظ ہو جاتا ہے اور اللہ کی دی ہوئی قدرت سے جنات پر بھی غلبہ پا جاتا ہے اور جو جنات اس کے مطیع و فرمانبردار بن جاتے ہیں۔ انہیں ان کے فرائض اور کاموں کے اعتبار سے روح انہیں علم سکھاتی ہے۔
یاد رکھو کہ آدم کی نیابت اور خلافت کے اختیارات آدم کا چھوڑا ہوا ورثہ ہیں۔ جب وراثت کے قانون کے مطابق کوئی بنی آدم اس ورثہ کو سنبھالنے کے قابل ہو جاتا ہے۔ تو وراثت اسے مل جاتی ہے۔ ورثہ کو حاصل کرنے اور اسے قانون الہی کے مطابق استعمال کرنے کے لئے اس کے علوم قوانین کا سیکھنا ضروری ہے' پس جب کوئی بندہ علوم سیکھ لیتا ہے۔ تو اسے آدم کی وراثت خلافت و نیابت کے اختیارات حاصل ہو جاتے ہیں' پھر وہ

اپنے حاصل کردہ ورثہ کو اپنی اولاد میں منتقل کرتا ہے۔ چونکہ یہ روحانی علوم ہیں اور اللہ تعالیٰ کی پھونکی ہوئی روح کے علوم ہیں۔ اس لئے ان کی منتقلی بھی روحانی اولاد کے اندر ہی ہو سکتی ہے۔ میں نے روح کے ریشم جیسے ملائم ہاتھوں پر اپنا ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا۔ اچھی روح' کیا روح کی بھی اولادیں ہوتی ہیں؟ جیسی دنیا میں انسانوں کے اولاد ہوتی ہے؟ وہ مسکرائی اور میری پیشانی پر آتی ہوئی لٹ کو پیار سے پیچھے ہٹاتی ہوئی بولی۔ ہاں کیوں نہیں۔ روح کی بھی اولاد ہوتی ہے۔ اولاد کا اصل مفہوم تخلیق ہے۔ تخلیق ایک مکمل ضابطہ اور قانون ہے۔ جو اللہ تعالیٰ کی صفت رحیم ہے۔ روح کے اندر اللہ تعالیٰ نے اپنی صفت رحیم کی تجلی پھونکی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی ہر تجلی اپنی صفت کے دائرے میں کام کرتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی ہر صفت لامحدود ہے۔ لہٰذا ہر تجلی صفت کی لامحدود دنیا کے اندر قدرت کی حدود میں کام کرتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آدم کو علم الاسماء کے علوم اپنی قدرت کی حد میں عطا فرمائے ہیں۔ قدرت سے مراد اللہ تعالیٰ کی قادریت نہیں ہے۔ کیونکہ اللہ کی تو ہر صفت لامحدود ہے۔ مراد یہ ہے کہ آدم کے اندر علم الاسماء سیکھنے کی جتنی صلاحیتیں تھیں ان کی حدود کے اندر انہیں علوم عطا کئے گئے۔ ان سے زیادہ علوم کی روشنیاں آدم برداشت نہیں کر سکتے تھے' پس یہی حد قدرت کی حد ہے' جس کا نام ازل اور ابد رکھا گیا ہے۔ تخلیقی قانون کے مطابق جس طرح ماں کے رحم سے اولاد جنم لیتی ہے۔ تخلیق کا یہ طریقہ مادیت کی حد میں ہے۔ تخلیق کا وہ طریقہ جس کو روح پھونکنے کا عمل کہتے ہیں۔ یہ عمل روحانی تخلیق ہے۔ یعنی جب کوئی روحانی انسان اپنے اندر سے علم الاسماء کی روشنیاں اپنے شاگرد کے اندر منتقل کرتا ہے۔ تو یہ شاگرد اس کی روحانی اولاد کہلاتا ہے۔ روشنیوں کی منتقلی روح کے شعور کی منتقلی ہے۔ روح کا شعور اللہ تعالیٰ کی پھونکی ہوئی روح ہے۔

اس طرح روحانیت کے علوم کا رابطہ اللہ تعالیٰ سے جا ملتا ہے۔ اسی لئے روحانی ماں باپ کا درجہ صلبی ماں باپ سے بہت زیادہ ہے۔ ساری کائنات میں اللہ تعالیٰ کی پھونکی ہوئی ایک ہی روح کام کر رہی ہے۔ یہ پھونکی ہوئی روح وحدانیت کا شعور ہے۔ جو روح محمد الرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔ باقی کائنات کی تمام روحیں روح محمدی کی تخلیق ہیں۔ حضور پاکؐ کو اللہ تعالیٰ نے اپنا محبوب کہا ہے اور محبوب تو ایک ہی ہوتا ہے کہ عشق کی انتہا محبوبیت ہے وحدانیت کا یہی شعور جب روح محمدیؐ کے اندر سفر کرتا ہے، تو وہ عشق کہ گہرائیوں میں اپنی انتہا تک پہنچ جاتا ہے۔ یہی انتہا تحت الثریٰ ہے۔ جہاں اللہ کی نظر روح محمدیؐ کے اندر ساری کائنات کا مشاہدہ کر لیتی ہے اور جب یہی شعور اپنی انتہائی گہرائیوں سے یعنی تحت الثریٰ سے واپس لوٹتا ہے۔ تو نظر محمدی صلی اللہ علیہ وسلم محبوبیت کی نظر سے اپنے اللہ کی جانب دیکھتی ہے اور عشق اپنی معراج کو پہنچ جاتا ہے۔ منتہائے نظر اپنے محبوب سے مقام محمود پر قابہ قوسین ہو جاتی ہے۔ روح دور خلاؤں میں مسرت بھری نظروں سے دیکھتی ہوئی ایک آہ بھرتے ہوئے بولی۔ نادان لڑکی۔ محبوب تو ایک ہی ہوتا ہے۔ کائنات کی کوئی شئے اللہ تعالیٰ اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو نہیں پا سکتی۔ ہرگز بھی نہیں پا سکتی۔ ہاں البتہ محبوب کے دل میں عشق الٰہی کی شمع جب بھڑکتی ہے۔ تو اس کے شعلے انسان کے خرمن دل پر گرتے ہیں۔ جہاں دل عشق الٰہی کی آگ سے شمع کی مانند سلگنے لگتا ہے اور ان سلگتے ہوئے دلوں کو محبوب کا دل اپنے دل میں رکھ لیتا ہے۔ جہاں دریائے وحدانیت کا نور اپنی موجوں سے ان سلگتے دلوں کی تپش کم کرتا رہتا ہے اور وہ دریائے وحدانیت کی لہروں میں محبوبیت کے ادراک کے ساتھ یہاں سے وہاں تک بہتے رہتے ہیں۔

روح کی سحر انگیز باتیں سن کر مجھے ایسا محسوس ہوا جیسے میرا محبوب سامنے ہے۔ ایک لمحے کو تصور میں سوائے اللہ کے اور کچھ باقی نہ رہا۔ محبوبیت کے اسی جذبے میں میں نے روح کے لب چوم لئے۔ تم سچ مچ بہت پیاری ہو، تم سچ مچ میری روحانی ماں ہو۔ جو مجھے ہر لمحے میرے محبوب میرے اللہ کے قریب لئے جاتی ہو اور آہستہ آہستہ روح مجھ سے دور ہوتی چلی گئی۔

خود آگاہی

اس چمن میں کباب کی بو ہے
دل بلبل جلا دیا کس نے

جانے کیوں طبیعت بڑی اداس تھی۔ کوئی خاص وجہ بھی نہ تھی بس یونہی جی چاہنے لگا۔ سب سے منہ موڑ کر اس یکتا و تنہا کی آغوش رحمت میں جا چھپوں۔ کبھی کبھی دنیا کی محفلوں سے گھبرا کر دل اپنا ابدی ٹھکانہ تلاش کرنے لگتا ہے۔ نظریں بھٹک بھٹک کر اس ایک نظر کو تلاش کرتی ہیں جو رنگوں کے ہجوم میں جانے کہاں کھو گئی ہے۔ ان کھوئے ہوئے حواس میں جب کسی کی آواز کانوں میں پڑتی ہے تو آواز کانوں سے نہیں دل سے ٹکراتی ہے اور بدن اس طرح چونک اٹھتا ہے جیسے سچ مچ محبوب دبے پاؤں آنگن میں اتر آیا ہے۔ پھر بھی دل کیوں اداس ہے۔ آگ کی لہر تن بدن میں دوڑ گئی اور حواس کا پردہ جل اٹھا۔ میں نے دیکھا۔ روح شمع ہاتھ میں اٹھائے کسی کی کھوج میں ہے' راہ اندھیری ہے' وہ اکیلی ہے۔ اس انجانے راستے پر سنبھل سنبھل کر چل رہی ہے۔ ایک ہاتھ سے شمع کی لو کو ہوا کے جھونکے سے بچاتی جاتی ہے۔ روح کی حالت دیکھ کر دل کی اداسی اور گہری ہوگئی۔ یا رحمٰن کہاں چھپا ہے تو۔ دل غم سے پانی پانی ہونے لگا۔ روح اس اندھیرے میں بڑھتے بڑھتے ایک جگہ رک گئی۔ اس نے آہستہ سے چراغ زمین پر رکھا اور زمین پر بیٹھ گئی۔ یہ ساحل سمندر تھا۔ اس اندھیری رات میں تنہا ساحل پر اس کا رکنا دل کو اور بھی غمگین کر گیا۔ اس نے سر کو ایک جھٹکا دیا' سنہری زلفیں ریشمی تاروں کی مانند بکھر گئیں۔ چراغ کی روشنی اس کے حسین چہرے پر پڑنے لگی۔ اس نے چاروں طرف نظریں دوڑائیں حد نگاہ تک اندھیرے کے ساتھ کچھ نہ تھا۔ اب اس نے سمندر کے پانی میں دیکھا۔ چراغ کی روشنی میں چمکتا چہرہ عکس بن کر سطح آب پر ابھر آیا۔ روح نے سوگوار نظروں سے اپنے حسن شباب کو دیکھا۔ اس کی ویران نظریں کہہ رہی تھیں۔ اب میں جوان ہوں' میرا جوبن اپنے شباب پر ہے۔ کیا کسی کی نظر مجھے دیکھنے والی نہیں ہے؟ اس نے آسمان کی طرف منہ اٹھا کر زور سے پکارا۔ اے احسن الخالقین! کیا میں احسن تقویم نہیں ہوں؟ کیا میں تیری بہترین صناعی نہیں ہوں؟ اے بنانے والے! کیا تو نے مجھے سب سے اچھا نہیں خلق کیا ہے؟ پھر مجھے دیکھنے والی نظر کہاں ہے۔ میں اکیلی کیوں ہوں۔ اس نے پھر آسمان پر نظر ڈالی۔ دور چاند نے روح کی آواز سن کر بادل سے اپنا چہرہ باہر نکالا۔ اس کا عکس روح سے ذرا فاصلے پر پانی میں ابھر آیا جیسے سورج کے سامنے چراغ۔ وہ پانی میں چاند کے مدھم عکس سے مخاطب ہوئی۔ اے چاند! مجھے دیکھ کیا میں تجھ سے حسین نہیں ہوں۔ چاند نے ترچھی نظروں سے روح کے عکس کو پانی میں دیکھا اور جمال رعب سے شرما کر اپنا مکھڑا بدلی میں چھپا لیا۔ روح کا دل اور بھی بے چین ہو گیا۔ اس نے آسمان پر چاروں طرف نظریں ڈالیں اور پکار کر کہا اے آسمان! میں روح ہوں۔ میرے خالق نے مجھے بے نقص پیدا کیا ہے۔ ذرا مجھ پر نگاہ ڈال کر دیکھ۔ کیا تجھے کوئی فتور دکھائی دیتا ہے۔ پھر بار بار نگاہ ڈال۔ تیری نگاہ ناکام اور درماندہ ہو کر تیری طرف لوٹ آئے گی۔ روح کی کڑک دار آواز سارے آسمان میں بجلی بن کر پھیل گئی۔ آسمان نے حیران ہو کر آنکھیں کھول دیں۔ سبھی آسمان کے گوشے گوشے سے فلیش ہونے لگی۔ سمندر کے پانی میں آسمان نے روح کے عکس جمیل کو ایک نظر دیکھا اور پھر گھبرا کر آنکھیں بند کر لیں' پھر وہی

گھپ اندھیرا، پھر وہی سکوت تنہائی۔ روح نے پانی میں اپنا عکس دیکھ کر اپنے مرمریں بازو پر ہاتھ پھیرا۔ تقاضائے خود نمائی نے اس کے دل کو تڑپا دیا۔ اس نے دونوں بازو پھیلا دیئے اور گہری آواز میں بول اٹھی۔ اے پہاڑ! سامنے آ کہ تجھے معلوم نہیں میرے رب نے مجھے اپنے ہاتھ سے بنایا ہے' میرا رب سب سے بہتر بنانے والا ہے۔ اے پہاڑ' اے طور! میرے حسن کی ایک کرن تیرے دامن کو جلا کر خاک کر دے گی' ذرا مجھے چھو کر تو دیکھ۔ روح کی گھمبیر آواز پر سمندر کی تہہ سے پہاڑ کی چوٹی ابھری۔ روح کی آواز اور اس کا نور جمال اس پہاڑ سے ٹکرایا اور چشم زدن میں طور پہاڑ جل گیا۔ اس نے جلدی سے سمندر میں ڈبکی لگائی۔ مبادا حسن خالقیت میں فنا نہ ہو جاؤں۔ سمندر کی ساکت لہروں پر آئینے کی طرح روح کا روشن عکس جگمگا رہا تھا۔ اس کے بدن میں لہریں اٹھنے لگیں۔ کیا کوئی میرے جمال سے محظوظ ہونے والا نہیں ہے؟ اس نے لہراتی آواز میں پکارا۔ اے ہوا! قریب آ' تیری لطافت سے کہیں زیادہ میرا بدن لطیف ہے' میں اپنے رب کی تخلیق میں سب سے زیادہ لطیف ہوں۔ کیا تو نہیں جانتی۔ ہوا روح کی بات سن کر آہستہ آہستہ قریب آئی' اسے یقین نہیں آتا تھا کہ کوئی اس سے بھی زیادہ لطیف ہو سکتا ہے۔ اس نے روح کی ریشمی زلفوں کو چھوا اور اس کے گالوں کے قریب آ گئی۔ روح کی گرم سانس ٹھنڈی ہوا سے ٹکرائی تو ہوا پشیمان ہو کر سمندر میں اتر گئی۔ سمندر میں اس کی بے یقینی نے ہر لہر کو سمندر کر دیا اور پانی کی لہریں ساحل سے ٹکرانے لگی۔ روح مسکرا دی۔ اس نے لہروں سے مخاطب ہو کر کہا۔ تم تو اس راز سے واقف ہو۔ سمندر میں میرے عکس سے پہلے اور کسی کا عکس نہ تھا۔ میں ہی تو ہوں جسے میرے رب نے اپنے ہاتھ سے بنایا ہے۔ تمام لہریں روح کی بات سن کر خاموش ہو گئیں اور سمندر پر سکوت طاری ہو گیا۔

روح نے سیاہ اندھیرے میں تاروں کو آواز دی۔ اے ستارو! کیا تم جانتے ہو کہ میری نظر تم سے کہیں زیادہ روشن ہے۔ تم ہزار پردوں میں بھی چھپو گے تب بھی میں تمہیں ڈھونڈ لوں گی۔ میری نظر میرے اللہ کا نور ہے۔ روح کی آواز سن کر تمام ستارے باہر نکل آئے۔ سب کے دل میں اللہ کی جستجو تھی۔ شاید وہ کہیں نظر آ جائے۔ سمندر کے پانی میں ستاروں کے قمقمے روشن ہو گئے۔ ننھے منے جلتے دیئے۔ روح مسرت سے مسکرا اٹھی۔ میرے آنگن میں دیوانی کا سماں ہے۔ مگر اسی لمحے ستاروں کو جھلملاتی آنکھیں روح کی روشنی سے ماند پڑ گئیں۔ سب نے پانی کی آغوش میں منہ چھپا لیا۔ روح فطرت کی اس آنکھ مچولی پر ہنس پڑی۔ اس کے معصوم قہقہے فضا میں گونج اٹھے۔ ہواؤں میں ساز بجنے لگے۔ سمندر کی لہریں جل ترنگ چھیڑنے لگیں' قہقہے کی گونج نے اندھیرے میں زندگی کی لہر دوڑا دی۔ سمندر میں سے ایک ایک کر کے کائنات کی اشیاء ابھرنے لگیں۔ وہ سب روح کی خوشی کو اپنانا چاہتے تھے۔ دیکھتے ہی دیکھتے سمندر سے زمین ابھر آئی۔ اس زمین پر پہاڑ بھی تھے۔ سبزہ اور ہریالی بھی تھی اور پانی کی بہتی ندیاں بھی تھیں۔ ہوا آہستہ آہستہ سبزے کو چھیڑتی اور سبزہ شرم سے لال ہو کر پھول بن جاتا۔ ندی کا پانی روح کے قہقہے کی تال میں اپنے سر ملانے لگا۔ آسمان پر چاند' ستارے روشن ہو گئے۔ روح نے دل کی زمین سے مٹی اٹھائی اور مٹھی میں دبا کر پرندے کی صورت بنا دی۔ اس میں پھونک مار کر فضا میں اڑا دیا۔ پرندے کے ساتھ ساتھ روح کا دل بھی ہواؤں میں اڑنے لگا۔ اس کے لبوں پر نغمے جاری ہو گئے۔ محبت کے نغمے جو اس کے محبوب کے لئے تھے۔ اس کی کائنات میں سب کچھ تھا' مگر جانے کیوں اس کے سر خود اس کی اپنی گہرائی میں اترتے جاتے تھے۔ اس کی نظریں کائنات کی رنگینیوں سے گھبرا گھبرا کر بار بار سطح آب پر آ کر رک جاتیں۔

ساری کائنات اسے بازیچہ اطفال دکھائی دیتی۔ کوئی بھی تو ایسا نہ تھا جو اس کے مزاج کو سمجھ سکتا۔ اس کے دل کی گہرائیوں میں جھانک سکتا۔ اس کے درد دل کو پہچان سکتا۔ روح کے سر گہرے ہوتے چلے گئے۔ اس کی آواز درد میں ڈوبتی چلی گئی۔ اس کی ہرنی جیسی آنکھوں میں آنسو بھر آئے اور لب پر بے اختیار یہ الفاظ آ گئے۔ یا اللہ! رفیق علیٰ سے ملا دے جو میرے دل کا ترجمان ہو۔ اس نے گھٹنوں میں اپنا منہ چھپا لیا۔ یہاں اس کے آنسوؤں کے رمز کو سمجھنے والا تھا ہی کون؟ فضا پر پھر ایک بار گہری اداسی چھا گئی۔ ہوائیں چلتے چلتے رک گئیں ندی کا پانی ٹھہر گیا پرندہ ڈال پر ساکت بیٹھ گیا۔ درخت قیامت کے خوف سے زرد پڑ گئے۔ ساری کائنات کے لئے روح کا حسین مکھڑا چھپانا قیامت سے کم نہ تھا۔ وقت تھم گیا' یوں لگتا تھا۔ روح نے اپنا مکھڑا دنیا سے کیا چھپایا' ساری کائنات کی حرکت رک گئی۔ خالق کائنات کے دامن رحمت میں روح کے درد کی چنگاری اڑ کر آن گری۔ عالم رحمت جوش میں آ گیا۔ رحمت سے رحمت اللعالمینؐ کا ظہور ہوا اور نور رحمت نے رفیق اعلیٰ کا روپ دھار لیا۔ روح کے کندھوں پر شفقت کے ہاتھوں کی گرمی پہنچی۔ آہ یہ ہاتھ۔ انہیں تو میں اربوں کھربوں میں پہچان جاؤں۔ روح نے سر اٹھایا۔ رحمت کے نور میں ڈوبا ہوا روح کا جمال پکار پکار کر اپنے خالق کی صناعی کی داد دے رہا تھا۔ اور پھر ایک بار فضائیں گنگنا اٹھیں جھرنے بہنے لگے۔ فطرت مسکرانے لگی۔

قریب آ! کہ صبر آزمائی تا بہ کہ

گنگنا! کہ ٹوٹنے نہ پائے زندگی کی لے

مسکرا! کہ مجھ کو روشنی کی احتیاج ہے

ذائقۃ الموت

موت ایک ایسا مرحلہ ہے جس مرحلے سے ہر ذی روح کو گزرنا ہے۔ ارادی طور پر یا غیر ارادی طور پر۔ کسی بھی طرح موت سے چھٹکارا حاصل نہیں کیا جا سکتا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ کُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَةُ الْمَوْتِ "ہر نفس موت کا ذائقہ چکھے گا۔" فرمان الٰہی اللہ تعالیٰ کی وہ سنّت ہے جو نظام کائنات کی صورت میں عالمین میں جاری و ساری ہے۔ سب کچھ بجا ہے مگر موت کا ذائقہ کیا ہو گا۔ ہم اسے مرتے وقت کیسے چکھیں گے اور کیا مرتے وقت ہمیں اس بات کا پتہ بھی چل جائے گا کہ موت کا ذائقہ چکھ رہے ہیں کیونکہ اللہ کا کلام تو برحق ہے۔ جب اللہ نے موت کے ذائقے کی بات کی ہے تو بلاشبہ مرنے والی ہر شے موت کا ذائقہ ضرور چکھتی ہے۔ مگر کیسے؟ وہ ذائقہ کیسا ہوتا ہے۔ میرے دل میں تجسّس ابھر آیا۔ جوں جوں دن گزرتا گیا شوق چڑھتے سورج کی روشنی کی طرح بڑھتا ہی گیا۔ میں سوچنے لگی۔ حضور قلندر بابا اولیاءؒ نے اپنی کتاب "لوح و قلم" میں فرمایا ہے کہ قوت تجسّس اللہ تعالیٰ کے اسم "محیط" کی روشنی ہے۔ ہمارے اندر جب اسم محیط کی روشنی متحرک ہوتی ہے تو ایک نقطے سے بڑھتے بڑھتے سارے دماغ پر محیط ہو جاتی ہے۔ روشنی کے اس نقطے میں جو بھی فکر ہو۔ وہ فکر اسم محیط کی روشنی میں سارے دماغ پر چھا جاتی ہے۔ پس دماغ و ذہن کی تمام قوتیں فکر کے اس ایک نقطے میں جذب ہو جاتی ہیں۔

اسم محیط کی روشنی اپنی فطرت کے مطابق سارے دماغ پر محیط ہو کر فکر کے علوم تلاش کرنے کی جستجو دل ودماغ میں پیدا کر دیتی ہے اور جستجو فکر کے نقطے کی گہرائی سے گوہر علم تلاش کر کے عقل وشعور تک لے آتی ہے۔ میرا دل بے اختیار حضور قلندر بابا اولیاءؒ کو پکارا اٹھا۔ قلندر بابا آپ نے خود تو موت کا ذائقہ چکھ لیا۔ مجھے بھی تو اس کی لذت چکھا دیجئے۔ شاید قلندر بابا اولیاءؒ کو میری پاگل جستجو کچھ پسند آ گئی۔ فکر وجدانی دور آسمانوں میں پہنچ گئی۔ نور کے بادلوں میں حضور قلندر بابا اولیاءؒ بہ روئے خنداں دکھائی دیئے۔ شگفتہ شگفتہ نکھرا۔ جیسے تازہ کھلا ہوا پھول۔ آپؒ نے نیم ہنستے ہوئے فرمایا۔ ہاں بھئی سعیدہ موت کا ذائقہ چکھنا چاہتی ہو۔ میں نے فوراً کہا۔ ہاں مگر آپؒ کے جام سے۔ میری بات سن کر آپؒ زور سے ہنس پڑے۔ بہت خوب! آپ کے شفاف دانتوں سے سچے موتیوں کی چمک ظاہر تھی۔ کہنے لگے۔ پھر تیار ہو جاؤ۔ آپ کے اتنا کہتے ہی منظر بدل گیا۔ میں نے دیکھا۔ میں بستر پر سیدھی لیٹی ہوئی ہوں۔ جیسے یہ بستر کسی ہسپتال کا بیڈ ہے۔ یہ کمرہ بھی جیسے آپریشن تھیٹر ہے۔ کمرے کے بیچوں بیچ بیڈ پر میں چت لیٹی ہوں۔ اتنے میں حضور قلندر بابا اولیاءؒ ڈاکٹری کوٹ پہنے آتے ہیں۔ میرے قریب آ کر کہتے ہیں۔ آپ کو موت کے مرحلے سے گزارا جاتا ہے۔ آپ تیار ہیں؟ میں نے گہرا سانس لیتے ہوئے کہا۔ بالکل تیار ہوں۔ آپ نے کمرے کے ایک کونے میں چھت سے قریب لگے ہوئے ایک اسکرین پر اشارہ کیا کہ آپ اپنی نظریں اس اسکرین پر جمائے رکھیں۔ آپ کو اس پورے مرحلے کا ادراک اس اسکرین پر ہو جائے گا۔ میں نے اطمینان سے اس اسکرین پر اپنی نگاہیں گاڑ دیں۔ اس اسکرین پر میں نے اپنے جسم کا باطن دیکھا۔ جیسے ایکسرے۔ مگر یہ ایکسرا جسم کے اندر موجود روح کا تھا۔ میں نے دیکھا کہ میں لیٹی ہوں۔ میرے جسم کے اندر روشنی بھری ہوئی ہے، جیسے غبارے کے اندر ہوا بھری ہوتی ہے۔ اس طرح جسم کے اندر روح کی روشنی سر سے پاؤں تک سمائی ہوئی تھی۔ مجھے یوں دکھائی دیا جیسے روح کی روشنی ہی اصل حواس ہیں۔ جسم محض ایک خول ہے جو روح کی حفاظت کے لئے ہے۔ یوں محسوس ہوا جیسے روح کو اس خول کے اندر مقید کر دیا گیا ہے۔ جیسے بچہ رحم میں بند ہوتا ہے۔ روح جسم کے اندر اس طرح بند ہے کہ پاؤں کے اندر پاؤں، ہاتھ کے اندر ہاتھ، گردن کے اندر گردن غرضیکہ جسم کے اندر روح اسی طرح سمائی ہوئی ہے جیسے جسم دکھائی دیتا ہے۔

اب قلندر بابا اولیاءؒ (روحانی ڈاکٹر) نے اپنے ہاتھ میں پکڑے ہوئے ایک روشنی کے آلے کو جسم کے پاؤں سے چھوا۔ اس آلے کے جسم سے چھوتے ہی اس کالمس روح کے پاؤں نے محسوس کیا اور پاؤں اوپر کی جانب سمیٹ لیئے، مگر جسم کے پاؤں اس طرح بیڈ پر رکھے تھے۔ مجھے محسوس ہوا میرے پاؤں سے جان نکل کر اوپر کی جانب سمٹ آئی ہے۔ مجھے یقین ہو گیا کہ اب پاؤں کے اندر چلنے کی سکت باقی نہیں ہے۔ آہ، اب میں چل نہیں سکتی۔ روح کی وہ روشنی جو پاؤں کو چلنے کی حس فراہم کر رہی تھی۔ اس روشنی سے جسم کے پاؤں محروم ہو چکے ہیں۔ میری نگاہ روح کے پاؤں کی جانب گئی۔ میں نے اطمینان کا سانس لیا۔ نہیں نہیں میرے پاؤں ابھی سلامت ہیں۔ میری توجہ جسم سے ہٹ کر پھر روح کی جانب مبذول ہو گئی۔ روحانی ڈاکٹر میرے جسم کے ایک ایک حصے کو نیچے سے اوپر آلے سے چھوتے اور چھوتے ہی روح اس حصہ جسم کو چھوڑ کر اوپر کی جانب سمٹ آتی، جیسے سیدھا لیٹا ہوا شخص آہستہ آہستہ جسم کو سمیٹتا چلا جائے۔ روح کی پھیلی ہوئی روشنیاں بھی آہستہ آہستہ اوپر سمٹتی جاتی تھیں۔ روح جس حصہ جسم کو چھوڑتی وہ حصہ جسمانی حس سے محروم ہو جاتا۔ جب پیٹ روح کی روشنیوں سے خالی ہوا تو معدے کی

مشینری بند ہو گئی۔ بھوک پیاس کا احساس بھی ختم ہو گیا۔ میں نے حسرت سے سوچا آہ اب مجھے بھوک پیاس نہیں لگے گی' میں کھانا نہیں کھا سکوں گی۔ اسی لمحے خیال آیا۔ بھوک پیاس کی حس ختم ہوئی ہے' مگر بھوک پیاس کا علم باقی ہے۔ جب تک علم باقی ہے تقاضہ باقی ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے بھوک پیاس کا تقاضہ چلنے پھرنے کا تقاضہ سب کچھ روح کا ہے۔ اب تک روح اپنا تقاضہ جسم کے ساتھ پورا کرتی رہی۔ اب جسم کے بغیر بھی تقاضہ پورا کیا جا سکتا ہے۔ کیونکہ روح کے تقاضے پورے کرنا ربوبیت کی شان ہے اور اللہ اپنی شانوں سے خوب واقف ہے۔ میرا دل سکون سے بھر گیا میں نے دیکھا جسم کے جس جس حصے کو روح چھوڑتی جا رہی ہے جسم تو مردہ ہوتا جا رہا ہے' مگر جسم کی پہلی روشنیاں روح کے ان حصوں میں سماتی جا رہی ہیں اور وہ حصے روح کی روشنیوں سے اور زیادہ روشن ہو رہے ہیں۔ جیسے جیسے روح کی روشنی بڑھتی جا رہی ہے میرا موت کا خوف ختم ہو کر سکون و اطمینان میں تبدیل ہوتا جا رہا ہے۔ گویا جسم سے حس منتقل ہو کر روح میں تبدیل ہوتی جا رہی ہے۔ جیسے بچہ جب تک ماں کے پیٹ میں ہوتا ہے بچہ اپنے تمام تقاضے ماں سے پورے کرتا ہے۔ ماں کھاتی ہے تو بچہ کھاتا ہے' ماں پیتی ہے تو بچہ کی پیاس بجھتی ہے' ماں چلتی ہے تو بچہ بھی ماں کے ساتھ ہی کہیں جاتا ہے۔ جب بچہ پیدا ہو جاتا ہے تو بچے کے تمام تقاضے انفرادی بن جاتے ہیں۔ اب بچے کو خود اپنی نشوونما کے لئے کھانا پینا پڑتا ہے' سانس لینا پڑتا ہے۔ میں نے سوچا۔ اے روح! موت کا لمحہ تیرے لئے حواس کی تبدیلی کا لمحہ ہے۔ قانون قدرت کے اعتبار سے ہر شے دو رخوں پر بنی ہے۔ حواس کے بھی دو رخ ہیں۔ جسمانی حواس اور روح کے حواس۔ دونوں حواس ایک ورق کے دو صفحے ہیں جو رخ سامنے ہو حواس اسی رخ میں کام کرتے ہیں۔ میں نے سوچا اگر دونوں رخ سامنے ہوں تو حواس دونوں رخوں میں کام کریں گے۔ جیسے صفحہ کھڑا کر دیا جائے تو دونوں رخ کی عبادت دکھائی دیتی ہے۔ حواس کی اسی بلندی کو اعراف کہا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ کچھ انسان اعراف کی بلندی پر بیٹھے ہوں گے اور وہاں سے جنت دوزخ کا مشاہدہ کریں گے۔ یعنی اعراف وہ فصیل ہے۔ جہاں زمانی اور مکانی فاصلے ایک لائن میں آ جاتے ہیں۔ مکانی فاصلہ جسمانی حواس اور زمانی فاصلہ روحانی حواس کو تخلیق کرتا ہے۔ جہاں زمانی اور مکانی فاصلے ایک حدود پر اکٹھے ہو جاتے ہیں۔ وہ لاشعور کی وہ حد ہے جہاں سے شعور شروع ہوتا ہے۔ اس مقام پر شعور لاشعور کا مشاہدہ کر لیتا ہے۔ اس طرح غیب میں روح کے ساتھ پیش آنے والی کارکردگی کو دیکھ لیتا ہے۔

اب روح کی روشنیاں دل کے مقام سے آہستہ آہستہ اوپر کی جانب سمٹیں۔ دل کی مشین ا، جھٹکے سے بند ہو گئی' مگر مشین روٹین میں چلتے چلتے بند ہو جائے تب بھی کچھ جھٹکے تو لگتے ہی ہیں۔ نبضیں ڈوبنے لگیں' دل کی حرکت غیر معمولی ہو گئی۔ مجھے لگا میرا دل مردہ ہو گیا ہے۔ زندہ رہنے کی خواہش ختم ہو گئی اور اس کے ساتھ زندگی سے تعلق رکھنے والا ہر جذبہ مرگیا ہے۔ میں نے سوچا میں مرگئی ہوں۔ اب میرے جسم کے ساتھ جو بھی پیش آئے اس سے مجھے کیا غرض ہے۔ اب تو میری زندگی روح ہے۔ میں جسم نہیں بلکہ روح ہوں اور اس خیال کے ساتھ ہی ساری توجہ روح کی جانب مبذول ہو گئی۔ یوں لگا جیسے روح کی روشنی ایک دم سے نہایت تیزی سے سمٹ کر حلق میں آ گئی ہے۔ میری سانسیں تیز اور بے ترتیب ہو گئیں۔ اس کے ساتھ ہی حلق میں پانی کی ایک بوند ٹپکی۔ ساتھ ہی سمندر کی لہروں کی شائیں شائیں سنائی دی اور پھر نہایت تیزی سے میرے اندر یہ خیال آیا کہ میں سمندر کی ایک بوند ہوں اور اسی لمحے روح کی ساری روشنیاں سمٹ کر

آنکھوں میں آ گئیں۔ آنکھ کی پتلی کے سوراخ سے روح کی روشنی باہر نکل آئی۔ میں نے دیکھا یعنی روح کی نظر نے دیکھا۔ نور کا وسیع و عریض سمندر ہے۔ اس سمندر کے اندر سے روح مچھلی کی طرح آہستہ آہستہ باہر نکلتی جا رہی ہے۔ باہر نکلتے ہی اس نے ایک نظر پانی کے اندر دیکھا۔ اسے سمندر کی تہہ میں اپنا مردہ جسم بیڈ پر لیٹا دکھائی دیا وہ اسے اچٹتی نگاہ سے دیکھ کر سمندر کی لہروں پر چلنے لگی۔ اس وقت میرے ذہن میں خیال آیا یہ سمندر اللہ تعالیٰ کے ادراک کا سمندر ہے۔ ادراک کا سمندر لمحہ کن ہے۔ سمندر کی ہر بوند لمحہ کن کی یونٹ ہے۔ ہر بوند میں لمحہ کن کی تقسیم ہے۔ اللہ تعالیٰ کے کن کہنے سے سمندر کے ادراک نے کروٹ بدلی۔ سمندر کے اندر موجود ادراک اللہ تعالیٰ کے حکم سے اپنے اندر کے خزانے ظاہر کرنے لگا۔ جس لمحے سمندر کو اللہ تعالیٰ کا حکم کن ملا کہ اپنے چھپے ہوئے خزانے کو ظاہر کر دے۔ ادراک کا یہ لمحہ روح پھونکنے کا عمل ہے۔ سمندر کے ہر قطرے نے حکم کن کے ادراک کو جذب کیا اور اللہ تعالیٰ کی آواز پر متوجہ ہو گیا۔ قطرے کا اللہ تعالیٰ کی آواز پر متوجہ ہونا روح کا ادراک ہے۔ اللہ کی آواز قطرے کے اندر داخل ہو کر روح کے حواس بن جاتی ہے۔ جب تک روح کے حواس قطرے کے خول کے اندر کام کرتے ہیں وہ سمندر کے اندر رہ کر بھی سمندر سے بیگانہ رہتا ہے' مگر جب روح کی روشنی قطرے سے باہر نکلنے لگتی ہے۔ تو پھر وہ سمندر کی حقیقت سے واقف ہو جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ہم نے چھ دنوں میں کائنات بنائی یعنی اللہ تعالیٰ کے حکم کن کو کائنات ادراک نے چھ اسٹیج پر سنا۔ گویا روح پھونکنے کا عمل چھ مراحل میں طے ہوا۔ ہر مرحلہ روح کی مرکزیت ہے جس مرکز سے اس مرحلے کا ادراک تقسیم ہو رہا ہے روح کی ایک مرکزیت عالم نفس ہے۔ جہاں سے روح کو عالم ناسوت کے حواس تقسیم ہوتے ہیں۔

جب روح کے حواس اس مرکز تک پہنچ جاتے ہیں تو پھر اس مرکز سے دوسرے مرحلے میں داخل ہو جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ہم نے ہر شے کو ماء (پانی) سے پیدا کیا ہے۔ روح کے مرکز سے' روح کو سمندر کا ادراک تقسیم ہو رہا ہے۔ جب روح اس مرکز کو پہچان لیتی ہے۔ تو ماء کی حقیقت کو جان لیتی ہے۔ موت وہ لمحہ ہے جس لمحے روح کے حواس سمندر کے ادراک کو چھو لیتے ہیں۔ پس اس لمحے روح موت کی آواز بھی سنتی ہے اور موت کا ذائقہ بھی چکھ لیتی اور پھر ادراک کے دوسرے مرحلے میں داخل ہو جاتی ہے۔ جب تک انسان کائناتی ادراک کے چھ مراحل جنہیں اللہ تعالیٰ نے چھ دن کہا ہے ان مراحل سے گزر نہیں جاتا اور ان مراحل کی مرکزیت سے واقف نہیں ہو جاتا اس کے اندر براہ راست اللہ تعالیٰ کی تجلیات کا مشاہدہ کرنے کی سکت پیدا نہیں ہوتی۔ درحقیقت آدم کی ذات وہ ہستی ہے جس کو اللہ تعالیٰ کا ادراک منتقل ہوا ہے۔ یہ ادراک آدم کو چھ مراحل میں ذات سے منتقل ہوا۔ آدم کے اندر چھ مراکز یا چھ لطائف ہیں۔ ان مراکز پر آدم کے حواس ذات کے ادراک سے متصل ہو جاتے ہیں۔ جس مقام پر آدم کے حواس ذات خالق کے ادراک سے متصل ہوتے ہیں وہ لمحہ موت کہلاتا ہے۔ موت وہ لمحہ ہے جس لمحہ سمندر کا ادراک قطرے کے حواس کو نگل جاتا ہے۔ کائنات کے ذرے ذرے کو ادراک کے اس سمندر سے حواس تقسیم ہو رہے ہیں۔ حواس کی تقسیم مقداروں میں ہے۔ یہی مقداریں مخلوق کا انفرادی دماغ یا منفرد شناخت بنتی ہے۔ لہروں کی اسی تقسیم سے مخلوق کی شکل و صورت بنتی ہے۔ جب یہ لہریں منتشر ہو جاتی ہے تو جسمانی ساخت بھی ختم ہو جاتی ہے۔ کائنات کی جسمانی ساخت اور ظاہری شکل و صورت ادراک کی ظاہری صورت ہے۔ اس ظاہری خول کے اندر ادراک کی روشنی روح ہے۔ سمندر ذات کی تجلی

ہے تجلی کا ادراک روح ہے۔ کائنات کی مخلوق میں آدم تجلی ذات کے ادراک کا نام ہے۔ سوائے آدم کے اور کوئی مخلوق تجلی ذات سے متصل ہونے کی سکت نہیں رکھتی۔ حضور پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا قابَ قوسین ہونا لمحہ معراج میں تجلی ذات سے متصل ہونا ہے۔ حضور قلندر بابا اولیاءؒ کی آواز میری سماعت میں داخل ہوئی۔ اے بنت رسولؐ! کائنات الٹے قدموں واپس جا رہی ہے۔ کائنات کا ہر فرد ابد سے ازل کی جانب واپس لوٹ رہا ہے۔ ازل وہ مقام ہے جس مقام پر اللہ تعالیٰ نے کن کہہ کر روحوں کی تخلیق کی اور اپنا دیدار کرایا۔ اب مخلوق یا روح جب ازل کے اسی مقام پر پہنچے گی تب ہی ذات سامنے آئے گی۔ ازل کے اس مقام پر پہنچنا ذات باری تعالیٰ نے آدم کی تقدیر میں لکھا ہے۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ آدم اپنی تقدیر تک کب رسائی کرتا ہے۔

ہر ذرہ میں ہے لوح کی تحریر کا باب
ہر ذرہ ہے آئینہ ہستی کا جواب
پڑھ سکتے ہو صاف کل جو ہو گا انجام
ہر ذرہ نے آج کھول رکھی ہے کتاب

(رباعی حضور قلندر بابا اولیاءؒ)

حیاتِ اَبدی

وہ حسین ساعت جس میں روح کی آنکھ نئے عالم میں کھلے گی، نئے جہاں کے نظارے اس پابند زندگی کے اضمحلال کو آزادی کے کیف میں بدل دیں گے۔ دنیا کے کڑوے کسیلے ذائقے جس میں مٹی کا خمیر گھلا ہوا ہے مٹی کے تعفن آمیز خمیر سے ہٹ کر جب اصل روشنیوں کا ذائقہ زبان چکھے گی تو کیسا مزہ آئے گا۔ آہا! میرے منہ میں میٹھا میٹھا پانی بھر آیا۔ اے زندگی! سچ سچ بتا تیرا کتنا سفر باقی ہے۔ اسی لمحے آنکھوں کے سامنے ایک سین آگیا۔ جیسے میں کسی جگہ کھڑی ہوں۔ میری سہیلی آتی ہے۔ وہ ایک لباس مجھے دیتی ہے اور کہتی ہے یہ لباس پہن لو، سفر پر جانا ہے، گاڑی فلاں جگہ کھڑی ہے، تم فوراً تیار ہو کر اس میں پہنچ جاؤ۔ میں سمجھی کہ سہیلی بھی میرے ساتھ جا رہی ہے۔ میں نے جلدی جلدی لباس تبدیل کیا اور تیزی سے گاڑی کی جانب چل پڑی۔ گاڑی میں بیٹھنے لگی تو دیکھا کہ میری سہیلی نہیں ہے بلکہ بہت سی عورتیں گاڑی میں ہیں۔ جو دیہاتی قسم کی ہیں۔ جیسے راجستھان کی مزدور عورتیں ہوتی ہیں۔ میرے بیٹھتے ہی گاڑی چل پڑی۔ میں نے گھبرا کے عورتوں سے کہا کہ ٹھہرو میری سہیلی ابھی نہیں آئی۔ وہ بولیں وہ تو اس گاڑی سے نہیں جا رہی۔ میں سخت پریشان ہو گئی۔ گاڑی کیا تھی اچھا خاصا جیل خانہ تھا۔ چاروں طرف لوہے کی سلاخیں لگی ہوئی تھیں۔ دروازہ بھی جانے کہاں غائب ہو گیا تھا اب تو بس چاروں طرف لوہے کی موٹی موٹی سلاخیں نظر آ رہی تھیں۔ اس پر طرہ یہ کہ اس گاڑی کو دو بیل کھینچ رہے تھے۔ ایک مرد کوچوان اس جیل نما ڈبے سے باہر بیٹھا بیلوں

کو ہانک رہا تھا جو سفید کپڑوں میں تھا۔ میں تو سمجھی تھی کہ موٹر کار ہو گی۔ یہ تو بیل گاڑی ہے۔ جانے کب تک تنہا سفر کرنا ہو گا۔ یہ اجنبی دیہاتی عورتیں' میرا ان کے ساتھ کیسے میل ہو گا۔ میرے حواس ابھی تک حیرت و پریشانی کے غلبے میں تھے۔ پھر مجھے یہ بھی تو پتہ نہیں تھا کہ کہاں جانا ہے۔ میں تو اسی اطمینان میں تھی کہ سہیلی ساتھ ہو گی' وہی رہنمائی کرے گی۔ اب کیا ہو گیا۔ میں نے ساتھی عورتوں سے پوچھا۔ ہم کہاں جا رہے ہیں؟ وہ بولیں ہم سرحد پار جا رہے ہیں۔ تمام راستہ ریگستانی ہے۔ میں اندر ہی اندر خوف سے بل کھا کے رہ گئی۔ ریگستان کا سفر وہ بھی بیل گاڑی میں اور گاڑی بھی ایسی کہ جس کی سلاخوں سے سارا نہیں تو آدھا ریگستان تو ضرور اندر آ جائے گا۔ یہ دیہاتی عورتیں تو اس ماحول سے خوب آشنا ہیں' میرا کیا بنے گا؟ مگر یہ سارے اندیشے میں نے اندر ہی اندر ہضم کر لئے۔ ظاہر کرنے میں مجھے اپنی ہتک محسوس ہوئی۔ میں نے سوچا کہ اب تو بیل چل ہی پڑے ہیں خواہ کتنی ہی سست رفتاری سے چلیں اترنے کا سوال پیدا نہیں ہوتا۔ اس سفر میں مجھے خود احتیاطی تدابیر پر غور کرنا ہے۔ ہم سفر ساتھیوں سے دوستی کرنی ہے تاکہ سفر آرم سے گزرے۔ میں نے ذرا اطمینان محسوس کیا اور دوستی کی نگاہ ساتھیوں پر ڈالی۔ میری نظر کے اشارے پر ساری کی ساری میرے آس پاس آ بیٹھیں۔ ان میں سے ایک زیادہ صاف ستھری مانگ پٹی سے درست دکھائی دی۔ وہ اور قریب کھسک آئی اور مجھے سفر کے متعلق معلومات فراہم کرنے لگی۔ میں بظاہر ان لوگوں سے انہیں کے لیول پر بات کرتی رہی۔ ہنستی ہنساتی رہی مگر دل تنہا ہی رہا۔ بیل گاڑی کا ہر قدم جیسے میرے سینے کی زمین پر رینگتا رہا۔ بیلوں کے گھسیٹتے قدم قطرہ قطرہ میری جان کو نچوڑتے رہے۔ انتظار بھی بڑا جان لیوا ہوتا ہے۔ مجھے تو اپنی رہائی کا انتظار ہے۔ کب یہ سفر ختم ہو گا' کب میری جان

چھوٹے گی اس انتظار سے۔ کس نے اس زندگی کو زندگی کا نام دیا ہے۔ کوئی میری نظر سے دیکھے کیا اس بند گاڑی میں سفر کرنا زندگی ہے۔ سفر بھی ریگستان کا جہاں حد نگاہ تک ریت کے لق و دق صحرا کے سوا کچھ دکھائی نہیں دیتا۔ باہر کی یکسانیت سے گھبرا کے میں نے گاڑی کے اندر دیکھا تمام عورتوں پر گہری نگاہ ڈالی۔ مجھے ان سب میں سے بھی کوئی دلچسپی محسوس نہیں ہوئی۔ میں نے سوچا یہ زندگی نہیں موت ہے۔ میری آزادی کے لمحات کی موت جس میں لحظہ بہ لحظہ میرے دل کی امنگیں دم توڑتی جاتی ہیں۔ مایوسیوں کے غلبے میں میں نے گھبرا کے آنکھیں بند کر لیں۔ میری ساتھی عورتیں سمجھیں میں آرام کر رہی ہوں۔ وہ سب میرے آس پاس سے ذرا پرے ہٹ گئیں۔ میں نے سیٹ کی پشت پر سر کو لگا دیا اور ارد گرد کی دنیا سے غافل ہو کر تصور کی دنیا میں کھو گئی۔ تصور کی آنکھوں نے دیکھا۔ دور سرحد پار کی روشنیاں ٹمٹماتی دکھائی دے رہی ہیں۔ بیلوں کی رفتار ان روشنیوں کو دیکھ کر تیز ہو گئی۔ ان کے گلے میں بندھی گھنٹیاں بے ہنگم آواز کی بجائے خوبصورت سر میں بدل گئی ہر شے جیسے سوتے سوتے جاگ اٹھی۔ یوں لگا جیسے مردہ جسم میں کسی نے روح پھونک دی۔ روشنیاں قریب ہوتی چلی گئیں' فاصلہ گھٹتا رہا۔ یہاں تک کہ بیل گاڑی سرحد لائن پر پہنچ گئی۔ بیلوں کے قدم رک گئے۔ گاڑی کا جنگلہ پچھلی سائیڈ سے پورا کا پورا نیچے چلا گیا اور گاڑی کھل گئی۔ مجھ میں مزید صبر کا یارا نہ رہا۔ میں ایک دم چھلانگ لگا کر گاڑی سے نیچے کود پڑی۔ کیا دیکھتی ہوں روح سامنے کھڑی ہے۔ بے اختیار خوشی میں میں اس سے لپٹ گئی۔ تم اچھی نہیں ہو' مجھے کہاں اس بیل گاڑی میں پھنسا دیا تھا۔ اف اس کے تو تصور سے بھی میری جان نکلنے لگتی ہے۔ وہ ہنس پڑی سبز لباس میں ہنستا نکھرا جیسے ہری بھری ڈالی پر گلاب کی کلی کھل گئی۔ وہ بولی۔ اب اسے بھول جاؤ

اس ریگستان سے تمہیں گزرنا ہی تھا۔ اس سفر میں تم نے دوری اور محرومی کو محسوس کیا۔ ساتھی سے دوری اور اس کی محبت سے محرومی کا ہر لمحہ موت ہے۔ موت کا لمحہ ایک ایسی بند ڈبیا ہے جس کے اندر لمحات کا ایک سلسلہ بند ہے۔ مگر ڈبیا بند ہونے کی وجہ سے یہ لمحات بھی بند رہتے ہیں۔ اے بنت رسولؐ! موت کی بند ڈبیا میں اللہ تعالیٰ کے تصورات کا ایک سلسلہ بند ہے۔ اللہ کا ہر تصور ایک عالم ہے اور سلسلہ اس عالم میں انسان کی زندگی ہے۔ اللہ تعالیٰ کے تصور کے عالم میں صرف دو ہستیاں ہیں۔ ایک ذات واحد خود ذات باری تعالیٰ ہے اور دوسری ہستی وحدانیت کو پہچاننے والی ہستی ہے۔ وحدانیت کو دیکھنے اور پہچاننے والی ذات کا نام اللہ تعالیٰ نے آدم یا انسان رکھا ہے۔ مگر انسان جب تک موت کی دہلیز کو پار نہیں کرتا' اس بند ڈبیا کے اندر کے لمحات میں داخل نہیں ہوتا۔ میں نے روح کا ہاتھ چوم لیا اور خوشامدانہ انداز میں بولی۔ اچھی روح! تم تو میری God Mother ہو' میری رہبر ہو۔ تم کو پتہ ہے اس بیل گاڑی کے سفر میں میں اس فرمان کو بہت اچھی طرح جان اور پہچان چکی ہوں۔ مُوْتُوْا قَبْلَ اَنْ تَمُوْتُوْا بیل گاڑی کے سفر کے ہر لمحے مجھ پر موت وارد ہوتی رہی۔ محبوب سے دُوری اس کی محبّت سے محرومی کا احساس قطرہ قطرہ میری جان نکالتا رہا۔ مگر اس کے ملنے کی آس بیل بن کر میرے مردہ جسم کو اپنی جانب کھینچتی رہی اے روح! میری ملن کی آس کے بیل جیت گئے ہیں اور مایوسیوں کا ریگستان پار ہو چکا ہے۔ اب میں بند ڈبیہ کو کھولنا چاہتی ہوں۔ سرحد پار محبوب کے عالم تصورات میں داخل ہونا چاہتی ہوں۔ میرا لباس پھٹ گیا ہے' میں اس لباس میں کیسے اس کے سامنے جاؤں گی۔ سفر کی تکان نے مجھے خستہ حال بنا رکھا ہے۔ میں اس خستگی کی حالت میں کیسے اس کا سامنا کر پاؤں گی۔ میرا لباس بدل دو' میرا سنگھار کر دو' سرحد پار کا عالم میرے انتظار میں ہے۔ روح کے چہرے پر بزرگوں جیسی سنجیدگی آگئی۔ اس نے میرے دونوں بازوؤں سے پکڑ کر مجھے اپنے بالکل عین مقابل کھڑا کیا اور بہت غور سے مجھے دیکھنے لگی۔ اس کی نظر کی روشنی سر سے پاؤں تک میرے اندر داخل ہوتی محسوس ہوئی۔ مجھے محسوس ہوا روح میرے قول کی گہرائی اور سچائی کو جانچ رہی ہے۔ میں بالکل ساکت ہو کر کھڑی رہی تاکہ اس کے کام میں مخل نہ ہو سکوں تھوڑی دیر بعد اس نے اپنی پلکیں جھپکائیں اور مسکرا کر بولی۔ آؤ میرے ساتھ۔ میرا ہاتھ پکڑ کے سرحد کی جانب ذرا اور آگے بڑھی۔ یہاں ایک خوبصورت کمرے میں داخل ہوئی۔ یہ کمرہ ایک حمام تھا مگر اس میں نل یا شاور کی بجائے پانی کا چشمہ ابل رہا تھا۔ کھونٹی پر روح کی طرح کا بہت خوبصورت سبز لباس لٹک رہا تھا۔ وہ بولی تم نہا کر یہ لباس پہن کر تیار ہو جاؤ۔ یہ چشمہ آب حیات ہے اس چشمے میں نہا کر تم اب آئندہ لمحات میں زندگی کے تصور کو محسوس کرو گی۔ موت کا تصور تمہارے اندر سے ہمیشہ کے لئے نکل جائے گا۔ میں نے خوشی خوشی غسل کیا۔ تازہ دم ہو کر لباس پہن کر باہر آئی۔ روح میرے انتظار میں تھی۔ وہ مجھے دیکھ کر بہت خوش ہوئی۔ بولی اس لباس میں تمہارا حسن نکھر آیا ہے۔ اب وہ مجھے لے کر سرحد کے ایک عظیم الشان گیٹ سے اندر داخل ہوئی۔ یہ گیٹ دو عظیم الشان پہاڑوں کے درمیان پہاڑوں جتنی بلندی تک بنا ہوا تھا اور اس کی نقاشی کا کوئی جواب نہ تھا۔ گیٹ کے اندر داخل ہوتے ہی ایک حسین راستہ ملا جو ہریالی اور پھولوں سے بھرا ہوا تھا اور اس راستے کے کنارے کنارے پانی کی خوبصورت نہر تھی۔ جس میں نہایت ہی حسین بلوریں جام تیر رہے تھے۔ جاتے ہی روح بولی۔ یہ نہر آب کوثر ہے' جام بھر کر آب کوثر پیو۔ اس کے پینے سے تمہارے اندر وہ حواس جاگ اٹھیں گے جن حواس کے ساتھ تم اللہ تعالیٰ کے عالم تصورات میں داخل ہو

سکو گی اور اس عالم کی ہر شئے کو اللہ تعالیٰ کے ارادے اور مرضی کے مطابق جاننے اور پہچاننے لگو گی۔ میں نے روح کے کہنے کے مطابق نہر سے ایک جام بھرا اور آب کوثر پی گئی۔ ویسے بھی سخت پیاسی تھی۔ پورے سفر کے دوران کھانے کو میرا جی نہ چاہا تھا۔ میرا کھانا پینا تو محبوب کی محبت اور اس کا دیدار ہے۔ بیل گاڑی کے اس جیل خانے میں محبوب کی قربت اور دیدار دونوں سے ہی محروم تھی۔ میں نے تو اس سفر میں روزے کی نیت کر لی تھی اب روزے کو افطار کرنے کا وقت آگیا تھا۔ جیسے جیسے میں آب کوثر کا گھونٹ اپنے حلق سے اتارتی جاتی ایسا محسوس ہوتا جیسے ہر خیال کا مفہوم بدل گیا ہے۔ مجھے لگا جیسے آب کوثر کا ہر گھونٹ موت ہے۔ وہ لذت جس میں محبوب کے قرب کی تمنائیں گھلی ہوئی ہیں۔ آب کوثر کے ہر گھونٹ نے دل میں محبوب کی قربت کی امنگوں کے دریچے کھول دیئے۔ ہر گھونٹ پر مجھے یوں لگتا جیسے موت کی ڈبیہ آہستہ آہستہ کھلتی جا رہی ہے اور اس ڈبیا کے اندر سے محبوب کے تصورات کے لمحات کا سلسلہ باہر آتا جا رہا ہے۔ میری نگاہ نہر کے کنارے کنارے دور دور تک دیکھنے لگی۔ جہاں حسین موتیوں کے خیمے نصب تھے۔ خوشی میں میں جام بھر بھر کر پیتی رہی اور بے ساختگی میں بار بار زبان سے یہ الفاظ نکلنے لگے۔ اے موت! تو واقعی بہت حسین ہے۔ میں نے تجھے آج سے پہلے کبھی نہیں جانا تھا' موت تو محبوب کی آغوش ہے۔ جہاں پہنچ کر زندگی کی ہر حرکت ٹھہر جاتی ہے دل کی دھڑکن رک جاتی ہے' وقت کی رفتار تھم جاتی ہے' چلتے قدم رک جاتے ہیں' ریگستانی راستوں پر چلتے ہوئے بیلوں کے تھکے ہوئے قدم منزل مراد کو چھو لیتے ہیں۔ اے موت! تو محبوب کی دہلیز کا وہ حسین دروازہ ہے جس سے گزرے بغیر کوئی محبوب کے قدم نہیں چھو سکتا۔ میں نے خوشی میں جام کوثر کو چوم لیا۔ میرے وجود میں زندگی کی بھرپور

خوشیاں دوڑنے لگیں۔ میں نے روح کا ہاتھ پکڑا اور بول اٹھی۔ چلو اس خیمے کے اندر چلتے ہیں۔ وہ مسکرائی اور میرے دوپٹے کا پلو چہرے پر گھونگھٹ کی طرح نیچا کر دیا۔ بولی اس خیمے میں جمال خداوندی کے جلوے ہیں۔ انہیں وہی آنکھ دیکھ سکتی ہے جو غیر کو دیکھنے سے پردہ کر لے۔ اس کی بات سن کر میں نے کچھ اور بھی اپنے گھونگھٹ کو نیچا کر لیا اور تمام چہرہ چھپا لیا۔ مجھے محبوب کے دیدار کے لئے ہر شرط گوارہ تھی۔ آجا پیا! اب تو میں نے ہر شے سے نظریں پھیر لی ہیں۔ روح میرا بازو تھام کر آہستہ آہستہ خیمے کی جانب بڑھنے لگی۔ جیسے کوئی دلہن کو سسرال رخصت کرتا ہے۔ سسرال ہی تو ابدی گھر ہے خیمے کا دروازہ کھلا۔ ہر طرف سے خوش آمدید کی صدائیں بلند ہوئیں میں دروازے پر کھڑی تھی۔ روح نے میرا بازو تھام رکھا تھا۔ اتنے میں میرے سامنے ایک دنبہ لایا گیا۔ میرے ہاتھ میں ایک چھری دی گئی کہ اس دنبے کو ذبح کرو۔ یہ قربانی موت کے تصور کی قربانی ہے۔ اس قربانی کے بعد ہمیشہ کے لئے محبوب سے دوری کا تصور ختم ہو جائے گا اور اس قربانی کے بعد تم اس کے قرب کے محل میں داخل ہو جاؤ گی۔ میں نے دنبہ ذبح کیا۔ روح نے مجھے خیمے کی دہلیز کے اندر پہنچا دیا۔ خیمہ کا دروازہ موتیوں کی جھالروں سے دوبارہ بند ہو گیا۔ دل وقت کے اس لمحے میں پہنچ چکا تھا جہاں اس کے اور محبوب کے سوا اور کوئی نہ تھا۔

دل مرا کسی نے لیا نام بتاؤں کس کا
میں ہوں یا آپ ہیں گھر میں کوئی آیا نہ گیا

نقطۂ ادراک

کتنے دنوں سے یوں محسوس ہو رہا ہے جیسے میں اپنے بچپن کی جانب لوٹتی جا رہی ہوں۔ ایک عام آدمی کے لئے تو چونک جانے کا مقام ہے کہ عمر ہے کہ بڑھاپے کی جانب عازم سفر ہے اور فرمایا جا رہا ہے کہ بچپن میں لوٹ رہی ہوں۔ مگر غور تو کیجئے کہ انسان کیا ہے۔ اللہ پاک فرماتے ہیں۔ هَلْ أَتَىٰ عَلَى الْإِنسَانِ حِينٌ مِّنَ الدَّهْرِ لَمْ يَكُن شَيْئًا مَّذْكُورًا۔ کیا نہیں پہنچا انسان پر ایک ایسا وقت جو تھا شے (تصوّر) کے بغیر تکرار کیا ہوا (بے ترتیب) سورہ دہر۔

یعنی انسان پر ایک وقت ایسا تھا جب وہ قابل تذکرہ نہ تھا اور اس کا کوئی وجود نہ تھا۔ اللہ تعالیٰ نے لامحدودیّت سے یعنی بغیر کسی اسباب ووسائل کے انسان کو وجود بخش دیا اور اس لامحدودیت کو وجود بخشنے والا اللہ اس کا امر ہے۔ دہر سے مراد لاتناہیت کا وہ عالم ہے جس میں اللہ کا ارادہ اور ادراک موجود ہے۔ اس "دہر" یالاتناہیت کے عالم کا ایک یونٹ "حین" ہے حین یعنی خلا۔ اس خلا کے اندر اللہ پاک نے تصورات داخل کر دیئے اور ان تصورات کی ترتیب آدم کہلائی۔ تصورات کو قرآن نے "ماء" کے نام سے تعبیر کیا ہے یعنی آدم مجموعہ ہے ادراک الہیہ کا۔ اللہ کا ہر ادراک اس کے تصورات کا مجموعہ ہے اور تصورات اللہ تعالیٰ کے اسمائے الہیہ کی تشکیل ہے اسمائے الہیہ اللہ کی صفات ہیں۔ جن کے علوم آدم کو عطا کئے گئے ہیں۔ انسان اس تصورات کا محسوس کرنے والا ہے۔ آدمی کی ساری زندگی ان تصورات کی یعنی اسمائے الہیہ کی روشنیوں کی ادلی بدلی ہے۔ روشنیوں کی تبدیلی کی وجہ سے آدمی ہر لمحے نئے نئے احساسات وکیفیات میں مبتلا رہتا ہے۔ جیسا کہ سورہ دہر میں فرماتے ہیں۔

ترجمہ: ہم نے بنایا آدمی بوند (نطفہ) سے پلٹتے رہے اس کو پھر کر دیا سنتا۔ دیکھتا۔

یہاں نطفہ یعنی بوند یا ماء۔ سے مراد تصورات ہیں پلٹتے رہے یعنی ان کی ترتیب قائم کی گئی جن سے حواس کی تعمیر ہو گئی۔

پس انسان کی ساری زندگی حواس کی ادلی بدلی کا نام ہے۔ کبھی اس پر خوشی کی کیفیات طاری ہو جاتی ہیں اور کبھی غمی کی۔ انسان کا مزاج انہی موڈ پر چلتا رہتا ہے۔ ان دنوں میری بھی کچھ ایسی ہی حالت رہی۔ ہر لمحے یوں محسوس ہوتا جیسے میں وقت میں پیچھے کی جانب لوٹ رہی ہوں جیسے فلم کی ریل کوئی الٹی چلا دے۔ مجھ پر وہی احساسات طاری ہونے لگتے۔ جیسے دس گیارہ برس کی عمر میں تھے۔ بچپن کا وہ زمانہ ہر وقت میری آنکھوں کے سامنے تصویر بن کر ذہن کے اسکرین پر ٹھہرا ہوا محسوس ہوتا۔ بچپن کا وہ دور بھی عجیب تھا۔ مجھے یوں محسوس ہوتا جیسے میرے اور اللہ کے درمیان ایک ململ کا پردہ حائل ہے۔ صاف چھپتے بھی نہیں' سامنے آتے بھی نہیں۔ والا معاملہ تھا۔ قرب خداوندی کی کشش دل ودماغ کو اس طرح اپنی جانب کھینچتی کہ جنون کی حد تک میرے دل میں یہ شوق پیدا ہوتا کہ کسی طرح اس پردے کو درمیان سے ہٹا دوں اور غیب کے اس پار پہنچ کر اس حقیقت سے ہم آغوش ہو جاؤں۔ جو میرے انتظار میں ہے اور میں اٹھتے بیٹھتے اپنے مرنے کی دعائیں کرتی۔ بلکہ کتنی بار عشق خداوندی کی کشش سے مجبور ہو کر خودکشی کا ارادہ کر بیٹھتی۔ مگر پھر خیال آتا میری ماں مجھ سے بے پناہ محبت رکھتی ہے وہ میری جدائی برداشت نہ کر پائے گی اور میں اسی خیال کے ساتھ ہی اللہ میاں سے باتیں کرتی۔ جیسے کہ کچھ اور انتظار کرنا ہو گا۔ میں ہمیشہ کے لئے غیب کے پار نہیں جا سکتی مگر کیا ایسا نہیں ہو سکتا کہ

آپ مجھے چند لمحوں میں غیب کی سیر کروا کے مجھے واپس دنیا میں بھیج دیں اور میں دوسروں
کو یہ بات بتاؤں کہ پردے کے پار اللہ پاک اپنی کن شانوں میں جلوہ گر ہے۔ اس جنوں
نے ان دنوں غیب کے دروازے مجھ پر کھول دیے۔ کیا کیا نشانیاں دکھائیں کہ پردے سے
پار اللہ سے ملنے کا شوق اس کا عشق بن کر بڑھتا ہی رہا۔ یہ ساری دنیا اللہ کے رشتے سے
مجھے اچھی لگنے لگی کہ ہر شئے میں اس کے جلووں کا عکس نظر آیا۔ مگر ایک کسک پھر بھی
باقی رہی اور اسی کسک نے روحانی علوم کے دروازے، مجھ پر کھول دیئے۔ آج بھی میں
سوچتی ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے دنیا میں ہر نعمت سے نوازا۔ میرا ہر شوق' ہر تمنا پوری
کی' مگر بچپن کی وہ کسک اب بھی پھانس بن کر میری روح میں پیوست ہے جس کی مسلسل
ٹیس مجھے ہر وقت اکساتی رہتی ہے کہ جلد از جلد اپنے اور محبوب کے درمیان اس پردے
کو چاک کر دوں اور غیب کے اندر حقیقت کی دنیا میں اپنا ابدی ٹھکانہ پالوں۔

ان ہی کیفیات میں ایک دن یوں لگا جیسے میں مرتی جا رہی ہوں۔ میری جان میرے
اندر سے قطرہ قطرہ بن کر باہر نکلتی جا رہی ہے۔ میری قوت برداشت جواب دینے لگی'
میرے حواس سوچنے سمجھنے سے معذور ہو گئے۔ بس یوں محسوس ہوتا رہا جیسے میرے اندر
کا ہر لمحہ مرتا جا رہا ہے ادراک کے جس لمحے کو میرے حواس نے چھوا تھا وہ لمحہ حواس کی
گرفت سے چھوٹتا جا رہا ہے۔ میری زندگی کے بیشمار لمحات سمٹ کر ادراک کے اس ایک
لمحے میں داخل ہو رہے ہیں میری زندگی جو لمحات کا مجموعہ ہے سمٹ کر ایک لمحہ بن گئی
ہے۔ میری حیات کا سفر چلتے چلتے جیسے اچانک ٹھہر گیا ہے۔ میرے حواس فنا ہو رہے ہیں۔
دل تڑپ اٹھا۔ آنکھیں بے قراری سے چھلک اٹھیں اور روح دیوانہ وار ادراک کے اس
لمحے میں جا پہنچی جو اپنی تب و تاب دکھانے کے بعد پردہ غیب میں جا چھپا تھا اور پھر پرانے

لمحات کی موت نے ایک نئے لمحے کو جنم دے دیا۔

میں نے دیکھا روح پر وحشت و دیوانگی طاری ہے۔ یہ وحشت و دیوانگی مجنونانہ تھی'
خبطی پن نہ تھا۔ اس کے سرخ انار چہرے سے ایک انوکھا عزم جھلک رہا تھا۔ اس کی سرخی
مائل سنہری زلفوں سے مشک کی خوشبوئیں لہریں بن بن کر نکل رہی تھیں' اس کا بدن
صنوبر کا ایک مضبوط درخت بنا کھڑا تھا' جسے ہوا کا کوئی جھونکا نہ ہلا سکے۔ اس نے رعونت
کے ساتھ اپنے سر کو ایک جھٹکا دیا۔ ایک زوردار چیخ ماری اور نظر کے سامنے پڑے ہوئے
پردہ غیب کو ہٹا ڈالا۔ نظر دم بخود تھی کہ پردہ غیب سے کیا ظہور ہونے والا ہے۔ نظر نے
دیکھا کہ ایک بہت بڑی اسکرین ہے۔ یہ اسکرین حجاب محمود ہے' اس اسکرین پر ایک
روشن نقطہ ہے۔ یہ روشن نقطہ کتاب المبین ہے۔ روح اس اسکرین کے عین نیچے جا
بیٹھی۔ اس کی حالت بالکل مجنوں جیسی تھی۔ اس پاگل کو اپنے تن بدن کا بھی ہوش نہ
تھا۔ اس نے اپنی آنکھیں اس اسکرین کے روشن نقطے پر ثبت کر دیں اور گھنٹیوں جیسی
گونجتی آواز میں بولی۔ کیا آپ میرے رب نہیں ہیں؟--- اس کی آواز لاتناہیت میں
پھیل گئی۔ یہ روشن نقطہ اس کی آواز کی لہروں کو اپنے اندر جذب کرتا چلا گیا اور پہلے سے
بھی زیادہ روشن ہو گیا۔ اس کی روشنی اسپاٹ لائٹ کی طرح سیدھی روح پر پڑی۔ آواز
آئی۔ بلاشبہ میں ہی تمہارا رب ہوں۔ یہ سن کر روح کی حالت بدل گئی۔ کہاں وہ وحشت
کہاں راحت' کہاں وہ جنون کہاں یہ سکون' کہاں وہ اضطراری کہاں یہ بردباری۔ اس نے
خود سپردگی کے انداز میں اپنے آپ کو اپنے رب کے حضور جھکا دیا۔ آج اسے کوئی غم نہ
تھا کوئی دکھ نہ تھا۔ آج اس کے اور اس کے رب کے سوا کوئی نہ تھا۔ وہ پہچان گئی کہ
صرف اس کا رب اسی کا کفیل ہے۔ وہ ہے اور میں ہوں اور بس۔ اس نے سجدے سے

سر اٹھایا۔ کتاب المبین سے ایک ایک شعاع نکل کر اس کے اوپر اسپاٹ لائٹ کی طرح اترتی رہی۔ ہر شعاع اسمائے الہیہ کا ادراک تھا۔ اللہ اس سے خوش تھا اور وہ اللہ کی خوشی سے خوش تھی۔ اللہ اس کا کفیل اور محافظ ہے۔ جانتی تو وہ پہلے بھی تھی' مگر جاننے اور حواس کے دائرے میں محسوس کرنے میں زمین آسمان کا فرق ہے۔ جاننا پردے کے پیچھے کا ادراک ہے اور محسوس کرنا پردے کے باہر کی کیفیات ہیں۔ جاننا علم ہے اور مشاہدہ حواس ہیں۔ آنکھ جب دیکھ لیتی ہے تو اس کے یقین کو کوئی چیز متزلزل نہیں کر سکتی۔ روح جان گئی۔ اس کا رب اس سے بے پناہ محبت کرتا ہے' اس کا رب اس سے خوش ہے۔ اس نے سوچا۔ مالک جب خوش ہوتا ہے تو اپنی خوشی کا اظہار اپنی رعایا سے کرتا ہے۔ میں اپنے مالک کی بندی ہوں' اپنے آقا کی لونڈی ہوں۔ آج اس کی رحمتوں کا مجھ سے زیادہ اور کون طلب گار ہو سکتا ہے۔ اس نے بڑی معصومیت سے کہا۔ اے میرے رب! تو میرا رب ہے' میرا محافظ ہے۔ مگر میں کیا ہوں؟ تیرے میرے درمیان یہ کیسا رشتہ ہے؟ کیسا بندھن ہے تو میرا محافظ کیوں ہے؟ کیا ہے؟ اے میرے رب! آج اگر مجھے تیری رحمتوں پر ناز نہ ہوتا تو میں ہرگز بھی ایسا سوال نہ کرتی۔ دیکھتے ہی دیکھتے پردہ مبین سے نور کا ایک بادل جھومتا ہوا آیا اور روح کو چاروں طرف سے ڈھانپ لیا۔ رحمتوں کی بارش برسنے لگی۔ بادل سے آواز آئی۔ اے روح! تمناؤں کی وابستگی تم سے ہے۔ روح کے حواس کی آخری حدود تک یہ آواز یہ سرگوشی گونج اٹھی۔ اس نے معصومیت سے پوچھا۔ تمنا کیا ہے؟ آواز آئی تمنا میری کائنات ہے۔ روح نے نور کے بادل میں چاروں طرف دیکھا۔ یہ بادل کالی کملی کی طرح اس کے اطراف لپٹا ہوا تھا۔ اس نور کا ہر ذرہ ایک کائنات تھی۔ وہ جان گئی کالی کملی کا ہر بال اس کے رب کی ایک کائنات ہے۔ جن عالمین میں اس کی تمناؤں کے جہان آباد ہیں۔ اس کے رب کی تمنا اس کا تفکر ہے۔ تفکر کے ساتھ اس نے روح کو پیدا کیا ہے۔ اللہ اور روح کا رشتہ تفکر کے تار کے ساتھ وابستہ ہے۔ اسے کالی کملی کا ہر تار اللہ کے تفکر کی ایک ڈور نظر آئی۔ جس نے روح کو اپنے ساتھ باندھ لیا۔ نور کے بادل سے آواز آئی۔ اے روح اب بتاؤ۔ تمہارا تمہارے رب کے ساتھ کیا رشتہ ہے؟ روح نے اپنی ذات پر نظر ڈالی۔ اس کی ذات کا رواں رواں اس کے رب کے تفکر کے تاروں سے بندھا دکھائی دیا۔ وہ جان گئی اپنے رب کے امر کے بغیر وہ جنبش بھی نہیں کر سکتی۔ اس نے یہ راز پہچان کر مسکرا کے کہا۔ تو ہی میری جان ہے' جس نے مجھے زندگی کی حرکت بخشی ہے۔ بادل سے آواز آئی۔ اے روح! زندگی کیا ہے۔ روح نے اپنے روئیں روئیں سے بندھے ان نور کے تاروں کو دیکھتے ہوئے کہا۔ اے میرے رب! حیات ان تارو کا ہلنا ہے جو تار میری ذات سے بندھے ہوئے ہیں۔ ندا آئی۔ یہ تار کب ہلتے ہیں؟ روح نے اطمینان کا سانس لیتے ہوئے کہا۔ اے میرے رب! یہ تار تیرے ارادے پر ہلتے ہیں اور تیرا ارادہ ہی تیرا امر ہے۔ تو قادر مطلق ہے۔ میں تیری قدرت کے دائرے میں ہوں۔ یہ کہہ کر روح نے اللہ اکبر کہہ کر سجدے میں سر جھکا دیا۔

کتاب المبین کی روشنیاں شعور میں جذب ہونے لگیں۔ روح آسمان سے زمین تک تمام عالمین میں سجدے کی حالت میں تھی۔ کتاب المبین سے چلنے والی شعاع نے ازل ابد میں اپنا دائرہ مکمل کر لیا۔

شیطانی ہتھکنڈے

خیال تھا۔ غیب کے اسرار سے پردے سرکانے سے لوگوں کے ذہنوں کے پردے ہٹیں گے۔ لوگوں کے اندر غیب میں جھانکنے کا شوق پیدا ہو گا۔ غیب کی دنیا کا تجسس دنیاوی آلودگیوں سے پاک کر کے باطن کو اللہ کی صفات سے روشن کر دے گا' مگر دیکھنے میں یہ آ رہا ہے کہ لوگوں کے اندر شوق تو پیدا ہو چکا ہے۔ تجسس بھی ابھر آیا ہے' مگر پھر بھی کسر باقی ہے۔ ایک صاحبہ آئیں۔ جوش محبت میں گلے سے لگا کر بھینچا' فرط عقیدت میں ہاتھ کہنیوں تک چوم ڈالے۔ دل نے کہا۔ یا اللہ! ہم ایسی سچی عاشقی سے آج تک کیسے محروم رہے۔ بات آگے بڑھی ہم جانتے ہیں کہ آپ کو اللہ نے خوب نوازا ہے۔ ہم نے شرماتے ہوئے نیچی نظریں کر کے آہستہ سے جواب دیا۔ بس یہ تو اللہ کا فضل ہے' وہ قادر مطلق ہے۔ کہنے لگیں۔ خواہ کچھ بھی ہو۔ میرے دل میں بھی روحانیت سیکھنے کا بے حد شوق ہے۔ بڑی مشکل سے آج آپ تک پہنچی ہوں مجھے تو آپ ابھی سب کچھ دے دیں۔ ہمارے تو سر کے اوپر سے جیسے (اڑن طشتری) فلائینگ سا سر گزر گئی۔ جی کیا کہہ رہی ہیں آپ۔ بولیں میں کچھ سننے کو تیار نہیں ہوں۔ میرا ہاتھ پکڑ کر اپنے ماتھے پر رکھا۔ آج تو آپ ہم پر ایسا دم ڈال دیجئے جیسا حضرت ابو الفیض سہروردیؒ صاحب نے حضور قلندر بابا اولیاءؒ پر ڈالا تھا۔ تین پھونکوں میں عرش معلیٰ سے تحت الثریٰ تک ساری سیر کرا دی تھی۔ اب ہم لاکھ کہہ رہے ہیں کہ اے میری اماں حوا کی ماں جائی۔ وہ پھونک مارنے والے حضرت ابو الفیضؒ تھے اور جن پر ماری گئی وہ حضور قلندر بابا اولیاءؒ تھے۔ جو اس پھونک سے پہلے نو برس حضرت بابا تاج الدین اولیاءؒ ناگپوری کی تربیت میں دن رات رہے۔ اس کے علاوہ جانے کب سے ان کی براہ راست تربیت ہوتی رہی۔ ان تین پھونکوں نے تو آپ کے اندر کن کا کام کیا ہے۔ جس طرح اللہ تعالیٰ کی ذات میں کائنات کا علم اور کائنات کی جملہ صفات موجود تھیں۔ اللہ نے کن کہا تو کائنات کی صفات نے ایک قدم نیچے اتر کر اپنے علوم کا مظاہرہ کر دیا۔ کائنات اگر اللہ کے علم میں نہ ہوتی تو علم سے باہر کیسے آتی۔ اسی طرح اگر حضور قلندر بابا اولیاء کے اندر عرش معلیٰ سے لے کر تحت الثریٰ تک کے انوار موجود نہ ہوتے تو وہ کیسے ان کا مشاہدہ کرتے۔ حضرت ابو الفیضؒ نے تین پھونکوں میں انہیں ان کے باطن میں دکھایا۔ ساری کائنات آدمی کے اندر ہی ہے۔ پہلے اپنے اندر غیب کے انوار و تجلیات تو جمع کر لو پھر جتنی پھونکیں کہو گی مار دیں گے۔ جانے انہیں ہماری بات کا یقین آیا بھی یا نہیں۔

آج کے دور میں جس کی طرف نظر ڈالو پریشانیاں دکھائی دیتی ہیں سمجھ میں نہیں آتا پاکستان میں پریشانیوں کی یہ زرخیزیاں کہاں سے آ گئیں۔ جبکہ سندھ اور راوی کا پانی تو سوکھتا جا رہا ہے۔ معلوم یہ ہوا کہ قوم نسلی طور پر کاشتکار ہے اور موجودہ دور کی بہترین فصل پریشانی ہے۔ سوچا دیکھیں اس زمین پر کیسے کیسے پھل لگتے ہیں۔ بہت اچھی' بہت ماڈرن' تن و توش میں نہایت تندرست دکھائی دینے والی جوان خاتون سے ملاقات ہوئی۔ بولیں میں سخت پریشان ہوں' اپنی زندگی سے عاجز ہوں' ڈپریشن تو کبھی ایسا بڑھ جاتا ہے کہ گلی میں ننگے پیر نکل جاتی ہوں۔ کوئی سامنے آئے تو غصے سے چیزیں دے مارتی ہوں۔ ہم نے بظاہر ان کے لباس کو دیکھ کر یہ اندازہ لگایا کہ مالی پریشانی تو نہیں ہو سکتی۔ جس کی فوراً ہی تصدیق بھی ہو گئی کہ مال و دولت کی کمی کا تو سوال ہی نہیں پیدا ہو سکتا۔ تو پھر ضرور

کوئی گھریلو پریشانی ہو گی۔ بولیں۔ قطعی نہیں۔ گھر میں بال بچے' ماں باپ' بہن بھائی سب ٹھیک ہیں۔ یا اللہ پھر کیا بات ہے۔ ہم نے ہتھیار ڈال دیئے۔ اب آپ ہی اپنے بارے میں کچھ فرمادیں پھر ایسی حالت کیوں ہے۔ بولیں اگر مجھے معلوم ہوتا تو آپ کے پاس کیوں آتی۔ بات بھی درست تھی۔ تمام حالات کا تفصیلی جائزہ لینے کے بعد ہم صرف اس نتیجے پر پہنچے کہ ان محترمہ کے پاس دولت خوب ہے' گھر کا ہر کام نوکروں کے سپرد ہے۔ بال بچوں کے چھوٹے چھوٹے کام کرنے سے ایک ماں کو ایک بیوی کو ایک بیٹی کو جو خوشی ہوتی ہے' یہ ساری خوشیاں تو نوکر سمیٹ لے جاتے ہیں۔ اب کریں تو کیا کریں۔ سارا وقت سو کر گزارا بھی نہیں جاتا۔ فضول گھومنے گھمانے میں ذہن اور خراب ہوتا ہے۔ روحانی خوشی سے خالی دماغ خود اپنے آپ پر بوجھ بن گیا ہے۔ اے میری پریشان بہن! اللہ نے تجھے مال فراوانی کے ساتھ دیا ہے' اس کی اس عطا پر شکر گزار ہو۔ بولیں شکر تو ہر وقت اٹھتے بیٹھتے کرتی ہوں۔ ہم نے کہا وہ تو تیری زبان کا شکر ہے۔ جسم تو ظاہری خول ہے۔ تیرے شکر سے تیری روح خالی ہے۔ وگرنہ تیرا یہ حال نہ ہوتا۔ روحانی شکر یہ ہے کہ اس کی عطا کردہ نعمت کو اس کی مخلوق کے فائدے میں خرچ کرو۔ ہر انسان کو اللہ نے اپنی نعمتوں کے ساتھ پیدا کیا ہے۔ بندے کا اس نعمت کے ساتھ مخلوق خدا کے فائدے میں تصرف کرنا ہی اصل شکر ہے۔

عورتوں کی عام پریشانی تعویز گنڈا اور سفلی عملیات ہیں۔ کسی نے کسی کا رزق باندھا ہوا ہے' کسی نے رحم باندھ دیا ہے' کسی نے شوہر کو تعویز کرا کے گھر سے بدظن کر دیا ہے۔ حتیٰ کہ شوہر کی بدچلنی بھی تعویزوں کا اثر بتایا جاتا ہے اور سارا شک قریب ترین رشتے داروں کو پہنچتا ہے۔ شک وسوسوں کی اس زنجیر میں گھر کا ہر فرد بندھ جاتا ہے۔ پھر پریشانی کا دور دورہ کیسے نہ ہو۔ اب غریبی میں اور آٹا گیلا ہوا۔ بال بچوں کی ضروریات تج کر کے ذہنی سکون حاصل کرنے کے لئے تعویز خریدے جاتے ہیں۔ اے میری بھولی بھالی ماؤں! بہنو اور بیٹو! ذرا تو عقل سے کام لو۔ ذرا سوچو تو تم کون ہو؟ تم اللہ کی بہترین مخلوق ہو جس کو اللہ نے فرشتے اور جنات (ابلیس) دونوں کے سامنے پیش کیا۔ فرشتوں نے اللہ کے حکم پر تمہاری حاکمیت قبول کر لی اور ابلیس نے اللہ کا حکم رد کر کے تمہاری حاکمیت کا انکار کر دیا۔ اللہ نے فرشتوں کو تمہارا دوست بنا دیا اور ابلیس تمہارا کھلا دشمن قرار دے دیا گیا۔ فرشتے قوت رحمانی کے ساتھ تمہاری دوستی کا حق ادا کرتے ہیں اور تمہارے قلب و ذہن میں نور بھر کر غیب کی انسپائریشن کرتے ہیں۔ جبکہ ابلیس تمہارا کھلا دشمن اپنے غلیظ ہتھکنڈوں کے ساتھ تمہارے اندر شک اور وسوسے انسپائر کرتا رہتا ہے۔ نور قوت ایمان ہے اس سے یقین پیدا ہوتا ہے اور شیطانی وسوسے قوت ابلیس ہے۔ جو انسان کے اندر یقین کو کمزور بنا دیتی ہے۔ انسان فرشتوں اور ابلیس کے درمیان ہے۔ چاہے جس کی انسپائریشن قبول کرے دوست کی یا دشمن کی۔ یہ آج تمہیں کیا ہو گیا۔ تم سب کے سب دشمن کی بات قبول کرنے لگی ہو۔ کئی عورتیں بولیں۔ جادو گنڈے' تعویز کا ذکر تو قرآن میں ہے۔ حضور پاکؐ پر بھی جادو کا اثر ہوا تھا۔ ہاں ہوا تھا اور ضرور ہوا تھا۔ مگر یہ تو سوچو۔ حضور پاکؐ صاحب وحی ہیں۔ اللہ کا کلام ان پر نازل ہوا ہے۔ یعنی وحی کے انوار آپ کے قلب کے اندر داخل ہوئے اور آپ کے حواس نے انہیں محسوس کیا۔ اللہ کے کلام میں اگر شر کے علوم کا ذکر ہے تو کلام الٰہی کی یہ روشنی بھی آپ کے قلب میں داخل ہوئی اور آپ کے حواس حمیدہ کو ان کے اثرات سے روشناس کرایا گیا تاکہ وحی کے نزول کا کوئی پہلو آپ کے مشاہدہ سے خالی نہ رہ جائے۔ کیونکہ اللہ خیر اور شر دونوں کا مالک ہے

بس اس نے اپنے محبوب کو خیر اور شر دونوں علوم کے بارے میں بتا دیا۔

قوت شیطانی میں شر کی قوت موجود ہے جو عقل انسانی کو سلب کر لیتی ہے اور دل ودماغ کو کمزور بنا دیتی ہے اور اس سے جسم متاثر ہوتا ہے۔ آج قوم کی اکثریت ابلیس کی دوست بن کر اس کی قوت سے کام لے رہی ہے۔ پھر جہاں دشمن ہو وہاں دوست کا کیا کام۔ قوت ایمان ویقین کہاں سے آئے گا۔ یہی وجہ تو ہے کہ قلب پریشان ہیں۔ بس صرف اتنا سا کام کرو۔ اللہ نے فرشتوں کو تمہارا دوست بنایا ہے فرشتوں کی انسپائریشن قبول کرو تاکہ ذہن میں اچھے اچھے خیالات پیدا ہوں اور قلب میں ان خیالات کی روشنی داخل ہو اور شیطان تمہارا کھلا دشمن ہے اس کی انسپائریشن کو ہرگز بھی قبول نہ کرو۔ فوراً رد کردہ فوراً رد کردو۔ اگر ایک لمحے بھی شیطانی خیال تمہارے ذہن میں ٹھہر گیا تو اپنا اثر پھیلانا شروع کر دے گا۔ شیطان کی ذات شک، وسوسہ ہیں۔ رد کردو گے تو اوپر سے خیال گزر جائے گا پھر کیسے نقصان پہنچ سکتا ہے۔ فرشتے انسان کے دوست ہیں۔ وہ انسان کو خوشی کی لہریں منتقل کرتے ہیں ابلیس دشمن ہے۔ وہ رنج وغم کی لہریں منتقل کرتا ہے۔ خوشی اور غم دونوں اندرونی کیفیات کا نام ہے۔

خلیل اللہ

آدھی رات کو گہری نیند سے اچانک آنکھ کھلی۔ غنودگی کے عالم میں درد میں ڈوبی ہوئی ایک عجیب آواز سنائی دی۔ اس شیریں آواز کی ہر لہر ساعت کے اندر اترتی محسوس ہوئی۔ جس کی لے میں ہزاروں ساز شامل تھے۔ میرے تمام حواس اس مدھر تان پر مجتمع ہو گئے۔ کیا دیکھتی ہوں کہ آگ کے بڑے بڑے دریا ہیں۔ جن میں لاوے کی طرح آگ بہہ رہی ہے اور پہاڑ کی طرح شعلے اٹھ رہے ہیں۔ روح مجذوبیت کے عالم میں اپنی دھن میں گاتی ہوئی آگے بڑھی چلی جا رہی ہے۔ اس نے ایک خوبصورت سرخی مائل اورنج رنگ کی چادر اوڑھی ہوئی ہے اور اس چادر میں وہ خود ایک شعلہ جوالہ دکھائی دیتی ہے۔ اس کے نغمہ دل کے الفاظ میری ساعت میں گونجنے لگے۔

لکڑی جل کوئلہ بھئی اور کوئلہ جل بھئی راکھ
میں پاپن ایسی جلی نہ کوئلہ بھئی نہ راکھ

خوف کی ایک لہر میرے تن بدن میں دوڑ گئی مگر دوسرے ہی لمحے یہ خوف حیرت میں بدل گیا۔ آخر آگ کے ان دریاؤں میں روح کس طرح اپنی چادر کا پلو ہاتھ سے گھماتی گاتی چلی جا رہی ہے۔ اس ظالم آگ میں تو لوہا بھی ڈالتے ہی پگھل جائے۔ کمال ہے روح کے تو پاؤں بھی جلتے نظر نہیں آتے اور میں اس حیرت میں اٹھ کر آگ کے دریا کے کنارے جا کھڑی ہوئی۔ جہاں حد نگاہ تک، ایک دوسرے کے متوازی بیشمار آگ کے دریا بہہ رہے تھے۔ میں نے اسے زور سے آواز دی۔ اچھی روح اس خوفناک آگ میں تم

کس طرح آرام سے چل رہی ہو۔ کیا تمہیں اس کی تپش محسوس نہیں ہوتی؟ میری آواز سن کر وہ چونک گئی اور ایک لمحے کو ٹھہر گئی۔ اس نے پیچھے مڑ کر مجھے دیکھا اور ایک نظر دیکھنے کے بعد پھر اسی طرح گاتی ہوئی اپنی راہ پر چل پڑی' مگر اب جو میری نظر اس کے پاؤں پر پڑی تو کیا دیکھتی ہوں کہ اس کے قدموں کے نیچے آگ گلزار بنتی جا رہی ہے اس کا ہر قدم لالہ و سنبل کے پھولوں پر ہے۔ اس کے پائے نور کو چھوتے ہی انگارے پھول بن کر کھل اٹھتے ہیں۔ میری حیرت کی انتہا نہ رہی۔ جی چاہا کسی طرح بھاگ کر اسے پکڑ لوں اور اس سے یہ راز دریافت کر لوں۔ اسی شوق میں آگے بڑھنے کے لئے قدم اٹھایا تو لاوے کے بہتے ہوئے ریلے کو دیکھ کر دس قدم پیچھے ہٹ گئی۔ پھر جستجوئے شوق نے آگے بڑھایا' مگر اسی لمحے ایک بھڑکتا ہوا شعلہ سطح دریا پر نمودار ہوا۔ اور میں پھر ایک کر پیچھے ہٹ گئی۔ اس دو مرتبہ کی ناکامی نے شوق کو کچھ اور بھڑکا دیا اور مجھے اپنے اندر ایک جلالی کیفیت محسوس ہوئی۔ اس کیفیت میں ارادے میں پہلے سے بہت زیادہ قوت محسوس ہوئی اور میں تیزی سے آگے بڑھ کر بالکل لب دریا کھڑی ہو گئی اور اپنی پوری قوت سے روح کو آواز دی۔ میری آواز سنتے ہی وہ پلٹ کر نہایت ہی تیزی سے میری طرف دوڑتی چلی آئی اور میرا ہاتھ تھام لیا انتہائی محبت کے ساتھ مسکرا کر بولی۔ تم نے مجھے پکارا ہے۔ اس کے لہجے میں بے پناہ خوشی کا احساس تھا۔ جیسے میرے پکارنے پر وہ خوش ہو گئی ہے۔ میں نے اس سے کہا۔ آگ کے یہ دہکتے شعلے میرے جسم کو تو جلا کر کوئلہ اور راکھ بنا دیتے ہیں۔ پھر تم پر اس کا اثر کیوں نہیں ہوتا؟ پیاری روح! مجھے بھی اس کا بھید بتا دو۔ میں نے خوشامد سے اس کا ہاتھ سہلایا۔ وہ میری اس بچکانہ حرکت کو دیکھ کر زور سے ہنس پڑی۔ اسی لمحے اس کی نظروں سے محبوبیت کی ایک تجلی چمکی اور وہ عشق میں ڈوبی آواز میں گویا ہوئی۔ پگلی! مجنوں کو سگ لیلیٰ بھی لیلیٰ ہی نظر آتا ہے اور ان الفاظ کے ساتھ ہی اس کی نظر کی تجلی میرے قلب میں داخل ہو گئی۔ میرے اندر عشق کے سوتے پھوٹ پڑے اور آن کی آن میں عشق کے اس چشمے نے تمام آگ کو بجھا دیا۔ اب میری حد نگاہ تک لالہ و گل پھیلے ہوئے تھے۔ میں بے خیالی میں عشق حقیقی کی دھن میں مسرور روح کا ہاتھ پکڑ کر دریا میں اتر آئی۔ جہاں ہر طرف پھول بکھرے تھے۔ آگ کا تصور ہی میرے ذہن سے قطعی طور پر نکل گیا۔ ہم پھولوں کے ان تختوں پر ایک دوسرے کا ہاتھ پکڑے گھومنے لگے۔ روح کہنے لگی۔ جلتی آگ کو گلزار بنانے کا قانون حضرت ابراہیم علیہ السلام اور نمرود کے قصے میں ہے جس میں نمرود نے منوں ٹنوں آگ کو دہکا کر حضرت ابراہیم علیہ السلام کو گوپھن کے اندر رکھ کر اس جلتی آگ میں پھینک دیا تھا' مگر آپ کے آگ میں داخل ہوتے ہی آگ گلزار بن گئی تھی اور آپ اطمینان سے چلتے ہوئے اس گلزار سے باہر نکل آئے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے "خلیل اللہ" یعنی اللہ کا دوست کہا ہے۔ دوست وہی ہوتا ہے جو دوست کا لباس پہن لیتا ہے۔ یعنی دوست کی طرز فکر کو اپنا لیتا ہے اور سچے دوست کی محبت قربانی و ایثار کا مجموعہ ہے اور یہی دوستی اسی وقت ممکن ہے جب ایک دوسرے پر بھروسہ کامل اور یقین مستحکم ہو اور دونوں دوستوں کا آپس میں یقین اور بھروسہ ایک ہی سطح پر ہو۔ چونکہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو دوست کہا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے دوستی کا جو معیار مقرر کیا ہے حضرت ابراہیم علیہ السلام اس معیار پر پورے اترتے ہیں اور اللہ تعالیٰ نے اپنے دوستوں کے لئے جنت کی راحتیں رکھی ہیں۔ آگ دوزخ کے عذاب میں ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے دوستوں کو آگ میں جلنے سے محفوظ رکھتا ہے۔ جیسا کہ اس نے اپنے کلام میں فرمایا ہے

کہ جو لوگ اللہ تعالیٰ کے نافرمان ہیں ان کی سزا نار جہنم ہے۔ لہٰذا جو اللہ تعالیٰ کا فرمانبردار دوست ہو گا وہ اللہ تعالیٰ کی سزا سے بچا رہے گا۔ کوئی آدمی جب دوسرے آدمی کی صفات کو اپنا لیتا ہے تو وہ اس کا گہرا دوست بن جاتا ہے۔ اسی طرح بندے کے اندر جب اللہ تعالیٰ کی صفات پیدا ہو جاتی ہیں تو بندے کے اعمال اللہ تعالیٰ کی صفات کا عمل بن جاتے ہیں اور بندے کا ارادہ اللہ تعالیٰ کے ارادے کی حرکت بن جاتا ہے اور بندے کی ہر حرکت اللہ تعالیٰ کے امر کی حرکت بن جاتی ہے۔ روح چونکہ "امر ربی" ہے۔ جب روح کے اندر اللہ تعالیٰ کی صفات کی روشنیاں متحرک ہوتی ہیں اور شعور ان روشنیوں کو قبول کر لیتا ہے تو بندہ شعوری طور پر اسمائے الٰہیہ کی روشنیوں کے قوانین سے واقف ہو جاتا ہے اور ان کے علوم سیکھ لیتا ہے اور اس کا ارادہ اللہ کے امر کے تابع ہو جاتا ہے۔ ایسے فرمانبردار بندوں کے لئے آگ کے اندر اللہ تعالیٰ کا یہ حکم کام کر رہا ہے کہ وہ ایسے بندوں کے لئے اپنی صفت نار کو تبدیل کر کے صفت نور بن جائے۔ کائنات کی ہر شئے اللہ تعالیٰ کی صفات یا اسمائے الٰہیہ کی تجلیوں کا ڈیلے ہے۔ ہر شے کو اللہ نے دو رخوں پر بنایا ہے۔ اگر ایک رخ ظاہر ہے تو دوسرا رخ باطن ہے۔ ظاہر رخ کی صفات باطن سے متضاد ہیں' اگر ظاہر میں ٹھنڈک ہے تو باطن میں گرمی ہے۔ اسی طرح آگ کی صفت ظاہر میں جلانے والی ہے تو باطن میں ٹھنڈک اور زندگی بخشنے والی ہے۔ اللہ کے دوستوں کا ارادہ شے کے اندر روشنیوں کی صفات کا رخ پلٹ دیتا ہے۔ اس طرح شے کا وہ رخ جو نقصان پہنچانے والا ہے وہ باطن میں چلا جاتا ہے اور وہ صفات جو زندگی بخش ہیں وہ ظاہر میں آ جاتی ہیں اور اسی مناسبت سے صفات کے تبدیل ہونے سے شے کی شکل وصورت اور ہیئت میں بھی فرق آ جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے دوستوں کو کائنات کی کوئی شے نقصان نہیں پہنچا سکتی۔ خواہ ان کے راستے میں آگ کے ہزاروں دریا آ جائیں کیونکہ ان کے ذہن میں اس بات کا یقین ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق سے محبت رکھتا ہے اور اپنے بندوں کو دوست رکھتا ہے اور کوئی دوست کسی دوست کو نقصان نہیں پہنچا سکتا۔ اس لئے ان کے شعور میں یہ بات آ جاتی ہے کہ اللہ کی بنائی ہوئی کسی شے سے انسان کو نقصان نہیں پہنچ سکتا۔ اسی یقین کے ساتھ وہ راہ کی ہر رکاوٹ سے گزر کر اپنی منزل کو پہنچ جاتا ہے۔

ہم اس طرح پھولوں کے تختوں کو عبور کرتے ہوئے حرم شریف میں پہنچ گئے۔ حرم شریف کے دروازے سے آہستہ آہستہ روح چلتی ہوئی کعبہ شریف کی طرف بڑھنے لگی۔ اس کی نظر برابر کعبہ شریف پر لگی ہوئی تھی۔ اس وقت مجھے ایسا لگا جیسے میرا وجود روح کے اندر ہے اور روح کی آنکھوں سے میں یہ تمام نظارہ کر رہی ہوں روح اور میں ایک ہی جسم ہیں۔ کعبہ شریف کی جگہ ایک اونچا سا چبوترا بنا ہے اور اس چبوترے کے اوپر سے تجلی آ رہی ہے۔ تجلی کے ساتھ ساتھ نظر اوپر پہنچ گئی۔ معلوم ہوا یہ تجلی عرش سے کعبہ شریف کے مقام پر اس چبوترے پر آ رہی ہے دنیا کی حدود میں آتے آتے یہ تجلی ایک انتہائی حسین جلوے کی شکل میں رونما ہو گئی اور یہ جلوہ کعبہ شریف کے چبوترے پر ظاہر ہوا۔ خیال آیا یہ اسمائے الٰہیہ کے جلوے ہیں۔ روح اس کے قریب پہنچ گئی اور اس کے قدموں میں سر کو جھکا دیا اور نہایت عاجزی وانکساری کے ساتھ اسم الٰہی کے اس جلوے سے اپنے کاموں میں مدد چاہنے لگی۔ اس وقت روح کی حالت عجزوانکسار کی وجہ سے لاچار وبے بس دکھائی دیتی تھی۔ وہ بار بار چبوترے سے اپنا سر ٹکراتی اور اسم الٰہی کا نام لے کر اس پر اپنی محتاجی ظاہر کرتی۔ یہاں تک کہ اس جلوے کی نظروں سے تجلی کی روشنی نکلی اور روح کے اندر سرایت کر گئی۔ اسی وقت روح کو سکون حاصل ہو گیا اور وہ

سجدے میں گر کر شکر ادا کرنے لگی۔ اسی لمحے روح کے اندر سے نور کا ایک پرت نکلا۔ یہ بالکل روح کی طرح کا جسم تھا' مگر یہ جسم روح سے بھی ہلکا پھلکا لگتا تھا جیسے روح کا سایہ ہو۔ روح اسی طرح سجدے میں گری شکر ادا کر رہی تھی۔ یہ سایہ جیسے ہی باہر نکلا۔ اسم الٰہی کے اس جلوے نے بڑھ کر اس سایے کو اپنے دونوں ہاتھوں میں اٹھا لیا اور ہاتھ آسمان کی جانب بلند کر دیئے اور بہت آہستہ آہستہ بہت ہی محبت اور خشوع کے ساتھ اوپر تجلیوں کی جانب نظر کرتے ہوئے فرمانے لگا۔ اے اللہ' اے آسمان و زمین کے پیدا کرنے والے' اے عرش کے مالک' اے زندگی و موت کے خالق' اس روح کو اپنی بارگاہ اقدس میں قبول فرما۔ اس لمحے عرش سے ایک تجلی اترتی چلی آئی اور اس تجلی سے برف کی طرح رحمت برسنے لگی۔ روئی کے گالوں کی طرح رحمت نے روح کے اس پرت کو جو ہر لباس سے بیگانہ تھا' ہر طرف سے ڈھانپ لیا۔ اسی لمحے مجھے ایسا محسوس ہوا جیسے یہ شعور کی ذات ہے اور شعور ایک برہنہ لاش کی مانند تھا۔ جس کو اللہ نے اپنی رحمت سے ڈھانپ دیا ہے۔ شعور میں یہ بات آگئی کہ یہ اسم الٰہی کا جلوہ ہے جو اللہ تعالیٰ کی صفات کا جلوہ ہے۔ روح اسمائے الٰہیہ کے جلووں کو دیکھنے کی طاقت رکھتی ہے۔ اسمائے الٰہیہ کے جلوے کعبہ شریف پر عرش سے نازل ہونے والی تجلیوں میں ظاہر ہوتے ہیں۔ جب بندے حرم شریف میں جا کر اپنے دل کی گہرائیوں سے روح کے شعور کے ساتھ اپنے رب سے عاجزی کرتے ہیں اور اپنی محتاجی کے ساتھ اس سے مدد مانگتے ہیں تو اسمائے الٰہی کے یہ جلوے روح کی مشکل آسان کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ کی ذات کی طرف رجوع کرتے ہیں اور ذات باری تعالیٰ سے بندے کے لئے دعا کرتے ہیں۔ جس سے بندے کی حاجت پوری ہو جاتی ہے۔

چند لمحوں بعد روح نے سجدے سے سر اٹھایا۔ اسم الٰہی کے جلوے نے رحمت الٰہی سے لپٹی ہوئی اس لاش کو روح کی آغوش میں دے دیا۔ اسی لمحے یہ لاش زندہ ہو گئی اور حرم شریف کے فرش پر چلنے لگی۔ مجھے محسوس ہوا یہ شعور کا جسم ہے۔ روح نے بچے کی طرح اس کا ہاتھ پکڑ لیا اور حرم شریف کے آداب سکھانے لگی۔ مجھے ایسا لگا جیسے پوری کائنات اللہ کا گھر یا حرم شریف ہے۔ اس دنیا اور اس تمام کائنات میں چلنے پھرنے اور سیر کرنے کے لئے وہی ادب اور احترام سیکھنے کی ضرورت ہے جو ادب و احترام حرم شریف کے لئے مخصوص ہیں اور مضبوطی سے پکڑ لیا۔ پیاری روح! تم ہی میری رہبر ہو۔ مجھے حرم شریف کے آداب سکھا دو وہ نہایت شفقت کے ساتھ مسکرائی اور ہم حرم شریف میں گھومنے لگیں۔

الحان داؤدی

مراقبہ میں بیٹھی، پہلے تو ایسا لگا جیسے ایک سیاہ چادر نظر کے سامنے تنی ہوئی ہے۔ نہ نظر اس سیاہی کے سوا کچھ دیکھ سکتی ہے، نہ ہی تفکر اس لاعلمی کی دیوار سے آگے بڑھتا ہے۔ خیال آیا، یہ سیاہی یہ اندھیرا لاعلمی کا ہے۔ میرے ارادے کی دیوار ہے، جب تک یہ دیوار نہیں ہٹے گی نظر اس کے پیچھے کام نہیں کرے گی۔ کیونکہ نظر میں کوئی خرابی نہیں ہے۔ مگر نظر کی روشنی کے سامنے ارادے کی محدودیت نے ایک حد کھینچ دی ہے، اور یہی حد سیاہ دیوار شکل میں سامنے ہے۔ نظر کے سامنے جب صرف ایک ہی رنگ ہو گا تو تفکر بھی اسی ایک نقطے کے اوپر جم کر رہ جاتا ہے۔ جب تک نظر نقطے کی بیرونی سطح پر دیکھتی ہے۔ اس کو سوائے سیاہی کے کچھ نہیں ملتا اور تفکر یکسانیت کو زیادہ دیر برداشت نہیں کر سکتا۔ جب نظر کسی ایک نقطے پر مرکوز ہو جاتی ہے۔ تو ذہن کے بارہ کھرب خلیوں پر تفکر کی روشنی بیک وقت پڑتی ہے۔ سارے ذہن پر اس فکر کا دباؤ پڑتا ہے۔ ذہن کا ہر خلیہ روشنیوں سے یکساں طور پر فیڈ ہوتا ہے۔ یہاں تک کہ خلیوں میں مزید روشنیوں کے جذب کی طاقت نہیں رہتی۔ تب ذہن کا خلاء روشنیوں سے پر ہو جاتا ہے اور تفکر ان روشنیوں میں معنی پہناتا ہے اور نظر تفکر کے ہیولے کو خدوخال اور شکل وصورت کے ساتھ دیکھنے لگتی ہے۔ لاعلمی کا اندھیرا دور ہو جاتا ہے اور تفکر آزاد ہو جاتا ہے۔

اسی لمحے اس گھپ اندھیرے میں روشنی کا ایک جھماکہ ہوا۔ میری آنکھیں جیسے چندھیا سی گئیں۔ پلک جھپکنے کے بعد دوبارہ آنکھیں کھلیں تو بالکل سامنے روشنیوں کا ایک حسین مرقع دکھائی دیا۔ حسن وجمال کا رنگین نمونہ۔ بے شمار رنگوں کے امتزاج سے ڈھلا ہوا یہ حسین مجسم جیسے کسی مصور کا بہترین شاہکار۔ جس کے اندر بنانے والے نے اپنے قلم کا ہر رنگ بھر دیا ہے۔ صناع قدرت کے ہر رنگ میں ڈھلی ہوئی یہ صورت حسن فطرت کا ایسا معصوم شاہکار ہے کہ خود فطرت جھک جھک کر اس کی معصومیت کی بلائیں لیتی ہے۔ سبحان اللہ۔ یقیناً میرا رب احسن الخالقین ہے۔ اس کی پیدا کی ہوئی ہر شئے اسی کے جمال کا ایک عکس ہے نظر جیسے اس سراپائے نور پر جم کر رہ گئی۔ نظر کی تپش نے اس مہوش ومہ جبین کے رگ وریشے میں زندگی کی حرارت دوڑا دی فطرت کی معصوم ادائیں اس کی انگڑائی بن گئی، حسن کی تمام رعنائیاں اس کی ایک حرکت میں سمٹ آئیں، خوابیدہ حسن جاگ اٹھا۔ عشق اپنی تمام فتنہ پردازیوں کے ساتھ عمل میں آگیا۔ دل سے خوشی کی ایک لہر سی اٹھی۔ جس کے ہر زیر وبم میں محبوب کا نام تھا۔ ہر دھڑکن میں محبوب صدا بن کر سمایا ہوا تھا اور یہی صدا لبوں پر نغمہ عشق بن کر فضا میں گونجنے لگی۔ میری نظر نے دیکھا کہ میری روح اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا بیان کر رہی ہے۔ اس کی جادو بھری آواز نے ساری کائنات کو اپنے سحر میں لپیٹ لیا۔ دیکھتے ہی دیکھتے پہاڑ وجد میں آ گئے۔ درختوں کے پتے جھوم جھوم کر اس کی مدھر آواز میں اپنی آواز ملانے لگے۔ روح نے مسکراتے ہوئے جھک کر ایک چھوٹا سا پتھر اپنے ہاتھ میں لیا اور ہتھیلی پر یہ پتھر اس کے ساتھ حمد وثنا کرنے لگا۔ مجھے یاد آیا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام پاک میں فرمایا ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے خوش الحانی کی دولت سے نوازا تھا۔ جب آپ اللہ کی حمد وثنا کرتے تھے۔ تو آپ کے ساتھ پہاڑ اور پتھر بھی اللہ تعالیٰ کی تعریف بیان کرنے میں شامل ہو جاتے تھے۔ الحمد اللہ یقیناً حضرت داؤد علیہ السلام کی خوش الحانی کائنات کی تمام مخلوق میں تقسیم ہوئی

ہے۔ میں نے دیکھا۔ روح کے چاروں طرف ننھے منے جانور چرند' پرند فطرت کی ہر معصومیت سمٹ آئی ہے۔ اس کی نظر میں سب کے لئے بے پناہ پیار امنڈ آیا ہے۔ اس کے روئیں روئیں سے عشق کے ساغر چھلک رہے ہیں اور ساری کائنات اس کے نشے میں ڈوبی ہوئی ہے۔ میں نے موقع غنیمت جانا اور تیزی سے اس کی طرف بڑھی۔ مجھے اپنے قریب دیکھ کر پہلے اس نے ایک اچٹتی نظر مجھ پر ڈالی اور پھر فوراً اس کے لہراتے لب خاموش ہو گئے۔ اس کی نغمہ سرائی رک گئی۔ ایسا لگا جیسے بہتے جھرنے تھم گئے ہیں۔ نسیم سحر چلتے چلتے رک گئی ہے۔ کائنات کی ہر شئے مجھے خشمگیں نگاہوں سے گھورنے لگی۔ جیسے میری دخل در معقولات ان کے اوپر گراں ہے۔ میں نے جلدی سے اس سکوت کو توڑا۔ اپنے لہجے میں اپنے اندر کی تمام تر مٹھاس کو شامل کرتے ہوئے خوشامدانہ انداز میں بولی۔ پیاری روح! مجھے افسوس ہے کہ میں تمہارے وقت میں مخل ہوئی۔ مگر یقین کرو' یہ سب تمہاری ساحرانہ آواز کا جادو ہے۔ جو مجھے ایک تنکے کی مانند تمہاری جانب کھینچ لایا ہے۔ ورنہ میری یہ جرات نہ تھی کہ تمہارے کام میں دخل اندازی کروں۔ میری یہ عاجزی وانکساری کام کر گئی۔ اس کے بند لب آہستہ آہستہ کھلنے لگے۔ سچے موتیوں جیسے دانت چمک اٹھے اور خوشیوں سے بھرپور کھنکتی آواز سے ایک بار فضا پھر جھنجنا اٹھی۔ نہیں تم تو ہماری مہمان ہو۔ مہمان کی آمد رحمت ہے۔ وہ کائنات کی تمام اشیاء کی جانب دیکھتے ہوئے بولی۔ ہم سب تمہاری میزبانی کے لئے دل وجان سے تیار ہیں۔ یہ سن کر کائنات کی ہر شئے ایک آواز میں بول اٹھی۔ ہاں ہاں کیوں نہیں یہی تو ہمارے واسطے ہمارے رب کا حکم ہے اور اس حکم کو ہم تک پہنچانے والی یہ روح ہے۔ جو اللہ کا امر ہے۔ ہم سب اپنے رب کے اور اپنے رب کے احکامات ہم تک پہنچانے والی ہستی کے تابعدار ہیں اور شکر گزار ہیں کہ اس نے ہمیں اپنی خدمت میں قبول فرمایا ہے۔

فطرت کے ننھے منے جانبازوں کی یہ جانثاری' یہ وفاداری' یہ تابعداری' دیکھ کر میری نظر کے سامنے بے شمار پروانے آ گئے۔ ایک لمحے کو ایسا لگا۔ جیسے روح ایک جلتی ہوئی شمع ہے اور کائنات کی تمام مخلوق پروانہ ہے۔ شمع کی روشنی پر پروانے دیوانہ وار نثار ہوتے ہیں۔ ان کے ذہن میں اس بات کا تصور ہی نہیں ہوتا کہ شمع کی تپش انہیں جلا کر خاکستر بھی کر سکتی ہے۔ وہ تو بس شمع کے دیوانے ہیں۔ اس کی روشنی کو دیکھ کر شمع کی قربت کی آرزو پروانوں کے اندر اپنی پوری آب و تاب کے ساتھ روشن ہو جاتی ہے اور یہی آرزو انہیں شمع کی تپش سے بے نیاز کر کے شمع کے قریب تر کر دیتی ہے۔ میری نظر میں شمع کے اندر جلنے والی ڈوری آ گئی۔ عشق کی اس ڈور میں تمام پروانوں کے دل بندھے ہوئے تھے۔ اسی لمحے عشق حقیقی کی ڈور ہلی۔ میری نظر شمع کے شعلے پر مرکوز ہو گئی۔ شمع کا تفکر میرے اندر منتقل ہونے لگا اور خیال کے پردے پر یہ شعر ابھر آیا۔

شمع نے آگ رکھی سر پہ قسم کھانے کو
بخدا میں نے جلایا نہیں پروانے کو

میں نے بڑے درد کے ساتھ سوچا۔ آہ! شمع کا دل تو خود پروانوں کے عشق کی آگ میں جل رہا ہے۔ اتنے میں روح کی نشیلی آواز کانوں میں آئی۔ ہمارے عشق کا ایسا بے کنار سمندر ہے۔ جس کے اندر کائنات کی ہر شئے ڈوبی ہوئی ہے۔ اسی کے بحر عشق نے ہم سب کو اپنی آغوش میں لے رکھا ہے۔ سمندر کا پانی سمندر میں بسنے والی ہر مخلوق کے لئے ہے۔ آؤ اور تم بھی اس پانی سے اپنی پیاس بجھاؤ اس کے دریائے عشق میں ڈوب جاؤ۔ تم جان لوگی کہ سطح سے لے کر گہرائی تک ہر قدم پر اس کے عشق کا ایک نیا مزا اور

نیا لطف ہے۔ اس کی اتھاہ گہرائیوں میں ڈوبنے سے مت گھبراؤ۔ تم ہماری مہمان ہو اور میزبان پر یہ فرض ہے کہ مہمان کے آرام اور پسند کا ہر طرح سے خیال رکھے۔ ہم تمہیں ان گہرائیوں میں ڈوبنے اور کھونے سے محفوظ رکھیں گی۔ اللہ تعالیٰ کی مدد ہر لمحے ہمارے ساتھ ہے۔ روح کا ہر لفظ میرے دل کی گہرائیوں میں داخل ہوتا محسوس ہوا۔ یہاں تک کہ اس کے الفاظ کے موتی میرے دل کی زمین پر پڑے اور جستجو وشوق کا دروازہ کھل گیا۔ میں نے مسکراتے ہوئے روح کا میری جانب بڑھتا ہوا ہاتھ تھام لیا اور اس کے ساتھ سمندر میں چھلانگ لگا دی۔ اندر داخل ہوتے ہی مجھے ایسا لگا جیسے میں کائناتی شعور سے نکل کر ملکوتی شعور میں داخل ہو گئی ہوں۔ عشق کا سرور میرے وجود پر چھانے لگا۔ خوشی کی روشنی دل کے نقطے سے پھوٹنے لگی۔ سارا بدن سمندر کی لہروں کے ساتھ لہرانے لگا اور میرے جسم کا ہر ذرہ زبان بن کر شراب عشق کا مزا چکھنے لگا۔ اسی وارفتگی شوق میں روح کا تھاما ہوا ہاتھ چھوٹ گیا اور میں خود ہی نہایت برق رفتاری کے ساتھ سمندر کے اندر یہاں سے وہاں تک تیرنے لگی۔ گہرائیوں میں ڈوبنے کا خوف یکسر ذہن سے مفقود ہو گیا۔ میری رفتار روح کی رفتار کے برابر ہو گئی۔ روح نے میری طرف دیکھا اور اچنبھے کے ساتھ کہنے لگی۔ ارے تم تو بالکل میری شکل ہو گئی ہو۔ وہی رنگ روپ وہی خدوخال سچ مچ ذرا آئینے میں اپنی شکل تو دیکھو۔ روح کے اس انکشاف پر شوق جستجو سے میرا دل مچل اٹھا۔ میں نے کہا۔ یہاں تو پانی ہی پانی ہے۔ میں آئینہ کہاں سے لاؤں۔ اس نے پھر ایک بار میرا ہاتھ تھام لیا اور ہنستے ہوئے بولی۔ چلو میرے ساتھ اس سمندر کی تہہ میں تمہیں آئینہ مل جائے گا۔ جس میں تم اپنی شکل دیکھ سکو گی۔ اب کے میں نے روح سے اپنا ہاتھ نہیں چھڑایا۔ مبادا بچھڑ جاؤں تو آئینہ کہاں ڈھونڈتی پھروں گی۔ کیونکہ روح تو

یہاں کے چپے چپے سے واقف ہے مگر میں تو یہاں اجنبی ہوں۔ ہم دونوں نہایت تیزی سے تیرتے ہوئے سمندر کی تہہ میں پہنچ گئے۔ سمندر کی تہہ میں ایک جانب اشارہ کرتے ہوئے روح بولی۔ تمہارا آئینہ وہ ہے۔ تم اس میں اپنا چہرہ دیکھ سکتی ہو۔ میں بیتابانہ آئینے کی جانب بڑھی۔ قریب پہنچی تو دیکھا کہ آئینے کے اندر میرے مرشد کریم میرے باباجی کی تصویر ہے۔ میں ایک لمحے کو ٹھٹک سی گئی۔ سوچا شاید یہ میرے ذہن کا عکس ہے۔ یہ سوچ کر آئینہ اٹھا لیا۔ اب اس کی سطح پر مجھے اپنی شبیہ نظر آئی۔ میں خوشی سے دیوانہ وار چلا اٹھی۔ پیاری روح سچ مچ میں تو بالکل ہی تم جیسی ہو گئی ہوں۔ وہ بھی میرے قریب آ گئی اور ہنستے ہوئے میرے گال سے گال ملا دیا۔ ہم دونوں نے بیک نظر آئینے میں اپنے چہرے دیکھے جیسے دو جڑواں بہنیں۔ خوشی سے ہنسنے لگیں۔ روح نے مسرت بھری آواز کے ساتھ کہا۔ دیکھا تم نے یہ سب میرے عشق کی کارفرمائیاں ہیں۔ جس نے تمہیں بھی میری طرح حسین بنا دیا ہے۔ اسی لمحے آئینے کی گہرائی میں باباجی کی شبیہ دوبارہ ابھری۔ جسے دیکھ کر میرے ذہن کا ہر شک وشبہ یکسر دور ہو گیا۔ میں بیساختہ چیخ اٹھی۔ نہیں نہیں۔ یہ سب میرے پیارے باباجی کی نظر کرم ہے۔ جس نے مجھے شیشے سے گوہر آبدار بنا دیا ہے۔ پھر میں نے روح کی طرف دیکھ کر بڑے انکشافانہ انداز میں کہا۔ پیاری روح تم نہیں جانتی کہ مرشد کریم کی نظر عنایت جب سالک کے دل کی سیپی کے اندر شبنم کا قطرہ بن کر داخل ہوتی ہے۔ تو یہی نظر سالک کو ایک انمول موتی بنا دیتی ہے۔ روح نے گہری نظر سے مجھے دیکھا۔ میرے چہرے سے باباجی کے عشق کی پھوٹتی کرن سے اس کا چہرہ اور بھی روشن ہو گیا۔ وہ میری روشنی کو دیکھتے ہوئے عجیب انداز میں ہنسی اور لہراتی ہوئی سمندر کی گہرائیوں میں گم ہو گئی۔

لمحۂ سکوت

یہ کیسی لگی آگ مرے خانۂ دل میں
جاں پسنے لگی میری تمنّاؤں کی سِل میں

محسوس ہوا جیسے سینے میں آتش فشاں پہاڑ پھٹ گیا ہے' جسم کے اندر شعلے بھڑکنے لگے ہیں۔ آگ کی تپش دل تک پہنچ گئی۔ اضطراری کیفیت میں کئی بار میں نے سینے پر ہاتھ پھیرا کہ دل کی جلن میں کچھ تو کمی ہو جائے' مگر دل کی آگ تدبیر سے نہیں تقدیر سے بجھتی ہے۔ میں نے تدبیر کی پتوار ہاتھ سے رکھ دی اور جلتی نیا کو تقدیر کی لہروں پر چھوڑ دیا۔ دل نے آوازی دی۔ ارے پاگل یہ تو عشق کی آگ ہے' عشق کی آگ بجھی تو تمنّاؤں کا عالم سرد پڑ جائے گا' یخ بستہ زمین گل وگلزار کو ترسے گی۔ دل کی حسرت آنسو بن کر آنکھوں سے ابل پڑی۔ اے دل! تو ہی بتا۔ تو کس کی آگ میں جلتا ہے۔ ڈبڈبائی آنکھیں دور خلاؤں میں جا لگیں۔ روح سفید لباس میں پاکیزگی کا نمونہ دکھائی دی۔ بدن اجڑا اجڑا سا' زلفیں بکھری بکھری سی' نہ آنکھوں میں کاجل' نہ ہونٹوں پر سرخی۔ حسین مکھڑے پر اداسیوں کی سرمئی گھٹائیں۔ وہ خود اپنے آپ سے روٹھی روٹھی نظر آئی۔ اسے اس حالت میں دیکھ کر میرے لبوں سے بے ساختہ ایک آہ نکل گئی۔ اس آواز پر اس نے چونک کر میری جانب دیکھا اور پھر فوراً ہی اپنی نگاہیں خلاؤں میں ٹکا دیں۔ میں اس کے درد کو سمجھتے ہوئے آہستہ آہستہ اس کے قریب گئی اور ہمدردی کے طور پر اس کی پشت پر ہاتھ رکھا۔ اچھی روح! میرا سینہ تمہارے غم کی آگ میں جلتا ہے۔ کیا اب بھی میں تمہارے رازوں میں شرکت کرنے کی مجاز نہیں ہوں۔ اس نے ڈبڈبائی آنکھوں سے میری جانب دیکھا۔ اس کے آنسو میری آنکھوں میں سما گئے۔ اس نے میرا ہاتھ پکڑ لیا اور زمین پر بیٹھ گئی۔ میں بھی اس کے برابر میں چپ چاپ بیٹھ گئی۔ فرط غم نے اس کی قوت گویائی جیسے چھین لی تھی۔ خالی نظریں خلاء کی گہرائی میں اترنے لگیں۔ میں بھی ٹھنڈا سانس بھر کر اسی جانب دیکھنے لگی۔ نور کے بادل کی دبیز تہوں کے اندر دور خلاء کی گہرائی میں ایک منظر دکھائی دیا۔

ایک کمرہ ہے۔ جس میں مرشد کریم گاؤ تکیے کے سہارے نیم دراز ہیں۔ کچھ لوگ ان کے ساتھ محو گفتگو ہیں۔ روح مرشد سے ملنے کمرے تک آتی ہے۔ ایک لمحے دروازے میں کھڑے ہو کر مرشد کی تنہائی کا انتظار کرتی ہے۔ پھر یہ سوچ کر واپس لوٹ جاتی ہے کہ جب تک مرشد مصروف ہیں میں شاور لے کر آتی ہوں تاکہ خدمت اقدس کے لئے اپنی جان کو پاک کر لوں۔ روح مرشد کے کمرے کے برابر والے کمرے میں داخل ہو گئی اور شاور کھول دیا۔ ابھی اس کا پورا جسم پانی میں بھیگنے بھی نہ پایا تھا کہ شاور رک گیا۔ شاور کے ساتھ ہی اس کا جسم جس انداز میں تھا اس کا دل' دماغ' آنکھیں سب کچھ چلتے چلتے رک گئیں۔ یوں لگا جیسے وقت کی حرکت رک گئی ہے۔ زمانہ چلتے چلتے ایک دم سے ٹھہر گیا ہے۔ زندگی کو موت کے لمحے نے نگل لیا ہے۔ کمرے میں اندھیرا چھا گیا۔ دوسرے ہی لمحے وقت کی گھڑی پھر سے چل پڑی۔ شاور سے پانی بہنے لگا اور مردہ جسم میں دوبارہ حرکت آ گئی۔ آنکھ کھلتے ہی دماغ میں پہلا خیال یہ آیا کہ یہ سب کچھ میرے ارادے

سے باہر کی چیز ہے۔ یہ شاور جس میں زندگی کا چشمہ ہے جو اسٹریم آف لائف ہے۔ اس کا
بند ہونا میری قدرت سے باہر اور میرے ارادے سے بعید ہے۔ پھر خیال آیا کون جانتا
ہے، مجھے اس حالت میں کتنی دیر ہو چکی ہے، کتنی دیر میں ساکت میں قائم رہی ہوں۔
دوسرے کمرے میں جانے کب سے میرا انتظار کیا جا رہا ہو گا۔ مجھے تو وقت کا کوئی اندازہ
ہی نہیں ہے۔ اندازہ ہو بھی کیسے سکتا ہے جبکہ میرے اندر سے تمام حواس ہی نکالے جا
چکے تھے اور بے ساختہ دل میں یہ خواہش ابھری کاش اس لمحے کو کوئی نہ پہچان سکے۔ میری
تاخیر کو کوئی نہ جان سکے۔ روح نہایت ہی سرعت سے شاور سے فارغ ہو کر مرشد کے
پاس جا بیٹھی۔ اس نے دیکھا وہ اب بھی اسی طرح مصروف ہیں مرشد نے اسے ایک نظر
دیکھا اور وہ جان گئی کہ شاور میں اس کے ساتھ کیا بیتی۔ اس کی خبر کسی کو بھی نہیں ہے۔
اس نے اطمینان کا سانس لیا اور باتوں میں مگن ہو گئی۔

خلا کا منظر آنکھوں سے اوجھل ہو گیا۔ نور کے بادل گھنے ہو گئے۔ میں نے اندر ہی
اندر گہرا سانس لیتے ہوئے روح کی جانب دیکھا۔ میرا سارا وجود روح کی کسک میں مبتلا
تھا۔ عشق کے شعلوں نے اندر باہر دونوں کو گھیر تھا۔ دل نے کہا اے روح سچ بتا۔ تو کس
کے عشق میں مبتلا ہے، کون ہے جس نے تیرے خرمن دل میں آگ لگا رکھی ہے؟ روح
دل کی اس آواز پر چونک اٹھی۔ جیسے کسی نے اس کا چور پکڑ لیا ہے۔ اس نے غور سے
میری جانب دیکھا میں نے اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال دیں اور بول اٹھی۔ اے
روح! سچ بتا کون ہے جس نے تجھے اپنی آگ میں جلا رکھا ہے؟ میرے سوال پر اس کی
آنکھوں سے وحشت برسنے لگی جیسے وہ اس راز کو بتانا نہیں چاہتی، مگر اس کا چھپانا بھی
اس کے لئے مشکل ہے۔ یہ جان کر میں نے پھر ذرا زور سے اس سے سوال کیا۔ اچھی

روح! سچ سچ بتا، تیرا محبوب کون ہے؟ میرے اصرار نے اب کی بار اس پر تازیانے کا کام
کیا۔ وہ اپنے دونوں ہاتھ فضا میں بلند کرتے ہوئے بلند آواز سے بول پڑی۔ تم جاننا چاہتی
ہو میرا محبوب کون ہے۔ تم جاننا چاہتی ہو میں کس کے عشق کی آگ میں جل رہی ہوں۔
وہ بیخودی میں ایک سانس میں بولے جا رہی تھی۔ لو دیکھ لو کون ہے محبوب میرا، لو دیکھ لو
کس کے عشق کی ڈور مجھے اپنی جانب کھینچے لئے جا رہی ہے۔ اس کی آنکھوں سے نور کی
شعاعیں نکلنے لگیں۔ میں نے دیکھا۔ اس نور میں اس کا رب اس کا ولی اپنی بانہیں
پھیلائے روح کو دعوت نظارہ دے رہا ہے۔ ولی اور روح کے درمیان نور کا ایک بادل
ہے۔ روح کی نگاہیں مسلسل ولی پر تھیں۔ وہ اسی اضطراری کیفیت میں بولے چلی گئی۔
مرشد سمجھتا ہے میں اس کے عشق میں مبتلا ہوں، شوہر سمجھتا ہے میں اس سے پیار کرتی
ہوں، بچے سمجھتے ہیں ہم ماں کی جان ہیں۔ وہ تقریباً رو پڑی۔ اب میں کس کس کو سمجھاؤں
کون ہے محبوب میرا۔ اے میرے رب! تو ہی بتا کب تیری نظریں مجھ پر سے ہٹیں اور
کب تو میری آنکھوں سے اوجھل ہوا۔ تو تو وہ محبوب ہے جو میرے اندر ہے میری جان
بن کر میری روح میں سمایا ہوا ہے، تیرے بغیر میرا وجود ہی نہیں ہے، مجھے دنیا سے کیا کام
ہے۔ وہ جوش جنون میں اٹھ کھڑی ہوئی۔ میں نے دیکھا وہی اس کا رب ہاتھوں کے
اشاروں سے اسے آہستہ آہستہ اپنی جانب بلا رہا ہے۔ مگر نور کا بادل دونوں کے درمیان
حائل ہے۔ روح قرب خداوندی کے لئے مچل پڑی۔ اس نے اپنی دونوں بانہیں اپنے
رب کی جانب پھیلا دیں۔ روح ایک ایک کر کے کائنات کی ہر شئے اور ہر مخلوق کا نام لے
کر یہی کہتی ہے کہ تو ہی میرا سب کچھ ہے۔ تو ہی میری کائنات ہے اور مجھے یوں محسوس
ہوا جیسے ولی کا چہرہ ایک آئینہ ہے۔ جب روح کائنات کی کسی شئے کا نام لیتی ہے تو آئینہ

میں اس کا چہرہ ابھر آتا ہے۔ جیسے اس کا ولی' اس کا رب کائنات کی اشیاء کے ماسک پہن کر آئینے میں جلوہ گر ہو رہا ہے۔ جب کائنات کی تمام اشیاء ختم ہو گئیں تو روح نے بھرپور عزم کے ساتھ ایک قدم ولی کی جانب بڑھایا اور ارادے کی تمام تر قوتوں کے ساتھ بول اٹھی۔ اے میرے محبوب! تو ہی میری کائنات ہے' تیری ہی آگ میں میرا تن من جل رہا ہے۔ آج میں جان چکی ہوں کہ تیرے میرے درمیان یہ بادل کیا ہے۔ یہ حجاب خود میرا اپنا وجود ہے۔ روح کی آواز سارے عالم میں گونج اٹھی۔ کائنات کی ہر شئے کے لب پر یہی صدا تھی۔ ولی تیرے اور میرے درمیان میرا اپنا وجود ہی حجاب ہے۔

اللہ کی نظر

حیات خالق کے تصور کی نا ختم ہونے والی ایک کہانی ہے جس کے اندر کہانی جنم لیتی رہتی ہیں۔ کہانی کے یہ نئے جنم ہی کہانی کی بقا ہیں جو کہانی کو جاری وساری رکھتے ہیں۔ مجھے یوں لگا میری زندگی کی ایک کہانی آج ختم ہو چکی ہے اور اسی کہانی کے اندر اب دوسری کہانی نے جنم لیا ہے۔ وہ پہلی کہانی کیا تھی' یہ دوسری کہانی کیا ہے۔ میں سوچ میں پڑ گئی۔ کہانی کی ابتداء کہاں سے ہوئی تھی' کہانی کی انتہا کہاں پر ہوئی ہے۔ دل کہنے لگا ہر کہانی کے لئے کردار کی ضرورت ہے بغیر کردار کہانی کا وجود نہیں۔ بچپن کا وہ دور نظر کے سامنے آگیا۔ ذہن کی اسکرین پر ایک تصویر ابھری۔ دل نے کہا یہ اللہ ہے۔ دل کے گہرے سمندر سے عقل وخرد نے سر ابھارا۔ بلاشبہ یہ ذات خالق ہے اور اسکرین کی تصویر یقین کے رنگوں سے رنگین ہو گئی۔ دل سے دماغ تک رنگوں کا ایک عالم بس گیا جس کے اندر تصور کی یہ تصویر جیتی جاگتی اتر آئی۔ میں سایہ بن کر اس تصویر کے ساتھ چسپاں ہو گئی۔ ہم دونوں اس عالم میں اپنے حال میں مگن ہنستے کھیلتے رہے۔ جب میں بچی تھی۔ تصویر کا یہ کردار بھی بچہ تھا' جب میں جوان ہوئی وہ بھی جوان ہوا۔ دنیا کی جوانیاں ڈھلتی رہتی ہیں۔ ہرے بھرے پتے مرجھا جاتے ہیں' مگر تصور کے باغ کا ہر پھول مسکراتا رہا۔ دل کا گلشن سدا لہلہاتے باغوں میں اپنے سایے کے ساتھ بہاروں کے مزے لوٹتا رہا۔ دنیا کی زندگی میں کتنے کردار آئے کوئی بھی کردار اس کے جمال کو نہ پا سکا دنیا کا ہر کردار اس حقیقت کا بہروپ نکلا۔ یہ بہروپ چند لمحے کے لئے میرے گلشن کا پھول بن کر کھل اٹھا اور جانے کیوں آپ ہی آپ مرجھا جاتا۔ میں ان سوکھے پھولوں کو پودوں کے

گلدستوں میں سجالیتی کہ ہر شے کا اپنا ایک حسن ہے۔ میری معصوم حرکتوں پر میرا ازلی دوست مسکرا دیتا اور ان سوکھے پھولوں میں اس کی مسکراہٹوں کے رنگ اتر آئے اور ہم دونوں پھر سے زندگی کے باغ کی تعمیر میں لگ جاتے۔ پر جانے کیوں آج یہ باغ سونا سونا سا لگتا ہے' جیسے ہر شے یادوں کے پردے میں چھپ گئی ہے۔ باغ بھی وہی ہے۔ میں بھی وہی ہوں مگر ہر طرف سے کالی گھٹاؤں نے اس طرح گھیر لیا ہے کہ گلشن کا ہر رنگ اندھیرے کے پردے میں چھپ گیا ہے۔ نہ پھولوں کے رنگ نظر آتے ہیں نہ راستوں کے موڑ۔ اس اندھیرے میں میری اپنی ذات بھی گم ہوتی معلوم ہوتی ہے۔ میرے پاؤں غم کی دلدل میں جم کر رہ گئے ہیں۔ اے محبوب! تو کہاں چھپا ہے۔ آج میرا باغ خزاں رسیدہ کیوں نظر آتا ہے' میرے دل کی ساری خوشیاں کہاں چلی گئیں' میرے گلشن کا ہر پھول کیوں مرجھا گیا' میرے تصور کا شہزادہ کہاں جا چھپا' جو میری کہانی کا خالق ہے۔ میری دنیا کا سورج ہے' میرے گلشن کی بہار ہے' میری کائنات کا بادشاہ ہے۔ اس کا ایک پل کو بچھڑنا میری ساری مملکت کی ہلاکت ہے۔ وہی تو میرے نصیب کا سورج ہے' وہی تو میرا ازلی دوست ہے۔ وہی تو میرے کن کا ظہور ہے' وہی تو میری کہانی کا آغاز ہے' وہی تو میری کہانی کا انجام ہے۔ اس کا ایک لمحے کو نظر پھیرنا میری موت ہے۔ آہ! اب میں اسے کہاں ڈھونڈوں۔ حقیقت کی کہانی کے دو ہی تو کردار ہیں۔ ایک تو ہے' ایک میں ہوں تو ذات ہے۔ میں تیرا سایہ ہوں۔ تو ازل ہے' میں ابد ہوں' تو سورج ہے' میں تیری روشنی ہوں' تیرے بغیر میرا وجود کہاں۔ تیرا میرا جنم جنم کا ساتھ ہے۔ ہم تم دونوں ایک ہی کہانی کے دو کردار ہیں۔ ایک تخلیق کے دو رخ ہیں۔ ایک رخ کا چھپنا دونوں رخوں کا پردے میں چلے جانا ہے۔ کیسے اس کہانی کو جاری رکھوں۔ میرے روئیں روئیں سے جان نکلنے

لگی۔ مجھے یوں محسوس ہوا کہ میرے ہر ہر روئیں سے کائنات کی ایک ایک شے بندھی ہوئی ہے۔ جب روئیں سے حیات کا رشتہ منقطع ہو جاتا ہے تو اسی لمحے شے پر موت وارد ہو جاتی ہے۔ دکھ سے میرا سارا وجود بھر گیا۔ دل پکار اٹھا۔ یوں نہ روٹھ' پھر ایک بار میرے گلشن میں بہار بن کر آ جا' پھر ایک بار میرے عالم کو شمس بن کر منور کر دے' پھر ایک بار اپنے عشق کی شراب سے میرا ساغر دل بھر دے۔ میری آنکھ' میرا دل' میری روح قرب دلدار کے لئے تڑپ اٹھی۔ مجھے کچھ سمجھ میں نہ آیا میں کیا کروں۔ اپنے اندر جدھر نظر جاتی ہے۔ موت کی بے حسی دکھائی دیتی ہے۔ کیسے اس تصویر میں رنگ بھروں؟ کائنات کا ہر رنگ نظر سے چھپ گیا ہے۔ اب اس بے رنگ خاکے میں کون سا رنگ بھروں۔ آنکھ رونے لگی۔ دل درد کی چھری کے پے در پے وار سے اپنا پیرہن چاک کرنے لگا اور میں چکی کے دو پاٹ میں گیہوں بن کر پسنے لگی۔ پاگل چکی یہ سمجھتی ہے کہ گیہوں کو پیس کر گیہوں کی دکھن کا خاتمہ کر دے گی۔ وہ کیا جانے کہ پہلے یہ درد ایک وجود میں بند تھا اور اب آٹا بننے پر گیہوں کے ذرے ذرے میں اس کا درد سما گیا ہے۔ ایک درد نے ہزار دردوں کو جنم دے دیا ہے۔ یہاں سے وہاں تک درد کی پناہ گاہیں ہیں۔ اب میں کس طرح دل کو بہلاؤں۔ میں نے گھبرا کے روح کو آواز دی۔ اے روح! تو ہی مجھے ان اندھیروں سے نکال۔ آہستہ آہستہ سیاہ گھٹائیں ڈھلنے لگیں۔ جیسے صبح نمودار ہونے لگی ہے۔ انہی اندھیروں میں روح کا سراپا سامنے آ گیا۔ ہار سنگھار کے بغیر سفید لباس کی سادگی میں اس کی حسرتوں کا رنگ جھلکنے لگا۔ میں نے ایک نظر اسے دیکھا اور چپ چاپ اسے دیکھتی رہ گئی۔ کیا میرے درد نے روح کے رنگ بھی چھپا لئے ہیں۔ اب میں کیا کرو۔ روح نے میری جانب دیکھا۔ کہنے لگی۔ آج آپ کے سامنے زندگی اپنے حقائق پیش کر رہی ہے۔

زندگی اللہ کی نظر کا دیکھنا ہے۔ نظر کے لئے کسی نہ کسی ٹارگٹ کی ضرورت ہے۔ نظر کا پہلا ٹارگٹ کن کے بعد وجود میں آنے والی وہ اسکرین ہے جس سے ازل کا آغاز ہوتا ہے۔ ازل کے اس لمحے میں نظر کے سامنے آنے والی پہلی ہستی اللہ تعالیٰ کی ذات تھی۔ اس ذات کو دیکھنے والی دوسری ہستی اللہ کی نظر ہے۔ جتنی دیر نظر ازل کے اس لمحے پر قائم رہی نظر کے سامنے ذات کا عکس نت نئے روپ میں جلوہ گر ہوتا رہا اور عشق خداوندی اس میں کائنات کے رنگ بھرتا رہا۔ یہاں تک کہ اللہ کی نظر نے ازل کے اس لمحے کا پورا پورا ادراک کر لیا۔ ازل سے ابد تک نظر کی روشنی اس لمحے پر محیط ہو گئی۔ اب نظر کے سامنے حقیقت کی وہ ایک تصویر رہ گئی' جو اللہ ہے۔ روحانیت اللہ کی نظر سے دیکھنا ہے۔ روحانی راستوں پر چلتے چلتے جب بندے کے اندر اللہ کی نظر کام کرنے لگتی ہے تو وہ اپنی زندگی کی ہر حرکت کو دیکھنے اور سمجھنے کے قابل ہو جاتا ہے نظر جب خود اپنی ذات کو پہچان لیتی ہے تو روح سامنے آ جاتی ہے۔ روح کی ذات اللہ کی نظر ہے۔ اللہ کی نظر ازل کے اس جلوے کو دیکھ رہی ہے جو کن کہنے سے ظہور میں آیا ہے۔ اللہ کی نظر کائنات کی حدود میں ازل سے ابد تک جہاں جہاں جاتی ہے۔ نظر کی روشنی کے ساتھ ساتھ ازل کی تصویر بھی گردش کرتی ہے۔ اللہ کی نظر زمین پر بھی اس ازلی تفکر سے نہیں ہٹتی۔ اللہ کی صفت وحدانیت ہے پس وحدانیت کا تفکر ہی بندے کے لئے نظر کا ٹارگٹ ہے۔ جب نظر اور تفکر وحدانیت کے نقطے پر مرکوز ہو جاتی ہے تو اللہ تعالیٰ مل جاتا ہے۔

لوح محفوظ

میں نے آنکھ جو کھولی تو دیکھا کہ فضا میں میری روح کھڑی ہے' اس کے سامنے لوح محفوظ ایک تختی کی طرح رکھی ہے اور وہ اس تختی پر کچھ لکھ رہی ہے۔ مجھے بڑا تعجب ہوا کہ روح کا ہاتھ لوح محفوظ تک کس طرح پہنچ گیا اور اس پر لکھنے کی اجازت روح کو کیسے مل گئی اس تجسس نے مجھے اس کے قریب کر دیا۔ میں نے اپنے دل کی حیرانی سے مجبور ہو کر بغیر کسی تمہید کے اس سے سوال کر ڈالا۔ آخر تم لوح محفوظ تک کیسے پہنچ گئیں اور اس پر لکھنے کی اجازت تمہیں مل کیسے گئی۔ اس سوال کے ساتھ ہی جب میں نے لوح محفوظ کو قریب سے دیکھا تو اور زیادہ حیرت میں پڑ گئی کیونکہ لوح محفوظ ایک کورے کاغذ کی طرح صاف شفاف تھی اور اس تختی پر سوائے اس عبارت کے جو روح نے میرے سامنے اپنے ہاتھ سے لکھی تھی اور کچھ تحریر نہ تھا۔ روح میری حیرت سے پھٹی ہوئی نظروں کا مفہوم جان گئی۔ مسکرا کر بولی۔

اسی لوح کی طرف دیکھتی رہو' تمہیں تمہارے سوال کا جواب مل جائے گا۔

یہ سن کر میں نے اپنی نظریں لوح پر گاڑ دیں۔ اس پارے کی طرح چمکتی ہوئی صاف شفاف لوح پر جیسے ایک فلم سی چلنے لگی میں دیکھتی ہوں کہ میری روح ایک لق ودق صحرا میں بیٹھی ہوئی ہے وہ شیخ کے عشق میں سرتاپا ڈوبی ہوئی ہے اسے اپنے گردوپیش کا کچھ ہوش نہیں ہے' اس کی حالت عجیب مستانوں جیسی ہے۔ شراب شیخ کا نشہ اس کے روئیں روئیں سے رنگ بن بن کر پھوٹ رہا ہے اس کی سرخی مائل سنہری زلفیں فضا میں لہرا رہی ہیں' اس کے رخسار شیخ کے عشق کی آگ میں دہک رہے ہیں۔ اس کی کشادہ

پیشانی پر شیخ کی مہر محبت دیک رہی ہے مجھے اس پر ترس آنے لگا۔ آہ کیا یہ چاند ستاروں کو شرمانے والا حسن اسی لق ودق صحرا میں کملانے کے لئے ہے۔ میرے اس خیال کے آتے ہی روح نے ایک نگاہ غلط انداز میری جانب ڈالی جیسے کہہ رہی ہو کہ میں نے تمہارا ذہن پڑھ لیا ہے اور پھر دوبارہ اپنی سرگیں نگاہیں فضاؤں میں پھیلا دیں۔ دیکھتے ہی دیکھتے اس کی غزالی آنکھوں سے نور کی دو تجلیاں نکلیں اور صحرا میں دور میری حد نگاہ پر نرگس اور لالے کے پھول کھلتے دکھائی دیئے آن کی آن میں یہ سارا بیابان لہلہاتا گلزار بن گیا۔ میں نے پھول کی جانب دیکھا تو ہر ہر پھول میں شیخ کا چہرہ نظر آیا۔ میرے دل میں درد کی ایک لہر سی اٹھی۔ ایسا محسوس ہوا جیسے حیرت کی جگہ اب سوز عشق میرے دل میں سما گیا ہے۔
میں نے اس کی کسک کو سینے میں دباتے ہوئے روح سے کہا۔

کیا ہو گیا ہے تم کو۔ بھلا شیخ سے اتنا عشق کرنے کی تمہیں کیا ضرورت ہے۔ میں تو اگر عشق کرتی تو اپنی ماں سے کرتی' اپنے بچوں سے کرتی' اپنے شوہر سے کرتی۔ جن کے ساتھ میرا برسوں کا تعلق ہے اور شیخ کو تو تم صرف چند دنوں سے ہی جانتی ہو۔ اس نے اپنی یاس بھری نظریں میری جانب اٹھائیں اور درد بھری مسکراہٹ کے ساتھ کہنے لگی۔
جانتی ہو شیخ سے محبت کیوں ضروری ہے؟ شیخ کا عشق انسان کے ارادے میں کشش پیدا کرتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کی روشنیاں دو رخوں پر کام کرتی ہیں ایک رخ کشش ہے دوسرا رخ گریز ہے۔ شیخ کا عشق سالک کے دل کے کنوئیں میں بھرتا جاتا ہے۔ جیسے جیسے یہ کنواں شیخ کی روشنیوں سے بھرتا جاتا ہے ویسے ویسے انسان کے ارادے میں کشش اور تقویت بڑھتی جاتی ہے۔ انسان کا ارادہ اس کے دل میں پیدا ہوتا ہے' جب دل کا کنواں شراب شیخ سے لبریز ہو جاتا ہے تو اس کے ارادے میں اتنی کشش پیدا ہو جاتی ہے کہ وہ شیخ کے اندر موجود علوم معرفت کی روشنیوں کو اپنے ارادے کی کشش سے' اپنے شعور کی سطح پر کھینچ لاتا ہے اور شیخ کے سینے سے علوم معرفت کی روشنیاں سالک کے شعور میں جذب ہونے لگتی ہیں اور اس پر اللہ تعالیٰ کی معرفت کے دروازے کھلنے لگتے ہیں۔ اس کے دل کی نظر سے لاعلمی کے پردے ہٹنے لگتے ہیں اس کی نظر لوح محفوظ پر پڑنے لگتی ہے جہاں کل کائنات اللہ تعالیٰ کے علم کے عکس کی صورت میں موجود ہے۔ میں نے روح سے پوچھا۔
عشق کامل کب ہوتا ہے۔ اس نے اپنی ملکوتی مسکراہٹ کے ساتھ صحرا میں پھیلے ہوئے لالہ وگل کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

"ان سے پوچھو اس کا جواب تمہیں یہ پھول دیں گے۔"

میں نے پھولوں سے پوچھا۔ اے بہاروں کی خوشبو سے مدمست پھولو! کیا تم عشق کامل کی تعریف کر سکتے ہو؟ میری آواز سن کر پھولوں کی ہر ہر پنکھڑی جھوم اٹھی۔ ہم خود شیخ ہیں۔ ساری فضا ان کی آواز سے گونج اٹھی۔ پھولوں کی ہر ہر پنکھڑی پر شیخ کی تصویر نقش تھی۔ میں نے گھبرا کے روح کی جانب دیکھا اس کی آنکھوں کی پتلیوں میں شیخ کا عکس تھا۔ میرے دیکھتے دیکھتے اس کی آنکھوں سے نور کے دو قطرے ٹپکے ان قطروں میں شیخ کا عکس درد بن کر جھلکنے لگا۔ اس نے درد میں ڈوبی ہوئی آواز سے کہا۔ شیخ کا تصور میرے تفکر کا سانچہ (DYE) بن چکا ہے۔ اس کے عشق کی کشش نے میرے دل کو اپنی روشنیوں سے بھر دیا ہے۔ جب کبھی میں اپنی نظر کسی شئے کی طرف اٹھاتی ہوں۔ تو ہر شئے پر نظر کی روشنی کے ساتھ ساتھ تفکر کا نقش بھی بنتا چلا جاتا ہے۔ میری نظر ہر شئے میں اپنے شیخ کا جلوہ دیکھتی ہے اور جب تفکر ایک نفس واحدہ کا نقش بن جاتا ہے۔ دل میں

مرشدِ حقیقی کا عشق کامل ہو جاتا ہے عشقِ حقیقی کی کشش آہستہ آہستہ قربِ خداوندی کی طرف کھینچتی رہتی ہے' یہاں تک کہ خداوند قدوس روح کو لوح محفوظ تک پہنچا دیتا ہے' اس کے سامنے اس کی لوح تقدیر کورے کاغذ کی طرح کھول کر رکھ دی جاتی ہے۔ روح اللہ تعالیٰ کے اذن سے اس پر اپنے ارادے کی تحریر لکھتی ہے۔ اسی لمحہ لوح محفوظ پر دیکھتی ہوں کہ روح کے سامنے اس کی لوح تقدیر ایک صاف شفاف آئینے کی مانند کھلی ہوتی ہے۔

اتنے میں ہاتف غیبی کی آواز آئی۔ اے روح تمہیں اللہ تعالیٰ کی جانب سے اجازت دی جاتی ہے کہ تم اپنے ارادے سے اپنی لوح پر جس کا نام لکھنا چاہو لکھ سکتی ہو۔ روح نے حکم پاتے ہی لوح پر کچھ تحریر کیا اور میں نے دیکھا کہ روح نے اپنی لوح پر شیخ کا نام لکھا ہے۔ دوبارہ پھر غیبی آواز میری سماعت سے ٹکرائی۔ اے روح! اچھی طرح سوچ لو۔ اس لئے کہ ایک بار تمہاری لوح پر مہر لگ گئی' تو پھر اس کی تحریر بدلی نہ جا سکے گی۔ یہی اللہ کا قانون ہے۔ روح نے کہا اے بار الٰہی! میں نے اچھی طرح سوچ سمجھ کر ہی یہ نام لکھا ہے۔ آواز آئی۔ ہم تمہیں تین دن کی مہلت دیتے ہیں تاکہ تم اچھی طرح سوچ لو۔ ابھی وقت ہے تم اپنے فیصلے پر نظرثانی کر سکتی ہو۔ اپنی لوح کی تحریر مٹا سکتی ہو۔ اگر مہر لگ گئی تو تم ابد تک اس تحریر کو مٹا نہیں سکو گی۔ روح نے فوراً نہایت ہی بے باکی سے جواب دیا۔

اے میرے رب! آپ تین دن کی بات کرتے ہیں اور میں تین سو برس سے یہ فیصلہ کر چکی ہوں۔ کیا تین سو برس کا نقش تین دن میں مٹ سکتا ہے۔ اس لمحے ایک ملائم آواز آئی۔ نہیں تین سو برس کا نقش تین دن میں نہیں مٹ سکتا تو بس اب فیصلہ ہو

چکا اور روح کی لوح تقدیر پر مہر لگا دی گئی۔

میں نے غور سے دیکھا تو اس مہر پر محمد الرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لکھا ہوا پایا۔ روح جذبہ تشکر کے ساتھ رحمت اللعالمین کے قدموں میں جھک گئی یہ دیکھ کر میں نے سکون کے ساتھ آنکھیں بند کیں اور دل ہی دل میں شکر کے چند کلمات دہرائے۔ دوسرے لمحے آنکھیں کھولیں تو روح کو اپنے قریب کھڑا پایا وہ بہت مسرور تھی۔ جیسے قارون کا خزانہ اس کے ہاتھ لگ گیا ہو۔

میں نے حیرت سے اس سے سوال کیا۔ پیاری روح! ایک بات میری عقل میں نہیں آتی۔ وہ یہ کہ اللہ پاک تو کہتے ہیں کہ لوح محفوظ کی تحریر تو لکھنے والا میں ہوں۔ جو کچھ کائنات میں عملی طور ہو رہا ہے وہ سب میرے ارادے سے ہو رہا ہے' پھر تمہاری لوح پر اللہ تعالیٰ کی تحریر کیوں نظر نہیں آتی۔ اللہ تعالیٰ نے تو پہلے ہی سے ہر ایک کی تقدیر اس پر لکھ رکھی ہے۔

روح بولی۔ پیاری لڑکی! تم اچھی طرح سمجھنے کی کوشش کرو۔ یہ کوئی ایسی بات نہیں ہے جو تم نہ سمجھ سکو۔ بے شک کائنات کا پورا پروگرام لوح محفوظ پر درج ہے۔ لوح محفوظ کے اس پروگرام میں ذرے ذرے کی تقدیر لکھی جا چکی ہے' مگر لوح محفوظ کا یہ ریکارڈ اللہ تعالیٰ کے علم کائنات کا عکس ہے' وہ علیم ہونے کی وجہ سے کائنات کے عملی طور پر وجود میں آنے سے پہلے ہی مخلوق کی تقدیر لکھنے پر قادر ہے جو انسان کو اللہ تعالیٰ اپنے علم کے مطابق تخلیقی صورت میں دنیا میں پیدا کرتے ہیں تو اس دنیا میں انسان کو بااختیار بنا کر بھیجا جاتا ہے تاکہ وہ اپنے ارادے کے ساتھ اپنے کاموں میں سعی کر سکے اور اپنے ارادے کو مضبوط بنا سکے تاکہ ارادے کی کشش اللہ تعالیٰ کے تفکر کی روشنیوں کو

جذب کر سکے اور انسان کا ہر کام رضائے الٰہی کے ساتھ انجام پا سکے۔ اس کی مثال ایسی ہے جیسے استاد شاگرد کا امتحان لیتا ہے۔ اس کو حل کرنے کے لئے سوال دیتا ہے' مگر جواب نہیں بتاتا۔ حالانکہ استاد سوال کے جواب سے پہلے سے واقف ہوتا ہے۔ اگر استاد سوال کرنے سے پہلے جواب سے شاگرد کو آگاہ کر دے تو شاگرد کیسے سیکھ پائے گا اور سیکھنے کا تجسس اس کے اندر کیسے پیدا ہو گا۔ ارادے کا تجسس ہی کشش بن کر سوال کے جواب کو ڈھونڈ نکالتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ علم الاسماء کی تعلیم دینے کے لئے انسان کی نظر سے اس کی تقدیر کے لکھے کو پوشیدہ رکھتے ہیں تاکہ وہ خود اللہ تعالیٰ کی رضا کو تلاش کرے اور اس کی تلاش میں اس کی جانب قدم بڑھائے اس طرح یہ دو ریکارڈ بن گئے۔ ایک تو لوح محفوظ کا وہ ریکارڈ جس کے اندر انسان کے ثابتے میں اللہ تعالیٰ کی لکھی ہوئی تحریر تقدیر ہے دوسرے انسان کے ذاتی ارادے کا ریکارڈ حشر میں حساب کتاب کے دن اللہ تعالیٰ انسان کے ان ہی دونوں ریکارڈوں کا حساب لیں گے۔

میں نے کہا کہ اللہ تعالیٰ کے ریکارڈ اور انسان کے ارادے کے ذاتی ریکارڈ میں فرق تو ہو نہیں سکتا کیونکہ اللہ تعالیٰ کا علم ہر شئے پر احاطہ کئے ہوئے ہیں۔ پھر حساب کتاب لینے کا کیا جواز ہے۔ روح نے پیار بھرے انداز میں کہا۔ نادان لڑکی! تم اللہ تعالیٰ کی حکمت کو سمجھنے کی کوشش کرو۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے ریکارڈ میں بے شک ہر انسان کے اچھے برے کو تحریر کر رکھا ہے' یہ اس کا علم ہے۔ وہ اپنے علم میں کامل ہے۔ وہ ہر خیر و شر کا مالک ہے کیونکہ وہ اپنے علم میں آئی ہوئی ہر شئے کا مالک ہے' مگر اس نے خیر کو اپنے لئے اور مخلوق کے لئے پسند فرمایا ہے اور شر کو ناپسندیدہ قرار دیا ہے۔ اگر انسان سے اس کے اعمال کا حساب نہ لیا جائے تو اس پر اللہ تعالیٰ کی پسندیدگی کا اظہار کیسے ہو گا اور اسے بااختیار مخلوق بنانے کا کیا فائدہ ہو گا۔ اسے دوسری مخلوق کی طرح خیر و شر میں تمیز کیسے ہو گی؟ پھر وہ اللہ تعالیٰ کی صفات کو کیسے سمجھ پائے گا۔ اس کی مرضی' اس کی رضا' اس کے ذہن کو کیسے سمجھ پائے گا' وہ نیابت اور خلافت کی ذمہ داریاں کیسے سنبھالے گا۔ میری سمجھ میں روح کی تمام باتیں اچھی طرح سے آ گئیں۔ میں نے اطمینان کا ایک گہرا سانس لیتے ہوئے کہا۔ تم سچ مچ بہت اچھی ہو' مگر سب سے اچھے تو میرے شیخ ہیں۔ تم سے بھی اچھے۔ یہ سن کر روح نے بے اختیار ایک زوردار قہقہہ لگایا۔ اس کے دانت سچے موتیوں کی طرح چمک اٹھے۔ خوشی سے اس کا حسین چہرہ دمک اٹھا اور وہ ہنستی ہوئی آن کی آن میں میری نظروں سے اوجھل ہو گئی۔ فضا میں اس کی مترنم ہنسی کا ساز کتنی ہی دیر تک گونجتا رہا۔ ایسا لگتا تھا۔ جیسے ہواؤں نے چنگ و رباب پر عشق کے نغمے چھیڑ دیئے ہیں۔

ذرے ذرے کے لبوں پر ہے کہانی دل کی
ایسی بکھری ہے حقیقت مرے افسانے کی

"لی مع اللہ وقت"

جانے کیا بات ہے۔ چند دنوں سے احساس اس قدر لطیف ہو گیا ہے کہ میوزک کی آواز کان میں پڑتے ہی دل کی گہرائیوں میں اس کا ارتعاش محسوس ہوتا ہے۔ ایسا لگتا ہے جیسے میرا رب' میرا مالک میرے دل کے قریب ترین پہنچ چکا ہے۔ میرا تن بدن اس کے عشق کے کیف و سرور میں ڈوبنے لگتا ہے۔ میرے اوپر جذب و عشق کا غلبہ دیوانگی کی حد تک بڑھ جاتا ہے۔ کتنی بار بیٹھے بیٹھے مجھے ایسا لگتا ہے جیسے میں روشنیوں میں آہستہ آہستہ بڑھ رہی ہوں۔ ان روشنیوں میں مجھے ساز سنائی دیتے ہیں۔ جیسے سمندر کی گہرائیوں میں لہریں ایک دوسرے کے اندر مدغم ہو رہی ہیں۔ میرا جی چاہتا ہے کہ میں ہمیشہ کے لئے اس سمندر میں ڈوب جاؤں' اس کے عشق کی گہرائیوں میں کھو جاؤں' اس کے عشق کا سارا سمندر میرے واسطے ہی تو ہے۔ اس کی معصوم سرگوشیاں بار بار میری سماعت میں گونجتی ہیں۔ نادان لڑکی! ہمت سے آگے قدم بڑھا اپنے ارادے کی انتہائی بلندی سے میرے دل کی گہرائی میں چھلانگ لگا۔ تجھے محبوبیت کا وہ گوہر آبدار حاصل ہو جائے گا جس کی تلاش میں زمین و آسمان سرگرداں ہیں' جس کی جستجو میں بہاریں سرپٹختی ہیں' جس کو ڈھونڈنے کے لئے ہوائیں ازل سے ابد تک ماری ماری پھرتی ہیں اور آخر کار محبوب کی اس پاگل پکار کو دل دیوانہ نے ساری کی ساری اپنے اندر بھر ہی لیا۔ من کب تک تنہا اس کے پیار کی آگ میں دھیمے دھیمے سلگتا رہتا۔ ایک دن تو اس کی آگ کی لپیٹ میں تن کو بھی آنا ہی تھا اور جب تن من دونوں محبوب کے لئے بیقرار ہو جاتے ہیں تو یہی بیقراری کشش بن کر عاشق کو محبوب کے قرب میں پہنچا دیتی ہے۔

ایک دن جذب حال نے مجھے دنیا ومافیہا کی ہر شے سے غافل کر دیا۔ مادی شعور کے اوپر روح کا احساس غالب آ گیا۔ باطن کی نظر غیب میں کام کرنے لگی۔ کیا دیکھتی ہوں کہ میری روح نور کی ایک انتہائی لطیف فضا کے اندر آہستہ آہستہ آگے بڑھ رہی ہے۔ روشنیاں اسے اس فضا میں آگے بڑھاتی جاتی ہیں۔ روح کیا ہے؟ اللہ تعالیٰ کی بہترین صناعی کا ایک نمونہ ہے۔ اس پیکر حسن کو دیکھ کر مجھے اللہ تعالیٰ خالقیت پر پیار آنے لگا۔ یا اللہ تو واقعی احسن الخالقین ہے۔ اس ساری فضا میں عشق کی چاشنی گھلی ہوئی تھی جو سانس کے ساتھ روح کے اندر داخل ہوئی تھی۔ عشق حقیقی کا یہ نور جب روح کے اندر داخل ہوتا تو روح کے اندر قرب خداوندی کا تقاضہ طوفان بن کر ابھرتا۔ اس طوفان کی ہر لہر درد و کرب کی ایک ایسی کیفیت تھی جس کا بیان الفاظ میں ممکن نہیں ہے۔ ہر لمحہ ایسا لگتا تھا جیسے بدن کے روئیں روئیں سے جان کھینچی جا رہی ہے اور جب روح کی بیقراریاں حد سے گزر گئیں تو اس کے لبوں پر ایک آہ کے ساتھ اپنے رب کا نام آ گیا۔ اور اسی لمحے اس کا محبوب اس کی رگ گلو سے بھی زیادہ اس کے قریب پہنچ گیا۔ روشنیوں میں ساز بجتے رہے اور روح اپنے رب سے قریب تر ہوتی رہی۔ روح کی پشت سے نور کا ایک تار نکلا اور بڑھتے بڑھتے اللہ تعالیٰ کی ہستی میں گم ہو گیا۔ جہاں یہ تار گم ہوا وہاں پر اللہ تعالیٰ کی ہستی دکھائی دی۔ دل کا دروازہ کھلا اور روح اس دروازے کے اندر اتر گئی۔ روح کے اندر داخل ہوتے ہی دروازہ بند ہو گیا۔ یہ ایک روشن فضا تھی۔ خیال آیا یہ اللہ تعالیٰ کا دل ہے۔ میں نے اس کے اندر دیکھنا شروع کر دیا۔ اس کے عشق کی گہرائیاں درد و کرب بن بن کر احساس کی سطح پر وارد ہوتی رہیں۔ دل کے اس مقام پر روشنی کی فضا کی گہرائی سے ایک رنگ ابھرتا اور یہ رنگین تار روح سے بندھ جاتا۔ مجھے

ایسا لگا جیسے ہر رنگ ایک اسم الٰہی ہے اور یہ اسم الٰہی اللہ تعالیٰ کا ایک جلوہ ہے اور اس جلوے کے ساتھ میری روح اس رنگین تار سے باندھ دی گئی ہے۔ آہستہ آہستہ یہ دل ایک پورا دائرہ بن گیا۔ جیسے یہ دائرہ میری کائنات ہے۔ میں اس دائرے کے بیچوں بیچ ایک نقطے کی حیثیت سے موجود ہوں۔ دائرے کی سطح سے رنگین تار نکلتے اور میری روح یا نقطے کے ساتھ بندھ جاتے۔ ہر تار ایسا لگتا تھا جیسے ایک راستہ ہے۔ اس راستے سے ایک ایک اسم الٰہی کا جلوہ آتا اور روح اس کے قرب کی لذتوں سے آشنا ہوتی۔ ان لذتوں کا مرکز تو حقیقت میں روح ہی جان سکتی ہے۔ شعور کی سطح پر آتے آتے روح کا ہر ادراک عشق کے درد میں ڈھل جاتا ہے۔

آہستہ آہستہ دائرے کے سارے تار میری روح سے بندھ گئے۔ مجھے یوں لگا جیسے یہ تمام تار میرے دل سے بندھے ہیں۔ جب یہ تار ہلتے تو میرے دل کی گہرائیوں میں مدوجزر اٹھتے دکھائی دیتے۔ عشق کی کسک میرے روئیں روئیں میں محسوس ہونے لگی۔ مجھے ایسا لگا جیسے میری زندگی کا ہر لمحہ مرتا جا رہا ہے۔ سارا دائرہ مجھے تجلی دکھائی دیا اور یہ تجلیاں قلب میں جذب ہونے لگیں۔ پہلے دل ایک جلتے انگارے کی مانند ہوا پھر آہستہ آہستہ خود تجلی بن گیا ہر تار ایک راستہ بن گیا۔ اس راستے سے ایک ایک اسم الٰہی کا جلوہ آتا اور روح کے سر پر اپنی رنگین چادر اوڑھا دیتا۔ مجھے ایسا لگا جیسے میں اللہ تعالیٰ کی ذات میں فنا ہو رہی ہوں۔ میرے وجود کا ذرہ ذرہ فنا ہو کر اللہ کی ہستی میں گم ہوتا جا رہا ہے۔ میری روح کے سارے تقاضے نظر میں ڈھل گئے۔ اس لمحے کئی اسمائے الٰہیہ کے جلووں نے قریب آ کر کہا۔ تم نے ہم سے کچھ مانگا نہیں میں نے اسی لمحے روح کی گہرائیوں سے اٹھتی ہوئی یہ آواز سنی۔ یا اللہ اس ایک لمحے کو میری ساری زندگی پر محیط کر دے اور اس ایک لمحے میں اپنے اور میرے درمیان کسی اور کو نہ آنے دے۔ روح کی گہرائیوں سے نکلی ہوئی یہ آواز انتہائی تیزی کے ساتھ تجلی کے دائرے کی سطح تک پہنچ گئی اور اسی وقت دائرے سے ایک تجلی پورے دائرے کی شکل میں نکلی۔ یہ تجلی روح کے قریب آتے آتے ایک جلوے کی شکل بن گئی۔ اس جلوے نے روح کے قریب آ کر بہت ہی محبت کے ساتھ روح کے سر پر ایک سرخ دوپٹہ اوڑھا دیا کہنے لگا۔ میں ولی ہوں اور تم شفیع ہو۔ اس کے اتنا کہتے ہی روح کے اوپر ایک عجیب مستی و وارفتگی سی طاری ہو گئی اور اسی شدت کیفیت میں روح پر ذات کی تجلیاں نازل ہونے لگیں۔ مجھے ایسے ایسا محسوس ہوا جیسے قرآن پاک میں جہاں جہاں اللہ تعالیٰ کی ذات اقدس کا ذکر ہے۔ وہ تجلیاں یکے بعد دیگرے روح کے اوپر نازل ہو رہی ہیں جیسے اللہ تعالیٰ کی ذات روح سے بے پناہ عشق کرتی ہے۔ روح کے قلب میں یہ تجلیاں جذب ہوتی گئیں اور لاشعور سے شعور تک، روح سے جسم تک، باطن سے ظاہر تک، قلب سے ذہن تک، سارے وجود کو اللہ تعالیٰ کے عشق کا کامل یقین ہو گیا اور میرا سارا وجود لی مع اللہ وقت کے اندر ہمیشہ کے لئے محصور ہو گیا۔ حقیقت کے اس ایک لمحے میں میرے ساتھ میری ساری کائنات بند ہو گئی۔ میری کائنات میرا عشق ہے، میرا رب ہے۔ مجھے ایسا لگا جیسے آہستہ آہستہ یہ دائرہ تنگ ہوتا جا رہا ہے۔ جیسے تمام راستے سمٹتے جا رہے ہیں اور تمام تار میری روح کے جسم سے لپٹتے جا رہے ہیں۔ ایسا لگا جیسے تمام اسمائے الٰہیہ کے جلووں نے روح کو اپنی آغوش میں لے لیا ہے۔ سب کی سرگوشی مجھے سنائی دی۔ تمہارے دل میں ہمارا ساز ہے۔ جب بھی تم اپنے دل کا تار چھیڑو گی، ہمارے ساز کی آواز سنو گی۔ تم سرگم ہو تو ہم ساز ہیں، تم نغمہ ہو تو ہم آواز ہیں، تم افسانہ ہو تو ہم الفاظ ہیں۔ بغیر ہمارے تمہاری کہانی ادھوری ہے۔ مجھے

ایسا لگا جیسے روح کے جسم سے لپٹنے والے یہ تار میرے دل سے لپٹتے جا رہے ہیں' پھر کھل جاتے ہیں تو دائرہ بن جاتا ہے اور جب یہ تار سمٹ جاتے ہیں تو نقطہ بن جاتا ہے۔ اللہ میری جان ہے' میرا دل ہے' میرا محبوب ہے۔ میں اس کی ذات کا ایک نقطہ ہوں۔ ذات کا یہ نقطہ جب ذات سے ملتا ہے تو اس کی روشنیاں ساری کائنات پر محیط ہو جاتی ہیں۔ ذات کا یہ نقطہ جب ذات کی گہرائیوں میں جذب ہو جاتا ہے تو حسن و عشق کی لازوال داستانیں وجود میں آ جاتی ہیں۔ ذات کا یہ نقطہ جب ذات کے قلب میں فنا ہو جاتا ہے تو قلب کا نور اس نقطے کو ہمیشہ کے لئے اپنے اندر محصور کرلیتا ہے۔ قلب کی گہرائیوں میں پہنچ کر ذات کا یہ نقطہ نظر بن جاتا ہے اور یہ نظر قلب کے ہر نور کو اسمِ الہیہ کے جلووں کی صورت میں دیکھتی ہے۔ یہ نظر روح ہے جو تجلی ذات کے نقطے کے اندر کام کر رہی ہے۔ روح کی ساری کائنات تجلی کا یہ نقطہ ہے اور ذات تو ایک ہی ہے۔ ذات واحد کے رنگ روح کے نقطے میں جذب ہوتے جاتے ہیں اور روح کی نظر ان رنگوں کو محبوب کے جلووں کی صورت میں دیکھتی ہے۔ عشق بھی کیا عجیب شے ہے۔ عشق جب روح کی گہرائیوں میں سرایت کر جاتا ہے تو عشق کا ہر رنگ محبوب کا سراپائے جمال بن جاتا ہے۔

مجھے ایسا محسوس ہوا جیسے میں روح کی آنکھ کا تل ہوں۔ روح کا ادراک میرا احساس ہے' روح کی نظر میری بینائی ہے' میرا سارا وجود روح ہے۔ روح ہی میری ذات ہے اور ذات کی روشنیاں میرے روئیں روئیں سے پھوٹ رہی ہیں۔ ذات کا خیال آتے ہی میرا تفکر زمانہ ازل میں جا پہنچا۔ جب میرے وجود میں اللہ تعالیٰ نے اپنی روح پھونکی تھی۔ اسمائے الہیہ کا ہر نور میرے وجود کے پیمانے میں بھرا گیا تھا۔ میری ذات حسن معرفت کا ایک لبریز ساغر ہے جس میں اس نے اپنے عشق کی رنگا رنگ شراب بھر دی ہے۔ جب عشق اپنے شباب کو پہنچتا ہے تو حسن کے رنگ بکھر جاتے ہیں اور ساغر سے شراب چھلکنے لگتی ہے۔ ساغر اس چھلکی ہوئی شراب کو پھر اپنے وجود میں بھرنے کی کوشش کرتا ہے اور اس کوشش میں ساغر کا ظاہر باطن دونوں ہی شراب کے رنگوں میں رنگ جاتا ہے۔ ساغر کی نظر ان رنگیں جلووں میں ہمیشہ کے لئے الجھ جاتی ہے۔ اندر بھی' باہر بھی اسی کے جلوے ہیں۔

شعور جب روح کے ادراک کے سمندر میں بہنے لگتا ہے تو سمندر کی ہر لہر سے واقف ہو جاتا ہے۔ روح کے ادراک کی ہر لہر شعور کو معرفت الٰہی کے جام بھر بھر کر پلاتی ہے۔ ادراک کا ہر لمحہ روح کے تفکر کا ایک نقطہ ہے۔ قلب کی نظر اس نقطے میں تصور کی فلم کو دیکھتی ہے وہ تصور جو خالق حقیقی نے روح کی زندگی کا پروگرام کہا ہے۔ اسی کا نور روح کے اندر منتقل ہو کر روح کا تقاضہ بن جاتا ہے۔ روح کا ہر تقاضہ اپنے مالک کے قرب و دیدار کی خواہش ہے۔ جب شعور روح کے تقاضوں کو اپنا لیتا ہے تو جسم وجان عشق کی آگ میں سلگنے لگتے ہیں۔ عشق کی گرمی بدن کو موم کی طرح پگھلا دیتی ہے اور مالک اس نرم ونازک بدن کو اپنے تفکر کے سانچوں میں ڈھال لیتا ہے۔ ہر سانچے میں وہ اپنے حسن کا ایک مخصوص رنگ بھر دیتا ہے۔ وہ اپنے ہر رنگ میں یکتا ہے۔ جب تک یہ رنگ روح کے سانچے میں ہیں اسمائے الہیہ کا نور ہے اور جب یہ نور روح کے سانچوں سے باہر آ جاتا ہے تو کائنات بن جاتا ہے۔ روح کو اللہ تعالیٰ نے اپنی بینائی عطا فرمائی ہے۔ اور اللہ کی نظر ظاہر باطن دونوں میں یکساں طور پر کام کرتی ہے۔ شعور کو جب روح کا ادراک حاصل ہو جاتا ہے تو وہ جان جاتا ہے کہ وہ روح کی آنکھ کی پتلی کا تل ہے اور اللہ کی نظر کی روشنی روح کی آنکھ میں پتلی کے تل سے گزر کر ہی آ جا رہی ہے۔ پس نظر

ظاہر' باطن دونوں میں یکساں طور پر کام کرتی ہے۔ شعور اور لاشعور' جسم اور جان' بدن اور روح سب اس کی نظر کے طلسمات میں کھو کر رہ جاتے ہیں۔ یہ افسوں کبھی ٹوٹنے والا نہیں ہے۔ یہ سحر کبھی ختم ہونے والا نہیں ہے۔ اللہ کی نظر کا نور لامحدود ہے۔ روح کی آنکھ کی پتلی میں یہ نور آتا جاتا ہے۔ روح کی آنکھ جب اس نور میں باہر کا نظارہ کرتی ہے تو ساری کائنات اس کی نظر کے سامنے آجاتی ہے اور جب نظر کے اس نور میں روح باطن کی گہرائیوں میں دیکھتی ہے تو قرب محبوب کے ان رنگین جلووں کے نظارے سامنے آجاتے ہیں۔ جس کا ہر رنگ جدا ہے' جس کا ہر لطف نیا ہے۔ جو وحدانیت کا سمندر ہے اور توحید کا ہر ذرہ اپنی ذات میں واحد ہے۔ نظر جب دریائے توحید میں غوطہ زن ہوتی ہے تو دریا کی ہر لہر سے صوت سرمدی سنائی دیتی ہے۔ صوت سرمدی کی ہر تان نئی ہے' ساز کی ہر آواز نئی ہے۔ روح کے ظاہر اور باطن دونوں میں رنگا رنگ کائناتیں آباد ہیں۔ باطن میں ذات ہے اور ذات عشق کی گرمی ہے اور ظاہر میں صفات ہے اور صفات کے رنگ ہیں۔ شعور جب تک نظر میں نہ ڈھل جائے باطن میں داخل نہیں ہو سکتا۔ اللہ کی نظر ہی اللہ کو دیکھ سکتی اور ساز بجتے رہے۔ نظر ذات کی گہرائیوں میں اترتی رہی۔

میں کیا ہوں یہ عقدہ تو کھلے گا آخر
پردہ جو پڑا ہے وہ اٹھے گا آخر
ذرے کو مرے کوئی تو صورت دیں گے
ساغر نہ بنا خم تو بنے گا آخر

فکرِ وجدانی

صبح صادق جب بھی آنکھ کھلتی ہے۔ حسب عادت کلمہ شریف پڑھ کر اللہ کا شکر ادا کرتی ہوں اور اس کے ساتھ ہی تصور میں از خود سب سے پہلے میرے پیارے باباجی کا خیال آجاتا ہے۔ میرے شعور میں یہ بات راسخ ہو چکی ہے کہ بندے کو اللہ تعالیٰ کی صفات کی معرفت کے علوم مرشد کریم کے ذریعے سے ہی حاصل ہوتے ہیں۔ مرشد کریم کی توجہ اور فکر کی روشنی میں مرید کا شعور معرفت علم کی تجلیوں کو صحیح معنی پہچاننے کے قابل ہو جاتا ہے۔ مرید کا ہر خیال مرشد کے نظر کی روشنی میں پرورش پاتا ہے۔

آج صبح معمول سے کافی پہلے آنکھ کھل گئی۔ ابھی فجر میں کچھ وقت باقی تھا۔ دو رکعت نماز پڑھ کر اوراد وظائف میں مشغول ہو گئی۔ تسبیح پڑھتے پڑھتے شعور میں اس قدر لطافت آگئی کہ اپنی ذات کا ادراک صرف نظر کی حیثیت سے باقی رہ گیا۔ جب نظر کے سامنے شعور کی ہستی گم ہو گئی' تو نظر لاشعور میں دیکھنے لگی۔ کیا دیکھتی ہوں کہ میری روح عجب شان استغناء سے چلی جا رہی ہے۔ اس کے سر پر سیاہ اوڑھنی ہے۔ جس کے اوپر بہت خوشنما رنگوں کے ستاروں ٹکے ہیں۔ سیاہ اوڑھنی میں اس کا چہرہ چاند کی طرح روشن دکھائی دیا۔ خیال آیا یہ سیاہ اوڑھنی تو حضرت بی بی فاطمہؓ کی ہے۔ اسی لمحے ایسا محسوس ہوا۔ جیسے حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر روح کو دیکھ رہی ہو۔ حضور پاکؐ کی آواز سنائی دی۔ یہ فاطمہؓ کی اوڑھنی اوڑھے کون جا رہا ہے۔ اسے ہمارے پاس لے کر آؤ۔ دل نے دیکھا کہ حضور پاکؐ کی نظروں سے اپنی پیاری بیٹی حضرت بی بی فاطمہؓ کی محبت کی شعاعیں نکل رہی ہیں۔ روح کے قریب ایک فرشتہ آیا۔ خیال آیا یہ ملاء اعلیٰ ہے۔ اس

فرشتے نے روح کو بصد ادب سلام کیا اور حضور پاکؐ کا پیغام سنایا۔ روح فوراً پلٹی اور دوسرے ہی لمحے وہ حضور پاکؐ کے قریب تھی۔ اس نے حضور پاکؐ کو سلام کیا اور نہایت ہی خوشی کے لہجے میں بولی۔ نانا آپ نے مجھے بلایا ہے اور یہ کہہ کر اپنے نانا کے سینے سے لگ گئی۔ حضور پاکؐ نے سب سے پہلے اس کے سر پر اوڑھنی کو چوما۔ پھر پیشانی چومی اور انتہائی محبت وشفقت کے ساتھ فرمایا۔ بیٹی فاطمہؓ کی اوڑھنی تم کو کس نے اوڑھائی ہے۔ روح نے بڑی معصومیت کے ساتھ جواب دیا۔ نانا یہ اوڑھنی میرے باباجی نے پہنائی ہے۔ حضور پاکؐ روح کو بچوں کی طرح پیار کرتے ہوئے بولے۔ بیٹی اس میں تم ماشاء اللہ بہت پیاری لگ رہی ہو۔ کچھ دیر اسی طرح کی معصومانہ گفتگو کے بعد روح نے بڑی سنجیدگی کے ساتھ کہا۔ نانا اگر ہم فکر وجدانی کے شعور کو اپنے اندر بڑھالیں، تو ہم اللہ کے لئے زیادہ بہتر کام کر سکتے ہیں۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے روح کی طرف گہری نظر سے دیکھا۔ جیسے روح کے معصومانہ ذہن کے اس سنجیدہ سوال پر خوش ہو رہے ہوں۔ فرمایا ہاں بیٹی کر تو سکتے ہیں۔ مگر یہ ایسی راہ ہے جس پر ہر کوئی نہیں چل سکتا، یہ وہ راستہ ہے۔ جو بال سے زیادہ باریک ہے۔ دل نے دیکھا کہ روح کے ذہن سے نور کا ایک باریک سا تار اوپر کی طرف جا رہا ہے۔ روح نے تدبرانہ انداز میں کہا، مگر نانا کیا کوئی آپ کی مدد کے ساتھ بھی اس راستے پر نہیں چل سکتا۔ حضور پاکؐ روح کی اس معصومانہ بات پر مسکرائے اور فرمایا۔ بیٹی! بغیر ہماری مدد کے، تو کوئی اس راستے کی گرد کو بھی نہیں پا سکتا۔ یہ راستہ ذات کی طرح منفرد ہے جو بندہ اپنے اندر فکر وجدانی کا شعور پیدا کرتا ہے۔ اس بندے کے لئے انفرادی طور پر ایک راستہ ذات کی گہرائی میں کھو جاتا ہے۔ یہ راستہ صرف اسی بندہ کے لئے مخصوص ہوتا ہے۔ کوئی اور بندہ اس راستے پر قدم نہیں رکھ سکتا۔ فکر وجدانی کا شعور انفرادی حیثیت سے کام کرتا ہے۔ حضور پاکؐ کی نگاہ روح کے اندر اللہ تعالیٰ کی شان استغناء پر پڑی اور دل نے دیکھا کہ حضور پاکؐ واہنی جانب نور کا بہت ہی باریک سا ایک راستہ پیدا ہو گیا۔ یہ راستہ حضور پاکؐ کی واہنی جانب سے پیچھے کی طرف گہرائیوں میں جاتا دکھائی دیا۔ پیچھے ہر طرف اندھیرا تھا۔ نظر صرف اس راستے کو دیکھ سکی۔ حضور پاکؐ نے شان کریمی کے ساتھ فرمایا۔ بیٹی ہم نے تمہارے لئے فکروجدانی کے شعور کا یہ خاص راستہ کھول دیا ہے۔ جاؤ اور ہماری اجازت کے ساتھ اس راہ پر قدم رکھو۔ اللہ تعالیٰ تمہارا حامی و ناصر ہے۔ رسول اکرمؐ نے روح کو نہایت ہی شفقت ومحبت اور شان رحیمی کے ساتھ پیار کیا اور ہاتھ پکڑ کر اسے راستے پر ڈال دیا۔ روح اس راستے پر چلنے لگی۔ روح کو اس راستے پر چلتا دیکھ کر شعور کا تجسس ابھر آیا۔ دل نے دیکھا کہ روح کا سایہ روح سے سوال کر رہا ہے۔ سائے نے کہا۔ پیاری روح! فکروجدانی کس کو کہتے ہیں؟ روح نے گردن موڑی اور سائے کی طرف دیکھ کر کہا۔ کائنات کی ہر شئے ایک تفکر ہے، فکروجدانی ذات کا وہ تفکر ہے۔ جس کی تخلیق ملاء اعلیٰ ہے۔ جب کوئی بندہ سلوک کی راہوں پر درجات طے کرتے ہوئے فنافی الشیخ، فنافی الرسول اور فنافی اللہ کے درجے میں قدم رکھتا ہے۔ تو اس پر وحدانیت کے اسرار کھلنے لگتے ہیں۔ فنافی اللہ کا درجہ معرفت ذات کے علوم ہیں۔ سالک [illegible] شعور کی سکت کے مطابق ذات کے علوم حاصل کرتا ہے۔ نقطہ وحدانی کی گہرائیاں اس کے شعور کو اپنے اندر سمیٹ لیتی ہیں اور نقطہ وحدانی کی انتہا پر پہنچ کر انسان کے اندر کام کرنے والے تمام شعور پگھل جاتے ہیں۔ انسان صرف ایک تجلی کی صورت میں باقی رہ جاتا ہے۔ اس تجلی کی روشنی فکر وجدانی کہلاتی ہے۔ فکر وجدانی صعود کرتی ہوئی کائنات کی حدود سے باہر نکل جاتی ہے اور اللہ

تعالیٰ کی تجلیوں میں گم ہو جاتی ہے۔ فنافی اللہ کے درجے کے بعد یہ درجہ باقی باللہ کہلاتا ہے۔ اس درجے میں سالک اپنی ذات کو تجلی کی صورت میں دیکھ لیتا ہے۔ اس پر واضح ہو جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی ذات میں بقا ہے، اور بندے کو اللہ تعالیٰ کی ذات سے بقا حاصل ہوتی ہے۔ وہ اپنی ہستی کو تجلی کے اندر ایک نقش کی صورت میں دیکھ لیتا ہے۔ سائے نے روح سے سوال کیا۔ پیاری روح تجلی کے اندر انسان کا نقش کیا معنی رکھتا ہے؟ روح نے بڑے حسین انداز میں بڑی ادا سے چلتے ہوئے کہا۔ نادان لڑکی! یہ تفکر کا نقش ہے۔ جب اللہ تعالیٰ نے "کن" کہا تو کائنات کے تفکر کا عکس ارادہ الٰہی کے ساتھ تجلی ذات کے ذرے ذرے میں نقش ہو گیا۔ تجلی ذات کا ہر ذرہ ذات کی ایک تجلی ہے اور ہر تجلی کائنات کی مخلوق کی روح ہے۔ جو اللہ تعالیٰ کے حکم "کن" سے وجود میں آئی ہے۔ نظر جب تجلی میں دیکھتی ہے۔ تو سالک کے اندر ملاء اعلیٰ کا تفکر پیدا ہوتا ہے۔ ملاء اعلیٰ کا تفکر بندے کے اندر اللہ تعالیٰ کا تفکر پیدا کرتا ہے۔ جو ملکوتی شعور ہے۔ ملکوتی شعور بندے کے اندر وحی کی طرزوں کی بنیاد ڈالتا ہے وحی کی ذیلی صورت کشف، الہام اور القاء ہے۔ اس کے علاوہ بندے کے اندر صفت استغناء پیدا ہوتی ہے۔ جو اللہ تعالیٰ کی صفت حمدیت کا جز ہے۔ جب سالک کے اندر اس صفت کی روشنیوں کا ذخیرہ ہو جاتا ہے تو سالک کے اندر استغنا آ جاتا ہے اور وہ ماسوائے اللہ کے ہر شئے سے مستغنی ہو جاتا ہے۔ استغناء توکل کا آخری درجہ ہے اور یقین کی آخری حد ہے یقین کی انتہا پر ذات کی معرفت کا دروازہ سالک پر کھلتا ہے۔

سائے نے شوق اور تجسس کے ساتھ پھر ایک اور سوال کیا۔ پیاری روح! یہ بات سمجھ میں نہیں آتی کہ جب اللہ تعالیٰ بقا ہے، تو انسان بقا کیسے ہو سکتا ہے۔ روح مسکرائی۔ کہنے لگی۔ اچھی لڑکی! اللہ تعالیٰ اپنی صفات کے ساتھ قائم ہو دائم ہے، وہ اپنی ذات اور صفات کے ساتھ قدیم ہے۔ اللہ کی بقا اس کی صفت قدیم ہے، وہ اپنی بقا کے ساتھ ہمیشہ سے موجود ہے اور رہیگا۔ اس نے انسان کو اپنی صفات کے علوم عطا فرمائے ہیں تاکہ انسان اس کے سکھائے ہوئے علوم سے فائدہ اٹھا سکے۔ اس کے صفات کے علوم اس کی باطنی صلاحیتوں کی روشنی ہے۔ جب انسان اپنے باطن میں ان روشنیوں کو ذخیرہ کر لیتا ہے اور ان روشنیوں کو استعمال کرنے کے گر سیکھ لیتا ہے۔ تو یہ روشنیاں انسان کو فائدہ پہنچاتی ہیں۔ انسان جب اللہ تعالیٰ کی صفت قدیم کو پہچان لیتا ہے۔ تو اسے اللہ تعالیٰ کی صفت قدیم کے اندر بقا حاصل ہو جاتی ہے۔ اس کے فکر میں یہ بات آ جاتی ہے کہ کائنات کی تخلیق سے پہلے بھی کائنات اللہ تعالیٰ کے علم میں اسی طرح موجود تھی۔ مگر خود کائنات کو اپنا علم نہ تھا۔ اللہ تعالیٰ نے کائنات کو وجود کائنات سے بہرہ ور کرنے کے لئے اپنی قدرت کی ایک حد مقرر فرمائی اور اس حد کے اندر کائنات کی مخلوق کو اپنی ذات اور معرفت الٰہی کے علوم بخشے۔ اسمائے الٰہیہ کے علوم سکھانے کے لئے قدرت کی ایک حد کا ہونا لازمی تھا تاکہ خالق اور مخلوق کی پہچان ہو سکے۔ ازل اور ابد کی حدود کائنات ہے اور ان حدود سے آگے سب کچھ اللہ ہی ہے۔ ازل اور ابد کے اندر مخلوق کا ادراک اور شعور کام کرتا ہے۔ وہ ہر شے کا ادراک اپنی ذات کے ذریعے کرتا ہے۔ جب انسان کے ادراک پر لاشعوری کیفیات غالب آ جاتی ہیں اور وہ جان لیتا ہے کہ زمان اور مکان، فنا اور بقا، شہود اور غیب سب کچھ شعور کا ادراک ہے اور یہ ادراک انسان کو اس لئے دیئے گئے ہیں تاکہ وہ اسمائے الٰہیہ کے علوم سیکھ سکے اور اللہ تعالیٰ کو اور اپنے آپ کو پہچان سکے۔ اور ادراک کے ذریعے انسان حقیقت کی طرف بڑھتا رہتا ہے۔ حقیقت کی تلاش اسے

ابد سے قریب کی دیتی ہے اور اس کے تمام ادراک اور تمام شعور نقطہ وحدانی کی گہرائیوں میں ابد کے مقام پر سمٹ رہے ہیں۔ جب تمام ادراک ایک نقطے میں سمٹ جاتے ہیں۔ تو صرف ایک ہی ادراک باقی رہ جاتا ہے اور وہ ہے نظر۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔ اللہ سمیع' اللہ بصیر۔۔۔ سننا اور دیکھنا اللہ ہی کا ہے۔ تب انسان اللہ کی نظر کے لئے واسطہ یا ذریعہ بن جاتا ہے کہ حقیقت تمام ادراک سے بالاتر ہے۔ اللہ کی نظر اس کے اندر فکر وجدانی کا شعور یا تفکر پیدا کرتی ہے اور یہ تفکر اسے زمان ومکان کی حدود سے اور ازل اور ابد کی حدود سے باہر کر دیتا ہے۔ ازل اور ابد کی حد سے باہر ابدالاباد ہے۔ یہ لامکان ہے جہاں "کن" کہنے سے پہلے کائنات اللہ تعالیٰ کے علم میں موجود تھی۔ انسان اللہ تعالیٰ کی نظر کے ذریعے علم کی تجلیوں کے اندر اپنی ذات اور کائنات کا مشاہدہ کر لیتا ہے۔ اسے اللہ تعالیٰ کی ذات سے بقا حاصل ہو جاتی ہے۔

دل نے دیکھا کہ یہ سب کچھ سن کر سایہ سمٹ آیا۔ وہ روح کے قریب تر آگیا۔ جیسے کہہ رہا ہو کہ مجھے اپنے سے قریب کر لو تاکہ مجھے بھی تمہاری روشنی سے بقا حاصل ہو جائے اور میرے اندھیرے ہمیشہ کے لئے دور ہو جائیں۔ روح نے پیچھے مڑ کر شان ربوبیت کے ساتھ ایک نظر اپنے کمزور سے سائے پر ڈالی اور ممتا بھرے ہاتھوں سے اسے اپنی آغوش میں سمیٹ لیا۔ جیسے کوئی پرندہ اپنے معصوم بچوں کو اپنے پروں تلے چھپا لیتا ہے۔

مقامِ قرب

بیٹھے ہوئے ایک دم سے ایسا محسوس ہوا' جیسے میری نبضیں ڈوبتی جا رہی ہیں۔ سارے بدن میں آہستہ آہستہ سرسراہٹ سی محسوس ہوئی۔ خیال آیا' میری جان نکل رہی ہے۔ میں نے سکون سے اپنا سر صوفے کی پشت سے ٹکا دیا اور ایک گہرا سانس لے کر اپنے رب کو یاد کرنے لگی۔

اسی وقت یوں لگا جیسے میری روح میرے بدن سے نکل گئی ہو۔ روح تیزی سے چھت کی جانب اوپر اٹھ گئی۔ مجھے محسوس ہوا جیسے میری ذات روح ہے اور میں چھت کی طرف اٹھ رہی ہوں۔ چھت پر پہنچ کر میں نے نیچے نظر ڈالی۔ میرا جسم صوفے پر اطمینان سے آنکھیں بند کئے بیٹھا تھا۔ مجھے جسم سے علیحدہ ہو کر بڑا سکون محسوس ہوا۔ مجھے چھت ایک ہلکے بادل کی طرح دکھائی دی اور میں اس بادل سے باہر نکل آئی۔ باہر آتے ہی ایسا لگا جیسے یہ ایک اندھیری سرنگ نما راستہ ہے۔ اس سرنگ کے دوسرے سرے پر مرکری رنگ کی بہت تیز روشنیاں ہیں۔ یہ روشنیاں گردش کرتی نظر آئیں۔ میں سرنگ میں بڑھتی چلی گئی۔ میرا جسم بڑا ہلکا پھلکا ہو رہا تھا اور ذہن میں یہی خیال تھا کہ میں مر چکی ہوں اور اس کے ساتھ ہی یہ تجسس بھی تھا کہ آئندہ میرا ٹھکانہ کہاں ہو گا' مگر ذہن پر قطعی خوف نہ تھا۔ بلکہ ایسا لگتا تھا کہ اب تو میں قید سے رہائی پا چکی ہوں۔

سرنگ پار کرتے ہی میں روشنیوں کے اندر داخل ہو گئی۔ ان روشنیوں میں زبردست کشش تھی۔ مجھے ایسا لگا جیسے یہ روشنیاں کنویں کی طرح گہری ہیں۔ یہ روشنیاں مجھے اپنی طرف کھینچتی رہیں' میرے جسم و ذہن نے ذرہ برابر بھی مداخلت نہ کی۔ بلکہ مجھے

دائرے بناتی ہے۔ فکر کا ہر دائرہ حواس کی تعمیر کرتا ہے۔ ہر آدمی کے اندر شعور کی حرکت مختلف دائرے بناتی ہے۔ جس کی وجہ سے حواس مختلف ہوتے ہیں اور حواس کی تبدیلی کی وجہ سے کیفیات بھی بدل جاتی ہیں، مگر کیفیات بدلنے سے حقیقت نہیں بدل سکتی اور حقیقت اسم ہے۔ چنانچہ ہر آدمی جب موت کے لمحے سے گزرتا ہے۔ وہ یہ جانتا ہے کہ وہ اس وقت موت کے سفر میں ہے، مگر جس طرح ایک راستے سے دس مسافر گزرتے ہیں اور ہر کوئی راستے کی مختلف چیزوں پر نظر کرتا ہے۔ کسی کی نظر شئے پر پڑتی ہے اور اسی راستے پر دوسرا مسافر گزرتے ہوئے اس شئے کو نہیں دیکھتا جس کی وجہ سے اسے اس چیز کی موجودگی کا علم ہی نہیں ہوتا۔ بالکل اسی طرح ہر لفظ آدمی کے اندر مختلف احساس کی درجہ بندی کرتا ہے اور جب روشنی ان درجے میں سفر کرتی ہے تو اس لمحے کا احساس وہ اس درجے میں محسوس کرتا ہے۔ احساس کا درجہ یا احساس کے دائرے وہ راستہ ہے جس پر روشنی سفر کرتی ہے۔ روشنی علم کا وہ ذخیرہ ہے جو اسم یا لفظ کے اندر موجود ہے شعور کے پردے پر اسم یا لفظ کے ڈسپلے ہوتے ہی علم کی روشنی احساس کے درجوں سے گزرنے لگتی ہے۔ اس طرح روشنی کی ایک گزرگاہ بن جاتی ہے اور یہی گزرگاہ فکر بن کر ذہن میں اس اسم یا لفظ کے مفہوم اور معنی کو داخل کر دیتی ہے۔ ہر آدمی کا شعور موت کو مختلف معنی پہناتا ہے۔ کوئی موت کو اللہ تعالیٰ سے ملنے کا ذریعہ سمجھتا ہے اور مرنے کی تمنا رکھتا ہے اور کوئی موت کو دنیا کی راحتوں سے محروم کرنے کا بہانہ جانتا ہے۔ جس کی وجہ سے وہ موت کے نام سے لرزتا ہے۔ موت کی تمنا یا موت کا خوف احساس کی حرکت کو تبدیل کر دیتا ہے۔ جس کو آدمی محسوس کئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ حواس کے ہر دائرے میں اس اسم کی روشنی فکر کے خاکے میں ڈھل کر ذہن کے پردے پر ابھرتی ہے۔ نظر اس تصویر کو دیکھ کر شئے کا مفہوم سمجھتی ہے۔ فکر میں جتنی زیادہ وسعت ہو گی اتنی زیادہ علم کی روشنیاں اس کے اندر جذب ہوں گی اور فکر جتنی زیادہ کوتاہ ہو گی، اتنی ہی کم روشنی اس میں سمائے گی۔ نظر روشنی میں ہی کام کرتی ہے چنانچہ آدمی کے شعور میں جتنی زیادہ علم کی روشنی ہوتی ہے اس کی نظر غیب میں اتنی ہی زیادہ کام کرتی ہے اور مرنے کے بعد وہ غیب کے ان مقامات میں بسیرا کرتا ہے۔

ہم باتیں کرتے کرتے جانے کتنی دور نکل آئے۔ آبشار کے دلگداز نغمے نے مجھے چونکا دیا۔ کیا دیکھتی ہوں کہ سامنے ایک اونچی پہاڑی سے نور کا آبشار گر رہا ہے۔ اس کے گرنے کی آواز میں ایسے ساز تھے کہ دنیا کی کوئی دھن اس کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔

پہاڑی سے گرتے ہوئے نور کے پانی کی جو بوندیں بکھرتیں ان سے فضا میں خوبصورت خاکے بن جاتے۔ پہاڑی کی پشت سے آنے والی روشنی ان بوندوں میں رنگ بھر دیتی۔ ایسا لگتا جیسے رنگین موتیوں کے مختلف خاکے بن بن کر بکھرتے جاتے ہیں۔ ہر لمحے ایک نیا خاکہ بنتا طبیعت دیکھنے سے کسی طرح سیر نہ ہوتی۔

بابا تاج الدینؒ نے فرمایا۔ اس پہاڑی کے پیچھے مقام قرب ہے۔ مقام قرب میں اسمائے الٰہیہ کی ہستیاں موجود ہیں۔ مقام قرب کی سیر کرنے کے لئے پہلے اس آبشار میں نہایا جاتا ہے۔ اس آبشار میں نہانے سے آدمی کے حواس کی رفتار اس حد تک پہنچ جاتی ہے۔ جن حدود میں وہ اسمائے الٰہیہ کی ہستیوں کو اپنے حواس کے ذریعے سے دیکھ اور سن سکتا ہے اور ان کے کلام کو سمجھ سکتا ہے۔ جن کے حواس اس آبشار کی تیزی کو برداشت نہیں کر سکتے۔ وہ آبشار کے پانی میں بہہ کر مقام قرب سے دور جنت کی طرف چلے جاتے ہیں، مگر جن کے حواس اس آبشار کی تیز رفتاری کو برداشت کر لیتے ہیں۔ آبشار میں نہانے

سے ان کے اندر ایسی لطافت پیدا ہو جاتی ہے کہ آبشار کا نور انہیں بلندی کی جانب کھینچتا ہے اور وہ اس نور کے اندر سفر کرتے ہوئے پہاڑ کی چوٹی پر پہنچ جاتے ہیں۔ جہاں اللہ تعالٰی کی رحمت ان کا استقبال کرتی ہے اور بندہ اس کی رحمت کے سہارے اس کے قرب میں داخل ہو جاتا ہے۔ مقام قرب محبوبیت کا مقام ہے۔

ہر بندے کے لئے مقام قرب پر محبوبیت کی ایک انوکھی شان ہے اور اللہ کی بے شمار شانیں ہیں۔ ہر شان میں اس کی محبوبیت کی فکر ایک نئے رنگ میں جلوہ گر ہے۔ اللہ کی ہر فکر لامحدودیت ہے۔ بندہ قرب محبوب کے احساس کو لامحدودیت کے دائرے میں محسوس کرتا ہے اور لامحدودیت کے دائرے کی ہر فکر اللہ کی فکر ہے اور اللہ کی ہر فکر میں اسمائے الٰہیہ کے جلوے ہیں۔ بندہ اللہ کی نظر سے اللہ کے جلووں کا مشاہدہ کرتا ہے۔

بابا تاج الدینؒ کی باتیں سن کر میرے دل میں بے پناہ شوق ہوا کہ میں بھی اس آبشار میں کود جاؤں، مگر پاس ادب سے چپ چاپ اپنے جذبات کو دبائے کھڑی رہی۔ بابا تاج الدینؒ نے میری طرف ایک نظر بھر کر دیکھا۔ پھر میرے قریب آئے اور کوئی اسم پڑھ کر میری پیشانی پر پھونک ماری، پھر نہایت شفقت کے ساتھ فرمایا۔ ہماری طرف سے آپ کو اس آبشار میں نہانے کی اجازت ہے۔ اتنا سنتے ہی میں نے خوشی سے اس آبشار میں چھلانگ لگا دی اس کا پانی مجھے اوپر کھینچنے لگا۔ اور اسی لمحے میرے سارے بدن میں سنسناہٹ سی محسوس ہوئی اور میری آنکھ کھل گئی۔ آنکھ کھلتے ہی ایک لمحے کے لئے در و دیوار پر بے شمار جلوے رقصاں دکھائی دیئے۔

حریم ناز کے پردے اٹھے تو ہم نے یہ جانا
ہر اک پردے میں جلوہ ساز ہے وہ حسن جانانہ

صبا کہتی ہے مشت خاک کو اب دیکھ کر میری
رموز عاشقی سے آشنا کیونکر ہے بیگانہ

معرفت ذات

رات کو مراقبہ میں بیٹھتے ہی استغراق کی سی کیفیت طاری ہو گئی۔ کیا دیکھتی ہوں کہ عرش پر نور کی فضا میں چالیس دروازے ہیں۔ روح ایک دروازے سے نکل کر دوسرے دروازے میں داخل ہوتی ہے' پھر دوسرے سے نکل کر تیسرے میں داخل ہو جاتی ہے۔ اسی طرح ان دروازوں میں آ جا رہی ہے۔ میں تعجب میں پڑ گئی کہ روح ان دروازوں میں کیوں آ جا رہی ہے؟ تعجب کے ساتھ ساتھ تجسّس نے بھی گھیر لیا کہ ان عظیم الشان دروازوں کے پیچھے کیا ہے؟ میرا جی چاہا۔ میں بھی اڑ کر روح کے قریب پہنچ جاؤں اور روح کے ساتھ ان دروازوں میں داخل ہو جاؤں یہی سوچ کر میں نے اوپر اٹھنے کی کوشش کی' مگر فوراً یاد آ گیا کہ روح نے مجھے خاص طور پر تاکید کی تھی کہ بغیر میری اجازت غیب میں جانے کی کوشش نہ کرنا۔ میں نے جلدی اپنے ارادے کو سمیٹا اور پوری قوت سے آواز دی کیونکہ عرش بہت دور میری حد نگاہ پر تھا۔ اے روح! میں بھی تمہارے ساتھ ان دروازوں میں داخل ہونا چاہتی ہوں۔ میری آواز راکٹ کی طرح سیدھی روح کے قریب پہنچ گئی۔ میری نظر آواز کی روشنی کو انتہائی تیز رفتاری سے سفر کرتا دیکھ رہی تھی۔ جیسے ہی روشنی روح کی سماعت سے ٹکرائی روح نے چونک کر میری جانب نظر کی۔ شاید وہ میری آمد کی متوقع نہ تھی۔ اس کے چونکنے کا انداز بھی بڑا دلربا تھا۔ چلتے قدم ایک دم سے رک گئے اور کھجور کی شاخ کی مانند لہراتا بدن اسی انداز میں تھم گیا۔ سنہری زلفیں فضا میں لہرا گئیں۔ آنکھیں حیرت سے پوری کھل گئیں۔ میں ایک لمحے کو اسے مبہوت تکتی رہی' پھر اپنے حواس مجتمع کر کے اس سے التجا" عرض کی۔ پلیز روح! مجھے بھی اپنے ساتھ لے چلو۔ اس نے کچھ اور آنکھیں پھاڑ کر مجھے دیکھا جیسے سوچ رہی ہو کہ میں اس کا ساتھ دے بھی سکوں گی یا نہیں۔ میں نے پھر ایک بار اس سے ضد کی۔ اچھی روح! میرا ہاتھ تھام لو' مجھے بھی اپنے ساتھ لے چلو۔ میں تم سے وعدہ کرتی ہوں کہ تم کو بالکل تنگ نہیں کروں گی۔ مجھے معلوم تھا۔ روح میری ہر ضد بالآخر مان ہی لیتی ہے۔ اس کی محبت میں ممتا کا اثر ہے۔ میں نے سوچا اب روح مسکرا کر فوراً میرا ہاتھ پکڑ لے گی۔ اچھا چلو--- مگر روح کی روشن پیشانی پر ذمہ داری کی فکر ابھرنے لگی۔ جس نے اس کے مسکراتے چہرے کو سنجیدہ بنا دیا۔ اس نے میری ضد کی پرواہ نہ کرتے ہوئے مجھے اپنے ارادے سے باز رکھنے کی کوشش کی۔ کہنے لگی۔ تم پاگل ہوئی ہو' تمہیں پتہ بھی ہے کہ یہ چالیس باب کیا ہیں اور ان کے پس پردہ کون سے عالم آباد ہیں۔ تم تو بس ہر جگہ ساتھ چلنے کی ضد کرنے لگتی ہو۔ چاہے وہ جگہ تمہارے جانے کی ہو یا نہ ہو۔ مجھے روح سے اس سخت رویے کی توقع نہ تھی۔ اس کے انکار نے میرے شوق پر تازیانے کا کام کیا۔ میں نے مصمم ارادہ کر لیا خواہ کچھ بھی ہو ان دروازوں میں جھانکنا ضرور ہے۔ میں نے بھی تیز ہو کر روح کو جواب دیا۔ تم تو ابھی تک مجھے بچہ ہی سمجھتی ہو۔ یہ نہ کرو' وہ نہ کرو۔ اب میں بچی تو ہوں نہیں جو تم مجھ پر اتنی پابندیاں عائد کرتی ہو۔ کچھ بھی ہو میں نے جانا ضرور ہے۔ جب تم اتنی آسانی سے وہاں آ جا سکتی ہو تو میں کیوں نہیں جا سکتی۔ میں آ رہی ہوں۔ اس نے ایک گہرا سانس لیا۔ بولی اچھا بابا چلو' مگر تم کو یہاں آنے کے لئے نہا دھو کر تیاری کرنی ہو گی۔ میں نے کہا مجھے منظور ہے۔ بولی وہ جو سامنے نور کا دریا بہہ رہا ہے اس کے اندر اچھی طرح نہا دھو کر اپنے آپ کو پاک کر لو۔ میں تیزی سے دوڑتی ہوئی دریا تک پہنچی۔ کہیں روح اپنا ارادہ نہ بدل دے اور میں رہ جاؤں۔ نور کا دریا ایک بہت اونچے

پہاڑ سے نکل رہا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ اس دریا کی روانی میں آبشار کی سی تیزی تھی۔ مجھے تو بس یہی دھن تھی کہ کسی طرح جلدی سے روح کے پاس پہنچوں۔ اس دھن میں دریا کی تیزی کا خیال تک نہ آیا اور میں ایک دم سے اس کے پانی میں کود گئی۔ ایک لمحے تو لہروں کے تھپڑوں نے میرے نازک جسم کو زور سے جیسے دھکا دے دیا، مگر پھر میں سنبھل گئی۔ پانی ٹھنڈا اور لطیف تھا، اس کی ٹھنڈک میرے روئیں روئیں میں داخل ہوتی محسوس ہوئی۔ جلدی جلدی میں نے غسل لیا اور باہر نکل آئی۔ جسم پہلے کی نسبت نہایت ملائم اور شفاف تھا۔ طبیعت میں بھی لطافت و شگفتگی محسوس ہونے لگی۔ اتنے میں روح میرے پاس آ گئی۔ اس کے ہاتھ میں بالکل ویسا ہی لباس تھا جیسا وہ خود پہنے ہوئے تھی۔ اس نے یہ لباس مجھے دے کر کہا۔ یہ پہن لو، یہ تجلی کا لباس ہے بغیر اس لباس کے تمہیں کوئی ان دروازوں میں داخل نہ ہونے دے گا۔ میرا چہرہ خوشی سے روشن ہو گیا۔ میں نے جلدی سے لباس لے کر پہن لیا۔ یہ لباس مجھے اچھی طرح فٹ آ گیا۔ اس قدر حسین اور لطیف لباس میں نے کبھی نہ پہنا تھا اس کے پہنتے ہی خوشیوں کی لہریں جسم میں دوڑنے لگیں اور سارا جسم چاند کی طرح روشن ہو گیا۔ میں نے دریا کے نور میں اپنا عکس دیکھا اور خوشی سے مسکرا اٹھی۔ میں ہوبہو روح کا عکس لگ رہی تھی۔ روح کی بے پناہ محبت کے ساتھ میں روح کی بالکل بغل میں کھسک آئی اور اس کی تقلید کرنے کی کوشش میں اس کے ساتھ ساتھ اسی انداز پر چلنے لگی۔ چند قدم چلنے پر سیڑھیاں آ گئیں۔ میں نے اوپر نظر ڈالی تو جہاں تک نظر گئی سیڑھیوں کے سوا کچھ نہ دکھائی دیا۔ میں نے روح کا بازو خوب مضبوطی کے ساتھ پکڑ لیا اور سیڑھیاں چڑھنے لگی۔ پہلے تو ہم بہت تیزی کے ساتھ چڑھتے رہے، مگر اس کے بعد میرے پاؤں جواب دے گئے۔ باوجود ہزار کوشش کے بھی زمین سے جیسے چپک کر رہ گئے۔ روح آگے بڑھنے لگی۔ میں نے گھبرا کر اسے آواز دی۔ اے روح! میرے پاؤں چپک گئے ہیں۔ اس کے بڑھتے قدم رک گئے۔ شفیق مسکراہٹ کے ساتھ اس نے میرے پاؤں پر نظر ڈالی۔ میرے پاؤں میں ایک عجیب سی سنسناہٹ سی ہوئی اور اسی وقت پاؤں میں قوت آ گئی۔ چند سیڑھیاں چڑھنے پر میرا سانس اس قدر پھول گیا کہ یوں لگا جیسے دم اکھڑنے لگا ہے۔ سارا جسم بے جان ہو کر گرنے کو تھا کہ ایک دم روح نے تھام لیا۔ میں نے نظروں ہی نظروں میں روح سے سانسوں کی التجا کی۔ اس نے بہت جلدی سے میرا منہ اپنے سے ملا دیا اور تب آہستہ آہستہ میرے منہ میں پھونک مارنے لگی۔ اگلے ہی لمحے بالکل تازہ دم تھی۔ میں نے شکر کے طور پر اس کا منہ چوم لیا اور پھر سیڑھیاں چڑھنے لگی۔ روح نے بتایا کہ اب منزل بالکل قریب ہے۔ صرف چند سیڑھیاں باقی ہیں۔ میں نے آخری سیڑھی پر قدم رکھا اور یہ کیا۔ میرے منہ سے ایک خوفزدہ چیخ نکل گئی۔ اچھی روح میری آنکھیں اندھی کیوں ہو گئیں، میری بینائی کہاں چلی گئی، مجھے اپنی نظر عطا کر دو۔ میں بے بسی سے چیخ پڑی۔ روح نے جلدی سے مجھے گلے لگا لیا اور پیار کے ساتھ میری دونوں آنکھیں چوم لیں۔ بولی پگلی خواہ مخواہ چلا رہی ہے۔ ٹھیک تو ہیں تمہاری آنکھیں اور سچ مچ میری آنکھیں تو پہلے سے بھی زیادہ روشن تھیں۔ میں ایک دم ہنس پڑی۔ ہم دونوں نے آخری سیڑھی چڑھی۔ سامنے ایک دروازہ تھا۔ وہی دروازہ جو میں نے نیچے دیکھا تھا۔ اس کی وسعت زمین و آسمان جتنی تھی۔ ایک ہیبت دل پر طاری ہو گئی۔ میں نے دیکھا روح اس دروازے پر سجدے میں گر گئی۔ میں نے بھی فوراً روح کی تقلید کی اور بارگاہ الٰہی میں سر بسجود ہو گئی۔ دل میں عجیب سا احساس تھا۔ اللہ تعالیٰ کی عظمت کا رعب و دبدبہ اور ہیبت دل پر طاری تھی، مگر اس کے ساتھ ہی اس کی

بے پناہ محبت اس کی کشش بن کر اس کی جانب کھینچ رہی تھی۔ ہم نے سر سجدے سے اٹھایا۔ روح نے مجھ سے کہا اے بنت رسولؐ! یہ ذات کے عالمین کا ایک باب ہے ان عالمین کو اپنے رب سے براہ راست ملاقات کرنے کے آداب سکھائے جاتے ہیں۔ روح کے اتنا کہنے پر خوشی کے مارے میرا دل دھڑکنے لگا۔ کون جانتا ہے۔ ان پردوں میں ذات کے کیسے کیسے رموز پنہاں ہیں۔ روح نے دروازے کے اوپر ہاتھ رکھا۔ ایک خوبصورت نوجوان نے دروازہ کھولا اور مسکراتے ہوئے جھک کر سلام کیا۔ ہم نے بھی جواباً" سلام کیا اور اشارہ پاتے ہی دروازے کے اندر قدم رکھ دیا دروازے میں داخل ہوتے ہوئے میرے ذہن میں یہ آیت گونجی۔

ترجمہ: داخل ہونا دروازے سے سر جھکائے ہوئے اور کہتے جانا بخش دے ہمیں۔ (سورۃ البقرۃ آیت نمبر 60)

اور میری زبان پر بھی یہی الفاظ آگئے۔ ایک روشن سیدھے راستے پر ہم چل پڑے۔ تھوڑی دور چلنے پر ایک عظیم الشان عمارت آگئی اس کے دروازے پر پہنچے تو روح نے اندر داخل ہونے سے پہلے مجھ پر ایک جائزانہ نظر ڈالی۔ پھر میرا ہاتھ پکڑا اور دروازے پر ہاتھ رکھا۔ دروازہ کھل گیا۔ ہم اندر داخل ہوئے۔ یہ ایک کمرہ تھا' بے حد بڑا۔ اس کمرے میں بیچوں بیچ ایک میز کرسی تھی۔ میز کے اوپر ایک شمع جل رہی تھی۔ ایک کتاب اسی میز پر شمع کے قریب رکھی تھی۔ کمرے میں کوئی نہ تھا۔ ہم دونوں کے سوا روح کے اشارے پر میں کرسی پر بیٹھ گئی اور کتاب کو کھولا۔ میری حیرانی کی حد نہ رہی جب یہ دیکھا کہ کتاب کے سارے ورق کورے ہیں ان پر ایک لفظ بھی نہیں ہے۔ میں نے حیرت زدہ نظروں سے روح کی جانب دیکھا جس نے کتاب کھولنے کا اشارہ کیا تھا۔ اس کا یہ اشارہ بھی بڑے پراسرار انداز میں تھا۔ میرے ذہن میں بار بار یہ خیال آنے لگا یہ ذات کے عالمین ہیں۔ یہاں ذات کے اسرار پوشیدہ ہیں۔ روح نے میری حیرت کو پہچانتے ہوئے سکوت توڑا۔ اے بنت رسولؐ! یہ کتاب آپ کا دل ہے جو ہر علم سے خالی ہے' شمع کی ذات آپ کا تفکر ہے جو دل کے خلاء کو تسلیم نہیں کرتا۔ شمع کی لو آپ کی نظر ہے' جو خلاء میں داخل ہو کر تفکر میں یقین کی روشنی اور رنگ بھر دیتی ہے۔ اپنی ذات کو شمع میں منتقل کر دیں تب آپ کی نظر کتاب کے اسرار کو پا جائے گی۔ روح کے یہ کہنے پر میں نے نہایت ہی غور سے شمع کی جانب دیکھا۔ مجھے روح کی ایک ایک بات پر پورا یقین تھا۔ میں نے سوچا شمع میں داخل ہونے کا راستہ یہیں کہیں ضرور ہے اور میں نے بغیر پلک جھپکائے شمع کی لو پر نظریں گاڑ دیں۔ کون جانتا ہے کتنی دیر میں اس عالم میں رہی۔ نہ مجھے اپنا ہوش تھا نہ روح کا۔ بس میری نظر میں تو شمع کی لو تھی' اس کی روشنی تھی' اس کی حرارت تھی۔ شمع کے اندر ایک در کھلا اور میں اس کے اندر سما گئی میں نے اپنی ذات کو شمع کی حیثیت سے پہچان لیا۔ میں خود شمع ہوں' شمع کی لو میری نگاہ ہے۔ یہ نگاہ سیدھی کتاب پر پڑی۔ نظر نے جو کچھ دیکھا جھوٹ نہ دیکھا۔ کتاب کا ہر صفحہ نظر کی روشنی کی زد میں تھا اور ہر صفحہ قرآن کی ایک تحریر تھی۔ نگاہ ہر صفحہ پر ٹھہر جاتی اور قرآن کے صفحے عالمین کی صورت میں سامنے آ جاتے اور قرآن کے الفاظ ان عالمین کے اندر کی اشیاء کی صورت اختیار کر لیتے "میری آیتوں ،، جھٹلاؤ۔" ذات کا تفکر شمع کی ذات کے اندر متحرک تھا۔ شمع جل جل کر اپنی روشنی پھیلاتی رہی اور اس روشنی میں عالمین جگمگاتے رہے۔ وحدت فکر نے ایک بار پھر کروٹ بدلی۔ وحدت کی نظر خود اپنی ذات کو دیکھنا چاہتی تھی۔ وحدت نظر اپنی تلاش میں ذات کے پردوں سے گزرنے لگی شمع کے اندر تفکر کی

روشنی چالیس پردوں سے گزر کر خلاء میں داخل ہوئی۔ لاعلمی کے خلاء میں یہی وحدت فکر کا اجالا ہوا۔ ذات کے تفکر نے لامحدودیت میں ذات کا عکس منتقل کر دیا۔ شمع کی لو (وحدت نگاہ) ذات کے عکس کو دیکھنے کے لئے بیتاب ہو گئی۔ آج ذات کا راز ظاہر ہونے کو ہے۔ اے پردوں میں چھپنے والے سامنے آ۔ وحدت نگاہ نے دیکھا۔ لامحدودیت کے خلاء میں ایک شمع روشن ہے۔

من تو شدم تو من شدی تن شدم تو جان شدی
تاکس نہ گوید بعد ازیں من دیگرم تو دیگری

عالم ہوئیت

ذہن کے اندر ایک جھماکا ہوا۔ ساتھ ہی یہ آواز گونجی میں اللہ تعالیٰ کے اسرار کی امین ہوں۔ یوں لگا جیسے فرش پر کوئی شے دھم سے آن گری ہے۔ میرے تمام حواس چوکنے ہو گئے۔ جستجو دھم کی آواز پر تیزی سے لپکی اور نہایت سرعت کے ساتھ جائے وقوع پر آن پہنچی۔ کیا دیکھتی ہوں۔ روح لباس خداوندی میں فرش بے نیازی پر ادائے دلربائی کے ساتھ براجمان ہے۔ زلفیں بکھری بکھری سی' گریباں کھلا کھلا سا' نگاہوں میں مستی' رخسار پر سرخی' میری آنکھیں اسے دیکھ کر مسکرا اٹھیں اور دل کہہ اٹھا۔ "تیری صبح کہہ رہی ہے۔ تیری رات کا فسانہ" میری آواز سن کر وہ ایک دم سے چونک اٹھی اور پھر بے خیالی میں اپنے آپ میں سمٹنے لگی۔ میں تیزی سے اس کے پاس آ گئی اور جلدی سے اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔ قبل اس کے کہ وہ اپنی اداؤں میں سمٹ کر میرے حواس سے گم ہو جائے اور میں ڈھونڈتی ہی رہ جاؤں۔ شاید میری یہ دخل اندازی اسے کچھ پسند نہ آئی وہ اپنا ہاتھ چھڑاتے ہوئے بولی۔ تم تو میری جان کو آ گئی ہو' کبھی تو مجھے اکیلی چھوڑ دیا کرو۔ اس کی اس جھڑکی میں بھی زمانے بھر کا پیار تھا۔ میرا جی چاہا میں اسی طرح اس کا ہاتھ پکڑے جاؤں اور وہ اسی طرح چھڑاتی رہے نہ دل کا یہ تقاضا ختم ہو نہ روح کا یہ عمل فنا ہو۔ آج دل کی حالت عجیب تھی۔ اس کے اندر سے برائی کا تصور ہی نکل چکا تھا۔ اسے تو

روح کی ہر ادا سے پیار تھا اور بس' کیا اور بھی کوئی احساس ہے محبت کے احساس کے سوا۔ یہ دل تو ایک آئینہ ہے جس میں محبت کا عکس جلوہ گر رہتا ہے محبت روح ہے' محبوب ہے۔ آج اسے محب اور محبوب ایک ہی ہستی معلوم ہوتی ہے۔ میں نے اپنے تمام تر حواس کے ساتھ روح کا ہاتھ اور زور سے تھام لیا۔ محبت کی گرفت بڑی مضبوط تھی۔ روح محسوس کئے بغیر نہ رہ سکی۔ اس نے پیار سے میرا ہاتھ دبایا اور بولی۔ اے نادان! انسان اللہ تعالیٰ کے اسرار کا امین ہے۔ ان الفاظ کے ساتھ ہی اس کے لبوں سے ایک آہ نکلی۔ اس کی کشش نے میرے دل کو اپنے اندر کھینچ لیا۔ دل ایک ذرے کی مانند کھنچتا چلا گیا۔ آنکھوں میں اندھیرا چھا گیا۔ میں نے اپنے آپ کو تسلی دی ڈرنے اور فکر کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ روح تو مجھ سے بے پناہ محبت کرتی ہے اور محبت کرنے والے اپنے سے محبت رکھنے والے کو ضائع نہیں کرتے۔ اسی وقت میرے قدموں سے فرش ٹکرایا اور میں دھم سے آن گری۔ اپنے حواس یکجا کر کے ادھر ادھر دیکھا۔ ہر طرف ایک ہو کا عالم تھا' کوئی بھی تو نہ تھا۔ اس سناٹے کو دیکھ کر تو سچ مچ خوف طاری ہونے لگا۔ میں نے گھبرا کے روح کو آواز دی۔ اسی دم میری پیٹھ سہلاتے ہوئے اس نے دلاسا دیا۔ میں تمہارے پاس ہی تو ہوں۔ میرے دل کا خوف یکسر کافور ہو گیا۔ میں سوچنے لگی۔ اس اندھیرے میں مجھے روح بھی دکھائی نہ دی۔ میں نے روح کی بغل میں گھستے ہوئے کہا۔ مجھے اندھیرے سے ڈر لگتا ہے' یہاں اتنا اندھیرا کیوں ہے۔ اندھیرے میں مجھے کچھ نظر نہیں آتا۔ اس نے آہستہ آہستہ میری پیٹھ پر ہاتھ پھیرا۔ بولی' ذرا توقف کرو۔ تم سب کچھ دیکھنے لگو گی۔ بس میرے ساتھ ساتھ چلتی رہو۔ میں روح کے سہارے چلتی رہی۔ ایسا لگتا تھا کہ زمین سخت اونچی نیچی ہے۔ کہیں کھڈ تھے کہیں ٹیلے۔ کہیں پاؤں ایک دم سے گڑھے

میں جانے لگتا اور کبھی کسی ٹیلے سے ٹکرا جاتا۔ روح ہر قدم پر مجھے پوری طرح سنبھال لیتی اور ہاتھوں کے لمس سے میرے ارادے میں توانائی بخشتی رہی۔ چلتے چلتے میری آنکھیں جیسے اندھیرے میں دیکھنے کی عادی ہو گئیں۔ میں نے خوش ہو کر کہا۔ اے روح اب مجھے بھی تھوڑا دکھائی دینے لگا ہے وہ بولی۔ تم کیا دیکھ رہی ہو۔ میں نے کہا کہ اس ویرانے کا فرش سخت ناہموار ہے اور اس پر ہو کی آوازیں ماحول کے سناٹے کو اور بھی پراسرار بنا رہی ہیں۔ یہ کون سی جگہ ہے؟ وہ بولی۔ یہ یقین کی وادی ہے۔ قلب کی نظر جب اس وادی کا مشاہدہ کر لیتی ہے تو اس کا یقین کامل ہو جاتا ہے۔ میں نے کہا مشاہدہ کرنے سے یقین کامل کیسے ہوتا ہے؟ وہ بولی اس ناہموار زمین پر اس اندھیرے میں کیسے چل رہی ہو۔ میں نے کہا کہ بہت سنبھل سنبھل کے۔ ایک طرف تو میری پوری توجہ اس بات کی جانب ہے کہ تمہارا ہاتھ نہ چھوٹ جائے کیونکہ تمہارے سہارے کے بغیر میں یہاں ایک قدم بھی نہیں چل سکتی۔ دوسری جانب میری تمام تر توجہ زمین کی ناہمواری کی طرف ہے کہ کسی ایسی جگہ پاؤں نہ پڑ جائے۔ جس سے پاؤں میں چوٹ لگ جائے اور میں تمہارا ساتھ نہ دے سکوں۔ روح بولی۔ شعور جب اس احتیاط کے ساتھ یقین کی اس وادی کو پار کر لیتا ہے تو اس کے دل میں یقین کا ایک پیٹرن بن جاتا ہے۔ وہ شعور میں آنے والی ہر اطلاع کو یقین کے اس پیمانے میں رکھ کر تولتا ہے جس کی وجہ سے ہر اطلاع پر شعور کی حرکت مثبت ہوتی ہے۔ ذہن کی مثبت حرکت خیال کو مثبت معنی پہناتی ہے۔ جس میں فکر کے صحیح خدوخال نظر کے سامنے آ جاتے ہیں۔ ہر فکر اللہ کے ارادے سے شروع ہوتی ہے اور اللہ ہی کے ارادے میں لوٹ جاتی ہے۔ اللہ کے ارادے میں ہر فکر حقیقت کے لباس میں موجود ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارادہ فکر کے اس عکس کو حرکت دیتا ہے اس حرکت کو "

کن" سے تعبیر کیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے ارادے کی ایک فکر انسانی روح ہے۔ روح کی حرکت کا آغاز اللہ تعالیٰ کے ارادے سے ہوا۔ جب شعور اس مقام کو پہچان لیتا ہے تو گویا وہ اپنی کنہ حقیقت سے واقف ہو جاتا ہے۔ اپنی حقیقت کی واقفیت اس پر اللہ تعالیٰ کے ارادے کی حکمتوں کو بے نقاب کر دیتی ہے۔ اللہ کے ارادے میں ہر فکر اپنی حقیقی صورت میں موجود ہے فکر کی روشنی جب اپنے مقام سے دور ہوتی جاتی ہے تو ہر مقام پر خود اپنی ہی روشنی کا غلاف اپنے اطراف میں بن لیتی ہے۔ اس غلاف کے اندر فکر کی حقیقت اپنے آپ کو چھپا لیتی ہے۔ روح کی زبانی یہ باتیں سن کر جانے کیوں میرے اندر ایک سنسناہٹ سی دوڑ گئی۔ میں نے بہت غور سے روح کی جانب دیکھا۔ اندھیرے میں روح پراسرار ہیولا دکھائی دی۔ مجھے یوں لگا جیسے میری نظر آہستہ آہستہ روح کے اندر اترتی جا رہی ہے۔ جیسے اندھیرے میں میں سیڑھیاں اترتی جا رہی ہوں۔ یہ اندھیرا بھی عجیب تھا۔ جب میں قدم اٹھاتی تو اندھیرا گہرا دکھائی دیتا، مگر قدم زمین پر رکھتے رکھتے یوں محسوس ہوتا جیسے اندھیرا چھٹتا جا رہا ہے اور میں ابعاد یا ڈائی مینشن سے گزر رہی ہوں۔ ہر ابعاد کے دور سرے پر روح کھڑی دکھائی دیتی۔ میری نظر کا مرکز صرف روح کی ذات تھی۔ روح سے قریب ہونے کی کوشش میں میں مسلسل ابعاد سے گزرتی رہی۔ میری نظر پلک جھپکنا بھول گئی۔ ذہن میں صرف یہ خیال گردش کرتا رہا کہ روح کی ہر تصویر اللہ کا اسرار ہے۔ مجھے کچھ خبر نہ تھی کہ میں کہاں جا رہی ہوں۔ بس نظر کے سامنے روح کے عکس ایک کے بعد دوسرا نہایت تیزی سے آتے رہے۔ مجھے یوں محسوس ہوتا جیسے میں ہر عکس کی جانب پوری تیزی سے دوڑ کر لپکتی ہوں۔ جیسے ہی اس عکس سے قریب تر ہوتی ہوں تو اس عکس یا روح سے لپٹ جاتی ہوں اور لپٹتے ہی پھر ایک دم سے اپنے آپ کو اس سے دور پاتی

ہوں، پھر روح ایک نئی صورت میں دور کھڑی دکھائی دیتی ہے، پھر دوڑ کر اس کے سینے سے لگتی ہوں، پھر دور ہو جاتی ہوں۔ ہر بار روح کی ایک نئی صورت سے بغلگیر ہوتی ہوں۔ اسی حالت میں جانے کتنی صدیاں گزر گئیں۔ وقت گزرنے کا احساس تو تصویر کا نظر کے سامنے ٹھہر جانے پر ہوتا ہے یہاں تو نظر کے سامنے ہر تصویر نئی تھی۔ یہی ایک انہماک احساس کو لطیف بنائے ہوئے تھا اب کی بار جب میں روح کے سینے سے لپٹی تو یوں لگا جیسے میں اس کے اندر داخل ہو گئی ہوں۔ ایک لمحے کو یوں لگا جیسے میں سمندر کی گہرائی میں اتر رہی ہوں اور پھر میرے پاؤں نے سمندر کی تہہ کو چھو لیا۔ میں نے چاروں طرف نظر ڈالی۔ نور کا ایک سمندر تھا، جس کی تہہ میں میں کھڑی تھی۔ میری کچھ سمجھ میں نہ آتا تھا کہ میں یہاں کیسے آ گئی اور اب یہاں سے کیسے نکلوں گی۔ ہر طرف سے نور کی دبیز تہوں نے مجھے چاروں طرف سے گھیر رکھا تھا۔ میں نے سوچا اس سمندر میں کوئی تو راستہ ہو گا۔ مجھے یوں لگا جیسے میں وحدت کے سمندر میں سیپی کے اندر کا موتی ہوں۔ دل میں ایک غبار سا اٹھا۔ اے دل ناداں! تو وہ موتی ہے جو سیپی کے اندر بند ہے۔ یہاں تیری قدر و قیمت کون جان سکتا ہے۔ یہاں سے باہر نکل اور کسی کے گلے کا ہار بن جا، کسی کی رگ گلو سے قریب ہو جا، کسی کی جان سے لپٹ کر کسی کی جان بن جا، آہ، کوئی تو تجھے پہچانے۔ دل کا ابھرتا تقاضہ نظر بن گیا۔ یہ نظر خود اپنے ہی جمال کو دیکھنا چاہتی تھی۔ یہ دل خود اپنے ہی حسن پر نثار ہونا چاہتا تھا۔ وحدت سمندر کا یہ انمول موتی آج اپنی قیمت خود لگانا چاہتا تھا۔ دل کے تقاضے نے بڑھتے بڑھتے سمندر کی تہہ میں راستہ ڈھونڈ ہی لیا۔ دل کا تقاضہ آہ بن کر موتی کی جان میں سوراخ کرتا رہا۔ بند سیپی کا ہو کا عالم تنہائی کا احساس موتی کے سوراخ سے آہستہ آہستہ اس کی جان میں اترتا گیا۔ ہر قدم پر اسے محسوس ہوتا

جیسے یار اس سے گلے مل کر بار بار جدا ہوتا جا رہا ہے۔ یاد دم بدم و بار بار میں آید۔ ہر بار گلے سے جدا ہونے پر ہو کا عالم احساس اس کی جان میں اتر کر اس کے دوبارہ گلے ملنے کے تقاضے کو ہوا دیتا ہے۔ میں کومل سی جان کب تک ہواؤں کے یہ تھپیڑے سہوں' محبوب مجھے گلے کا ہار کیوں نہیں بنالیتا کہ پھر کبھی جدا نہ ہوں۔ اس کا بار بار گلے لگانا اس بات کی پہچان ہے کہ میں اس کی محبوب ہوں' مگر مل کر بار بار جدا ہونا ہو کے عالم تنہائی میں اس سے ملنے کے تقاضوں میں بھٹکنا ہے۔ اے جان عالم! کب وہ دن آئے گا کہ تیری ہوئیت میں میری جان کو تیری جان تک راستہ ملے گا۔ میں نے چاروں طرف دیکھا۔ موتی کا سوراخ اس کے قلب تک پہنچا ہوا تھا۔ خیال آیا جب تک موتی کے آرپار سوراخ نہ ہو گا۔ ڈوری میں موتی کیسے پرویا جائے گا۔ ڈوری تو اس کے عشق کا بندھن ہے۔ عشق جب تک دل وجان میں سرائیت نہ کر جائے' محبوب نہیں ملتا۔ عشق ہی محبوب ہے۔ نظر نے دیکھا موتی کا سوراخ آہستہ آہستہ آگے بڑھتا جا رہا ہے۔ یہاں تک کہ موتی کے اندر آرپار سوراخ ہو گیا۔ مجھے یوں محسوس ہوا میری ذات خلاء ہے۔ جیسے خالی بوتل' جیسے خالی ساغر۔ اسی خیال میں لبوں سے اللہ ہو کی صدا بلند ہوئی۔

موتی کے خلاء میں عالم ہوئیت کی لطیف ہوا داخل ہوئی۔ محسوس ہوا جیسے محبوب کی سانس روح بن کر اس کے اندر داخل ہو رہی ہے۔ عالم ہوئیت کی ہوا موتی کے خلاء سے آتی جاتی رہی۔ سانس کے آنے جانے میں محبوب کا تصور روح وجان بن کر میری رگ وجان میں سماتا رہا۔ ہر آنے والی سانس میرے لئے زندگی کا پیغام تھی اور ہر جانے والی سانس اس پیغام کو عالم ہوئیت میں نشر کرنے والا نغمہ تھا۔ میں نے دیکھا بند سیپی میں موتی کی روشنی بڑھتی جا رہی ہے۔ اس روشنی سے سارا ماحول روشن ہو گیا۔ سیپی کا خول آئینہ بن گیا۔ اس آئینے میں روح کا شعور روح کا ہو بہو عکس بن کر نمودار ہوا۔ مجھے آئینے میں دیکھتے ہی معلوم ہو گیا یہ میری ذات ہے۔ آئینے نے ہر سمت سے عکس کو ظاہر کر دیا۔ میری ذات خود مجھ پر عیاں ہو گئی۔ میں اللہ کی پھونکی ہوئی روح ہوں۔ ذات کی خود آگہی پر سیپی کا منہ کھل گیا۔ روح نے عالم ہوئیت میں قدم رکھا۔ وحدت رنگ اس کا لباس بن گئی روح کا نور وحدت کے رنگوں سے رنگین ہو گیا۔ وہ عالم ہوئیت میں جہاں جہاں قدم رکھتی سارا عالم اس کے نور سے جگمگا اٹھتا۔ اس کی آنکھیں حد نگاہ تک اس نور کا پیچھا کرتیں اور دل کے چور دروازے سے محبوب کا تصور نظروں کی شہہ پاتے ہی دبے پاؤں باہر آ جاتا۔ آج سب کچھ محبوب ہے۔ وہ ذات ہے' میں اس کی روح ہوں۔ وہ نظر ہے' میں نور ہوں۔ وہ عاشق ہے' میں اس کا عشق ہوں۔ روح کے نور میں تصویر کے جلوے وحدت کی تصویر بن کر بکھر گئے۔ جیسے سیپی میں موتی۔ نظر نے ان سب موتیوں کو اپنی لڑی میں پرو لیا۔ میں نے مسکرا کے ایک گہرا سانس لیا۔ "اللہ ہو"۔ تیرا راز تو ہی جانتا ہے۔ میں نے رگ گلو سے قریب ہو کر تجھے پہچانا ہے۔ میری ہر سانس تیرا اسرار ہے' میں تیری رازوں کی امین ہوں اور عالم ہوئیت میں روح کے لبوں سے اللہ ہو کی صدائیں بلند ہوئیں۔ روح کے ذریعے ذات کے اسرار عالمین میں پھیلتے رہے۔

ذات کا ادراک

اللہ میاں بھی جیسے اپنے نادان بندوں پر اپنی رحمتیں لٹانے کے بہانے ڈھونڈتے رہتے ہیں کبھی کسی گروہ انسانی کی فکر میں یہ بات ڈال دی کہ فلاں دن تمہارے لئے بابرکت ہے' اس دن دنیاوی دھندوں سے آزاد ہو کر اللہ کی جانب رجوع کرو۔ تو اللہ تمہاری حاجتیں پوری کرے گا۔ کبھی کسی گروہ کے ذہن میں یہ بات ڈال دی کہ تمہارے لئے فلاں رات باقی راتوں سے زیادہ متبرک ہے۔ اس رات مادی فکروں سے آزاد فارغ رہ کر کچھ دیر کے لئے اپنی تمام تر توجہ کے ساتھ اللہ کی جانب رجوع کرو تاکہ تم اللہ کی مقرر کردہ نعمتوں کے حقدار بن جاؤ۔ کسی گروہ کے ذہن میں جمعہ کا دن اور دنوں سے مبارک ہے ڈال دیا اور کسی گروہ کے دل میں ہفتے کی فضیلت کا تفکر منتقل کر دیا' کوئی گروہ بنی آدم اتوار کو متوجہ الی اللہ ہونے کے لئے بہترین دن قرار دیتا ہے۔ غرض کہ اللہ کی یہی فکر جس کی حکمت وسنت یہ ہے کہ بہت سے لوگ ایک عقیدے کے ایک جگہ جمع ہو کر اجتماعی طور پر اللہ کی جانب متوجہ ہوں اور اجتماعی طور پر اللہ کی عبادت کریں اس فکر کی روشنی ساتوں دنوں پر محیط ہے' ہر گروہ نے اپنے اپنے دین کو پہچان لیا۔ میں سوچنے لگی ہر گروہ اور ہر قوم جو بھی اللہ کی اس فکر پر عمل کرتی ہے وہ اللہ کے حکم کی تعمیل میں ہے اور اللہ کی سنت کے قوانین کو عملی جامہ پہنا رہی ہے۔ اللہ کے نزدیک تو ہر دن مبارک ہے۔ خواہ وہ جمعہ ہو' ہفتہ یا اتوار اور کوئی دن۔ اصل میں دن کی برکت اس کے نام میں نہیں ہے' بلکہ دن کی برکت اللہ کے تفکر میں ہے۔ جس قوم یا جس فرد نے بھی جس گھڑی' جس دن اللہ کے حکم پر عمل کیا۔ اللہ کے تفکر کی حکمتیں پہچان کر اس کی سنت کا تقاضا پورا کرتے ہوئے اس کے حکم پر عمل کیا اس انسان کے لئے وہی دن' وہی گھڑی سب سے زیادہ متبرک ہے' مگر قوم کے پاس اللہ کا تفکر اور اللہ کا پیغام لانے والی ہستیاں پیغمبر علیہ السلام ہیں۔ پس پیغمبر علیہ السلام نے اپنی قوم کے اندر جس گھڑی اور جس ساعت کی فضیلت کا تفکر منتقل کیا ہے اس لمحے قوم کے لئے اپنے پیغمبر سے ذہنی و قلبی رابطہ قائم کرنا اور وقت سے زیادہ آسان ہے کیونکہ اس لمحہ خود تفکر کی روشنی قوم کے ذہنوں پر نازل ہو رہی ہے۔ بلاشبہ ہر شئے میں اللہ کی حکمتیں موجود ہیں۔

ہر بڑی رات۔ یہی خیالات میرے ذہن میں آتے رہے۔ ان خیالات کے ساتھ ہی مجھے اللہ میاں پر بہت پیار آنے لگا۔ کیسے پیارے ہیں' اتنی بے نیازی کے باوجود بھی اپنے بندوں کی محتاجی پر اس قدر نظر رکھتے ہیں۔ مجھے محسوس ہوا جیسے میں ننھی منی بچی ہوں' جو اپنی ماں کے گلے میں بانہیں ڈال کر اس سے اپنی معصوم محبت کا اظہار کرتی ہے۔ میرے اندر محبت کا چشمہ پھوٹ پڑا۔ مجھے لگا کہ اللہ تعالیٰ کی نظر میرے اوپر بہت ہی قریب سے پڑ رہی ہے۔ اتنے قریب سے کہ مجھے یوں محسوس ہوا کہ اس کی نظر کے نور سے میں شمع کی مانند پگھل کر نہ رہ جاؤں۔ اس کی نظر کی روشنی آہستہ آہستہ پھیلنے لگی اس روشنی میں پہلے مجھے بے شمار فرشتوں کے غول کے غول دکھائی دیے کوئی غول چڑیوں کی طرح اڑتا ہوا زمین پر آ رہا ہے کوئی زمین سے واپس اوپر جا رہا ہے۔ سب اپنے اپنے کاموں میں مصروف دکھائی دیتے۔ میرے دل کا احساس فرشتوں کی طرح لطیف ہو گیا۔ مجھے لگا جیسے میں فرشتوں کو دیکھ رہی ہوں تو فرشتے بھی مجھے دیکھ رہے ہیں۔ میرے احساس کی گہرائیوں سے لہریں نکلنی شروع ہو گئیں۔ یہ لہریں فرشتوں کی روشنیوں سے ٹکرانے لگیں۔ میرے قلب نے ان لہروں کو الفاظ میں منتقل کر کے شعور کو اطلاع دی۔ قلب ک

گہرائیوں سے نکلنے والی ان روشنیوں میں فرشتوں کے لئے پیغام تھا۔ اے فرشتو! اس بابرکت رات میں دنیا والوں کے ذہنوں میں سلامتی اور امن وسکون کی لہریں منتقل کرو۔ آج سے زیادہ دنیا والے کبھی اتنے محتاج نہ تھے۔ اے فرشتو! بنی آدم کے سینوں میں ابلیس کی دھکتی آگ کو اپنے نور سے بجھا دو۔ آج سے زیادہ کبھی بنی نوع انسانی اتنے خطرے میں نہ تھی' یوں لگا جیسے دنیا کا ہر فرد بھڑکتی آگ کے شعلوں میں گھرا ہوا ہے۔ میرے ادراک میں درد کی ایک بوند ابھری اور دیکھتے ہی دیکھتے ادراک کے سمندر میں جیسے طوفان آگیا۔ سمندر کی لہر اٹھ کر کہتی کہ یہ درد کی بوند میرے سمندر میں کیسے آگئی۔ جس طرح تیل کی بوند پانی کے اوپر تیرتی رہتی ہے۔ اس طرح سمندر کی ہر لہر دور کی اس بوند کو لئے ہوئے ادراک کے اس سرے سے اس سرے تک دوڑنے لگی۔ ساری قوم کا درد ادراک کی ایک بوند میں سمٹ آیا اور یہ بوند اس درد کے احساس سے رنگین ہو گئی۔ سمندر کے سفید سفید جھاگ پر ایک رنگین موتی۔ دل سے ایک آہ نکلی۔ کیا کوئی اس موتی کا قدردان نہیں ہے؟ سمندر کی ہر لہر اسے بوجھ سمجھ کر ایک کندھے سے دوسرے کندھے پر ڈالتی پھر رہی ہے۔ کوئی بھی اسے اپنے دوش پر اٹھانا پسند نہیں کرتی اور یہ بوند درد کے رنگ سے بوجھل ہو گئی۔ اے میرے رب! تیرے سوا اور کون ہے جو اس درد کا مداوا کرے۔ اس لمحے پھر مجھے یوں لگا جیسے اللہ تعالیٰ کی نظر بہت قریب سے مجھے دیکھ رہی ہے۔ قربت خداوندی کے اس احساس نے اپنا مشاہدہ یوں کرایا۔ سمندر کے سفید سفید جھاگ پر تیرنے والی اس رنگین بوند میں رنگ کے درمیان بیچوں بیچ سمندر کے سفید سفید جھاگ کا ایک نقطہ داخل ہو گیا۔ یہ نقطہ آہستہ آہستہ پھیلنے لگا۔ درد کا رنگ اس کے رنگ میں تحلیل ہونے لگا۔ رنگ نقطے کے کناروں پر سمٹتے سمٹتے غائب ہو گیا۔ سمندر کے

ادراک نے بالآخر درد کی اس بوند کو اپنے اندر سمیٹ لیا رنگ ہی تو اس کی پہچان تھی۔ ننھی سی بوند سمندر کی بیکراں وسعتوں میں کھو کر رہ گئی۔ دل میں ذات کا تجسس پیدا ہوا۔ نظر اپنی انا کی تلاش میں بار بار سمندر کی سطح سے ٹکراتی رہی۔ نظر کی جستجو بڑھتی چلی گئی۔ دل میں ایک خیال ابھرا میرا وجود کہاں ہے۔ دل کا عالم ایک اندھے کنوئیں کی طرح گہرا اور خالی تھا۔ اس خلاء میں تجسس کی پکار میرا وجود کہاں ہے' کہاں ہے؟ فکر کی یہ گونج اندھیروں میں بھٹکنے لگی اور اس فکر وجدانی نے دل کے سمندر کی تہہ کو چھو لیا۔ فکر وجدانی کے دل کی انتہائی گہرائی کو چھوتے ہی ایک روشنی پیدا ہوئی۔ نظر نے مشاہدہ کیا۔ تجلی کے اندر انا کا ایک نقش ہے' نظر کی روشنی میں یہ نقش نورانیت سے جگمگا اٹھا۔ فکر وجدانی میں انا کی تکرار گونج اٹھی یہ میں ہوں۔ نظر انا کے نقش پر جم کر رہ گئی۔ محبوبیت کے سارے رنگ ایک ایک کر کے نظر کی ڈور سے اترتے چلے گئے۔ ربوبیت ان رنگوں کو اس نقش میں سموتی چلی گئی اور یہ رنگین تصویر احسن تقویم کا شاہکار بن کر بنانے والے کی داد تحسین کی محتاج بن گئی۔ تصویر کے تمام رنگ پکار اٹھے۔ اے میرے رب! آج سے بڑھ کر میں کبھی تیری محتاج نہ تھی۔ مجھے اپنی حفاظت میں لے لے۔ انا کی یہ خاموش پکار نظر کی کشش بن گئی اور نظر کی کشش نے تجلی کا پردہ سرکا کے اس رنگین حسن کو اپنے سینے سے لگالیا۔ نظر کی کشش اور محبوب کے لمس نے زندگی کی تمام قوتیں تصویر کے رنگوں میں انڈیل دیں۔ مردہ جسم میں جان آگئی' انا کی تکرار ختم ہو گئی' محبوبیت کے تفکر میں انا تحلیل ہو گئی' محبوب کی آغوش میں پہنچ کر سب کچھ محبوب ہو گیا۔ نظر اپنی ذات سے ہٹ کر خالق کی ذات کو دیکھنے لگی۔ اس کی فکر میں کائنات کا ہر لفظ سمٹ کر ایک حرف بن گیا۔ تمام اسمائے الٰہیہ سمٹ کر ایک اسم بن گیا۔ اللہ' اللہ' اللہ۔ اس کی

نظر میں' اس کی فکر میں ہر طرف اللہ ہی اللہ تھا۔ ذہن سے لا کا وجود ختم ہو چکا تھا۔ اللہ یقین ہے' اللہ نظر ہے۔ اللہ کی نظر ذات کی ہر تجلی میں اپنا عکس دیکھنے لگی۔ اس کے تفکر کا ہر عکس ایک کائنات ہے۔ نظر اس عکس پر ایک لمحے کو رک گئی اور تفکر کی کائنات اس کے عکس میں منتقل ہونے لگی۔ یہاں تک کہ تفکر کی روشنی پوری کی پوری اس عکس میں جذب ہو گئی۔ عکس کی ہر حرکت کائنات کی حرکت بن گئی۔ اس نے لب کھولے۔ اس کی آواز ساری کائنات کی گونج بن گئی۔ اس نے تجلی کے آئینے میں عکس پر نظر کی اور آئینے میں ساری کائنات متحرک ہو گئی۔ نظر نے دیکھا۔ کائنات کوئی اور نہیں ہے۔ کائنات اس کی نظر کی تجلی ہے۔ تفکر نے اس کے اپنے اندر سرگوشی کی۔ تجلی تو ہمیشہ سے تھی اور اسی طرح تھی۔ پھر تجلی میں یہ عکس کہاں سے ابھرے۔ نظر مسکرائی۔ تفکر اس کی مسکراہٹ کو پہچان گیا۔ اس نے اس کے کان میں ہولے سے کہا۔ تمہاری نظر کا ہر زاویہ (ڈائی مینشن) تجلی کا ایک عکس ہے۔ یہی عکس تو میرا وجود ہے۔ نظر تفکر کے اس انکشاف پر چونک اٹھی۔ اس نے گھبرا کے اسے اپنی آغوش میں کھینچ لیا۔ خبردار یہ راز کسی سے نہ کہنا اور عکس تجلی کی آغوش میں خود اپنے ہی عکس میں کائنات کا نظارہ کرنے لگا۔ یہ کائنات کوئی اور نہیں تھی۔ یہ تو خود محبوب کی ذات تھی۔ وہ محبوب جس کی آغوش رحمت میں اس نے مضبوط پناہیں ڈھونڈ لی تھیں۔ وہی نور علی نور ذات ہے۔ جس کے نور کا ہر ذرہ ایک کائنات ہے اور ہر کائنات اس کی وحدت فکر ہے۔

"کُن فَیَکُون"

گزشتہ تین چار دن سے ذہن کی اسکرین پر "کن" کا لفظ لکھا ہوا دیکھتی رہی اور جب بھی اس لفظ "کن" پر توجہ ذرا گہری ہو جاتی۔ میرے ذہن میں "کن' کن" کی مستقل آوازیں آنے لگتیں اور اسی کے ساتھ ہی میرا دل "کن" سے فیکون ہونے تک کے تمام مراحل کو جاننے کی جستجو میں تڑپ اٹھا اور مرزا غالب کا یہ مصرعہ میری جستجوئے شوق پر تازیانے کا کام کرتا رہا۔

ع جانے کیا گزرے ہے قطرے پہ گہر ہونے تک

اور ایک دن رحمت حق کو میری اس معصومانہ جسارت پر رحم آگیا۔ حسب معمول صبح فجر سے ذرا پہلے مراقبہ میں بیٹھی تو میرے پیارے مرشد کریم' منتہائے عظیم ایک دم میری نظر کے سامنے آگئے اور اسی لمحے سکون و تحفظ کی ایک لہر میرے رگ و ریشے میں دوڑ گئی اور اس کے ساتھ ساتھ میں خالی الذہن ہو گئی۔ میرے رہبر' میرے ہادی' میرے رہنما' میرے پیارے مرشد نے گردن گھما کر میری جانب دیکھا اور آنکھ کے اشارے سے مجھے اپنے پیچھے آنے کا حکم فرمایا۔ میں سب کچھ چھوڑ کر تیزی سے آپ کے پیچھے لپکی۔ میرے قدم بڑھاتے ہی مرشد کریم کا جسم میری نظر سے اوجھل ہو گیا اور جسم کی جگہ ایک شمع روشن دکھائی دی۔ خیال آیا مرشد کریم علم کی شمع ہیں' اس شمع کی روشنی میں' میں آگے چلنے لگی۔ اب پھر مجھے شمع کی جگہ مرشد کریم کا نورانی جسم دکھائی دیا جو اسم بامسمی ہے اور جس کی روشنی مثل آفتاب چاروں طرف پھیل رہی ہے اور روشنی کا یہ جسم اللہ تعالیٰ کی شان استغناء کے ساتھ عجیب دلکش انداز سے آگے بڑھتا جا رہا ہے۔ میرے دل

سے بیساختہ یہ صدا نکلی۔

"سبحان اللہ" یہ سب اللہ ہی کی شانیں ہیں۔ اسی لمحے مرشد کریم کے نوری جسم سے نور کی ایک شعاع نکل کر میرے قلب کے اندر جذب ہو گئی اور مجھے ایسا محسوس ہوا کہ اللہ تعالیٰ کی صفت استغناء کی روشنی مرشد کریم کے ذریعے میرے اندر حلول کر گئی ہے اور میری چال ڈھال میں مرشد کریم کا عکس ابھر آیا۔ میرا جسم چاند کی طرح روشن ہوگیا۔ مرشد پاک بے شمار سیڑھیاں چڑھتے ہوئے ایک دروازے پر رکے۔ دروازہ کھل گیا اس کے اندر تیز روشنیاں دکھائی دیں۔ میں جلدی سے تیز قدم بڑھاتی ہوئی ان کے قریب پہنچ گئی۔ مبادا وہ مجھے پیچھے چھوڑ کر اس دروازے کے اندر داخل ہو جائیں اور میں انہیں ڈھونڈتی ہی رہ جاؤں۔

میری ہانپتی ہوئی سانسوں کی آواز نے انہیں میرے اس اندیشے سے آگاہ کر دیا۔ انہوں نے مسکرا کر پیچھے مڑ کر مجھے دیکھا اور اپنے کندھے سے ایک بڑا سا اسکارف اتار کر میرے سر پر نہایت شفقت کے ساتھ باندھ دیا۔ مجھے ایسا محسوس ہوا کہ اس عالم میں یہ اسکارف میرے لئے مرشد کریم کے ساتھ پہچان کا ایک نشان ہے اور مجھے اطمینان ہو گیا۔ اندر قدم رکھتے ہی احساس ہوا کہ یہ اللہ تعالیٰ کے امر کا عالم ہے۔ تیز روشنیوں میں جگہ جگہ نور کے ذرے چمکتے دکھائی دیئے' ایسا لگا جیسے ہم ستاروں سے بھرے ہوئے آسمان کے اندر چل رہے ہیں۔ میں نے پوچھا۔

یہ ستارے کیا ہیں؟ فرمایا۔ یہ نور کے ذرے کائنات کی اشیاء ہیں' جن کا ظہور حکم کن کے ذریعے سے عمل میں آتا ہے۔ ان کے اس جواب پر جانے کتنے ہی سوال میرے ذہن میں ابھر آئے۔ میں پھر پوچھ بیٹھی۔ میں کیا ہوں' روح کیا ہے' حرکت کیسے ہوتی ہے' لائف اسٹریم کیا ہے؟ میرے ان ڈھیر سارے سوالات پر مرشد پاک نے گہری نظر سے مجھے دیکھا اور مسکراتے ہوئے فرمایا۔ ہم اللہ تعالیٰ کے امر کے اس مقام کی جانب جا رہے ہیں جہاں سے اللہ تعالیٰ کے کن کا آغاز ہوتا ہے۔ جب تم اس مقام سے کائنات کی طرف نظر کرو گی تو تمہیں تمہارے تمام سوالوں کے جوابات مل جائیں گے۔ میں نے خوشی میں مرشد پاک کا بازو تھام لیا تاکہ جلدی جلدی ان کے ساتھ اس مقام پر پہنچ جاؤں۔ یہ ایک اونچی سی گیلری تھی۔ بڑا ہی حسین بالاخانہ تھا جس پر کھڑے ہو کر فضا میں نظر ڈالتے ہی ہر طرف رنگین حسن کا احساس ہوتا تھا۔ ایک لمحہ کو ان حسین نظاروں نے جیسے ہمارے دل موہ لئے۔ میرا ذہن ہر قسم کی جستجو سے خالی ہو کر اس عالم کی رنگینیوں میں کھو گیا۔ جس شے پر نظر پڑتی میں بیساختہ چلا اٹھتی۔ آہا یہ کتنی پیاری لگ رہی ہے۔ جانے کتنی دیر تک ہم اس سیر سے لطف اندوز ہوتے رہے۔ آہستہ آہستہ دل اس نظارے سے سیر ہونے لگا اور نگاہ کی روشنی کائنات میں چاروں طرف پھیلنے کی بجائے آہستہ آہستہ سکڑنے لگی۔ یہاں تک کہ سکڑتے سکڑتے نظر کی روشنی ایک نہایت تیز شعاع کی حیثیت سے باقی رہ گئی۔ نظر کی یہ شعاع نیچے ایک ذرے پر پڑی۔ ذرے کی سطح کو چھوتے ہی یہ مسلسل روشنی یونٹ میں تقسیم ہونے لگی۔ یہ تقسیم شدہ یونٹ لمحہ کن ہے۔ میری نظر نے دیکھا کہ ذرے میں حرکت شروع ہوئی اور ذرہ گردش کرنے لگا۔ ذرے کی گردش کا ہر دائرہ روشنی کی ایک مخصوص یونٹ دکھائی دیا اور چونکہ روشنی کی ہر یونٹ اپنے اندر روشنی کی مختلف مقدار رکھتی ہے اس لئے جب ذرہ روشنی کی اس یونٹ کو اپنے اندر جذب کرتا ہے تو اس کی ہر گردش کی حرکت مختلف ہوتی ہے۔ اس حرکت کا عکس ایک دائرے سے دوسرے دائرے کے درمیان خلاء میں ابھرتا ہے۔ اس طرح روشنی کے ساتھ ساتھ

حرکت کی لہریں ایک تواتر کے ساتھ ذرے کے اندر سفر کرتی ہیں اور ذرے کو حرکت میں رکھتی ہیں۔

ذرے کے اندر حرکت کا یہ نظام جب اپنی گہرائیوں میں پہنچ کر ایک مکمل صورت اختیار کر لیتا ہے تو ذرے کی یہ مخفی حرکت اور روشنی دوبارہ ایک جدید انداز میں اپنے اندر سمائے ہوئے حکم کن کا اجراء کرتی ہے۔ ذرہ اپنے اندر محفوظ روشنیوں کا ذخیرہ اپنی ذات سے باہر خارج کرنے لگتا ہے اور حرکت کے جو عکس ذرے کی ذات کے اندر موجود تھے اس دوسرے حکم کن کے اجراء میں فیکون کے عمل سے گزر کر کائنات کی اشیاء کی صورت میں ڈھل جاتے ہیں۔ کائنات ذات کا عکس ہے' ذات اللہ تعالیٰ کا امر ہے۔ اللہ تعالیٰ کے امر ہی سے کائنات کی مخلوق ذات کی حیثیت سے متعارف ہے اور وہ حقیقی ذات حق باری تعالیٰ اپنے امر سے ماوراء ہے۔ اس ذات باری تعالیٰ تک کسی بھی شعور کی رسائی ناممکن ہے۔ اللہ تعالیٰ کے امر کا عالم ایک خود کار نظام ہے۔ عالم امر کی حرکت اللہ تعالیٰ کے حکم کن کی آواز ہے جس کی لہریں سارے عالم میں پھیلی ہوئی ہیں۔ نور کا ہر ذرہ آواز کی ان لہروں کو اپنی قوت کے مطابق جذب کرتا ہے۔ فیکون کے دائرے میں جب یہ ذرہ اپنے اندر جذب شدہ روشنیوں کا مظاہرہ کرتا ہے تو حکم کن کا وہ لمحہ جو ازل میں کائنات کے نقطے میں کام کر رہا ہے۔ اربوں کھربوں یونٹوں میں تقسیم ہو کر نظر کے سامنے آجاتا ہے اور یہی تقسیم شدہ یونٹ کائنات کی اشیاء کی شکل میں نظر دیکھتی ہے۔ جیسے آتش بازی کے انار کو جب جلایا جاتا ہے تو اس کے اندر بارود کے ذرے اپنے اندر ذخیرہ شدہ روشنی کو باہر خارج کرتے ہیں۔ ہر ذرے کے اندر سے روشنی جب مختلف مقداروں میں خارج ہونے لگتی ہے تو خلاء میں روشنی کا عکس مختلف شکلوں میں ابھر آتا ہے اور نظر ہر عکس کو ایک مختلف خاکے کی صورت میں دیکھتی ہے۔

عالم امر کا ہر ذرہ نور ہے اور نور میں کسی قسم کا تغیرو تبدل نہیں ہے۔ نور کے ہر ذرے کے اندر ازل میں حکم کن کے کہنے سے پہلے جو روشنیاں ذخیرہ تھیں' ان کے اندر بھی کسی قسم کی کوئی تبدیلی نہیں ہے۔ یہ روشنیاں صفات کی روشنیاں ہیں۔ ذات اور صفات میں کوئی تغیرو تبدل نہیں ہے۔ تبدیلی اس وقت آتی ہے جب ذرے کے اندر سے روشنیاں باہر نکلتی ہیں۔ یہی روشنیاں جب حرکت کی لہروں پر سفر کرتی ہیں تو کائنات کے اجسام بناتی ہیں اور یہ اجسام ذات سے تعلق رکھنے کے باوجود بھی ذات نہیں کہلائے جاسکتے۔ البتہ انہیں ذات کا عکس کہا جاسکتا ہے۔ روح عالم امر کے ذرے کے اندر اپنی ذات کا شعور ہے۔ لائف اسٹریم عالم امر سے ملنے والی وہ انرجی ہے جو ذرے کے اندر اپنی ذات کے شعور کو قائم رکھتی ہے۔ یہی شعور جب ذات کی حد سے باہر آتا ہے تو وہ کائناتی شعور سے متعارف ہوتا ہے اور ذات کی یک رنگی کائنات کے رنگوں کو اپنے اندر سمیٹ لیتی ہے۔ لائف اسٹریم ذرے کے اندر یہ مستقل نظام جاری کر دیتی ہے کہ ذرے کا ذاتی شعور اپنی حد سے باہر نکل کر اپنے اندر رنگوں کو جذب کرتا ہے اور پھر یہی شعور اپنے اندر سے ان رنگوں کو خارج کرتا رہتا ہے۔ شعور کا یہی جسم کائنات کی مخلوق ہے انسان کو ان کے علوم عطا کئے گئے ہیں۔ آدمؑ کے اندر روح پھونکنے سے اللہ تعالیٰ کی مراد علم الاسماء ہیں۔

جب تک عالم امر کے ذرے کے اندر اس کی اپنی ذات کا شعور نہیں پایا جاتا۔ یہ ذرہ اللہ تعالیٰ کی تجلی کا ایک ذرہ ہے' جس کو اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام میں ناقابل تذکرہ کہا ہے کہ انسان پر ایک ایسا بھی وقت آچکا ہے جب وہ ناقابل تذکرہ شے تھا۔

عالم امر کے ایک ذرے کے اندر قدرت کی یہ ناقابل تسخیر کارفرمائیاں دیکھ کر ذہن میں پھر سوال ابھرا اور حسب معمول میں نے پھر مرشد کریم سے اپنے تجسس کی تشنگی بجھانا چاہی کہ عالم امر کو کنٹرول کرنے والی ہستی کون ہے۔ مرشد پاک نے میرے اس سوال پر چونک کر میری جانب دیکھا۔ پھر بڑے پیار سے مسکرائے اور فرمایا۔ عالم امر اللہ تعالیٰ کے محبوب حضرت محمد الرسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ذہن مبارک ہے اور اسے کنٹرول کرنے والی ہستی ہمارے پیارے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات مبارک ہے۔ کائنات کی تخلیق ہمارے پیارے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دماغ سے وجود میں آئی ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پیدا کرنے والی ہستی اللہ تعالیٰ کی ذات اقدس ہے جس کا تعلق براہ راست حضور پاکؐ سے ہے، مگر کائنات اور مخلوق کے درمیان عالم امر کے حجابات حائل ہیں۔ کسی بشر کی یہ مجال نہیں ہے کہ وہ ان حجابات کے بغیر اللہ تعالیٰ کی ہستی کو دیکھ سکے یا کلام کر سکے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام میں فرمایا ہے:

سورۃ الشوریٰ آیت نمبر51

ترجمہ: اور کسی بشر کی یہ شان نہیں کہ کلام کرے اس کے ساتھ اللہ تعالیٰ (براہ راست) مگر وحی کے ذریعے سے یا پس پردہ یا بھیجے کوئی پیغامبر اور وہ وحی کرے اس کے حکم سے جو اللہ تعالیٰ چاہئے۔ بلاشبہ وہ اونچی شان والا بہت دانا ہے۔ سورۃ الشوریٰ آیت نمبر51

سر لامکاں سے طلب ہوئی سوئے منتہا وہ چلے نبیؐ
کوئی حد ہے ان کے عروج کی بلغ العلیٰ بکمالہ

سیاق کی تجلی

رات بمشکل ایک ڈیڑھ گھنٹے سوئی ہوں گی کہ نیند کا غلبہ ختم ہوگیا اور ذہن لاشعور کی تحریکات کو دیکھنے لگا۔ سب سے پہلے تو ایک دو جملے سنائی دیئے جو شعور کے لئے بے ربط تھے۔ میں ان کا مطلب سمجھ نہ سکی اور یہی وجہ میرے شعور کی مکمل بیداری کا باعث بن گئی۔ میرا تجسس ابھر آیا اور ذہن غیب کی تحریکات کو سمجھنے کے لئے پوری طرح چاق وچوبند ہوگیا۔ میں بے حس و حرکت بستر پر لیٹی تھی۔ اتنے میں میری پیشانی پر ایک بڑی سی کھڑکی کھلی۔ مجھے اپنی پیشانی ایک دیوار کی طرح دکھائی دی جس میں یہ بڑی سی کھڑکی تھی۔ کھڑکی کے کھلتے ہی ایسا لگا کہ پیشانی کے اندر ذہن ایک بہت ہی بڑے ہال کی طرح ہے۔ کھڑکی کھلتے ہی سب سے پہلا آسمان اور اس کے اندر کے تمام عالمین اور ہر شے اس کھڑکی کے راستے سے اندر داخل ہو گئے۔ پھر اس کے بعد یکے بعد دیگرے دوسرا، تیسرا، چوتھا اور اسی طرح ساتوں آسمان بمع اپنے اندر کی ہر شے کے کھڑکی کے راستے پیشانی کے اندر داخل ہوگئے۔ پھر عرش اعظم بھی اندر داخل ہوگیا۔ میری حالت بالکل مردے کی طرح تھی۔ آنکھیں بند کئے بے حس و حرکت بستر پر پڑی تھی۔ عقل و شعور کی کیفیت یہ تھی کہ جیسے نظر دیکھ رہی ہے اور عقل سمجھ رہی ہے اور ہر شے کو پہچان رہی ہے، مگر شعور کے اوپر لاشعور کا غلبہ تھا جس کی جہ سے بے خیالی کی کیفیت تھی۔ عرش اعظم کے

کھڑکی سے اندر جاتے ہی خیال پیدا ہوا کہ ساری کائنات میرے سر کے اندر ہے۔ اب یہ کھڑکی بند ہو گئی اور نظر باہر کی بجائے ذہن کے اندر دیکھنے لگی۔ ایک انتہائی بڑا کمرہ خوب روشن دکھائی دیا۔ اس کے اندر قطاروں میں کرسیاں لگی ہوئی تھیں۔ ان کرسیوں پر پہلے پیغمبران علیہ السلام آئے اور لائن سے کرسیوں پر پہلی قطار میں بیٹھ گئے۔ پھر صحابہ کرامؓ آئے اور ان کے پیچھے کرسیوں پر بیٹھ گئے۔ پھر اولیاء اللہ آئے اور پھر عام لوگ ان کے پیچھے قطاروں میں کرسیوں پر بیٹھتے چلے گئے۔ اب نظر سامنے پہنچی تو کیا دیکھتی ہوں کہ پیغمبران علیہ السلام کے سامنے کی جانب حضور پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تخت محمود پر شان مصطفائی کے ساتھ جلوہ افروز ہیں۔ آپؐ کے سر مبارک پر مقام محمود کا تاج جگمگا رہا ہے۔ جمال محمدیؐ کے ہوش ربا طلسم نے پوری فضا کو اپنے نور میں ڈبو رکھا ہے۔

ایک جانب حضرت جبرائیل علیہ السلام ہاتھ باندھے کھڑے ہیں۔ آسمان، چاند، سورج، ستارے تمام کے تمام بارگاہ نبویؐ میں عجز و انکساری کا پیکر دکھائی دیتے ہیں۔ مجھے ایسا لگا جیسے یہ حشر کا میدان ہے اور حساب کتاب کا دن ہے۔ اتنے میں حضرت جبرائیل علیہ السلام کی جانب سے منادی ہوئی کہ اے اللہ کے بندو! اس وقت اللہ تعالیٰ کے حکم سے تم سب حشر کے میدان میں جمع ہو۔ اب اللہ تعالیٰ تم سے تمہارے اعمال کا حساب کتاب لینے والے ہیں۔ اس کے لئے تیار ہو جاؤ۔

تمام عالم دم بخود تھا کسی کو دم مارنے کا یارا نہ تھا۔ اسی لمحے نظر نے دیکھا کہ سرور کائنات، فخر موجودات، محبوب رب العالمین ہمارے پیارے رحمت اللعالمین حضرت محمد الرسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سر مبارک پر اوپر کی جانب سے ایک دم بجلی کی طرح سے تجلی آئی۔ اس تجلی نے چشم زدن میں سب کی آنکھیں خیرہ کردیں۔ ایک لمحے بعد جب آنکھیں کھلی تو کیا دیکھتی ہوں کہ حضور پاکؐ کے برابر تخت خداوندی پر اللہ تعالیٰ رب ذوالجلال والاکرام اپنی شان قادریت و شان مطلقیت کے ساتھ جلوہ افروز ہیں۔ نظر نے مشاہدہ کیا کہ تجلی ذات باری تعالیٰ نے اپنے پیارے محبوب مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صورت میں اپنی مخلوق کے سامنے ظاہر ہونا اپنے لئے پسند فرمایا ہے۔ سبحان اللہ!

اللہ تعالیٰ کی ذات پاک تو بس صرف نور ہے، نور علیٰ نور۔ جیسے آسمان ہر سمت اور ہر سو پھیلا ہوا ہے اس کی کوئی صورت نہیں ہے۔ ایسے ہی ذات باری تعالیٰ نور ہے اور نور کی کوئی شکل و صورت نہیں ہے۔ اس نور نے اپنے محبوبؐ کی صورت میں مخلوق کے سامنے آنا پسند فرمایا ہے۔ سبحان اللہ کیا شان ہے اللہ تعالیٰ کے محبوبؐ کی۔ اسی لمحے تمام مخلوق اللہ اکبر کہہ کر سجدے میں گر پڑی۔ حضرت جبرائیل امینؑ نے کچھ دیر بعد اعلان کیا کہ سر سجدے سے اٹھایا جائے۔ نظر نے دیکھا کہ تخت محمود پر محبوب رب العالمین، سراپائے حسن و جمال نور محمدیؐ کی تابانیوں کو لباس بشریت میں چھپائے بیٹھے ہیں اور آپؐ کے برابر میں تخت خداوندی پر نور اول، مرتبہ احدیت میں وحدانیت کی تجلیوں سے آراستہ موجود ہے۔ سبحان اللہ! ایسا لگا جیسے جمال احمدی اپنی تمام رعنائیوں کے ساتھ بے نقاب ہے۔ میرے تمام حواس نظر میں سمٹ آئے۔ ازل کی پیاسی نگاہیں شربت دیدار دل کے پیمانے میں بھر بھر کے پینے لگی۔ پیا کے درشن کو ترسی ہوئی آنکھیں دنیا و مافیہا سے بے خبر ہو کر عشق کے دیوتا کی بلائیں لینے لگیں۔ دل میں اک ہوک اٹھی، تم ہی ہمارے رب ہو، تم ہی ہمارے اول ہو، تم ہی ہمارے آخر ہو، تمہارے ہی قرب کی آرزو نے ہمارے نفس کو جلا ڈالا ہے، تمہارے ہی عشق کی آگ نے ہماری مٹی کو کندن بنا دیا ہے۔ اے محبوب! اپنے حسن کی جھلک دکھا کر اب نظر سے دور نہ جانا کہ دل بیتاب میں اب تیری

جدائی کی تاب نہیں ہے۔ میری روح عشق حقیقی کی تپش سے پگھلنے لگی۔ اس کے ادراک لطیف سے لطیف تر ہوتے چلے گئے۔ اس کے دل سے ایک سسکی ابھری اور اسی لمحے ایک تجلی چمکی اور اس تجلی نے روح کو بھرے دربار سے اٹھا کر اپنے پیچھے غیب میں ڈال دیا۔ نظر نے دیکھا جیسے ایک شعلہ سا کوندا اور اس شعلے نے روح کو اپنے اندر چھپا لیا۔ آن کی آن میں یہ شعلہ روح کو لے کر تخت خداوندی کے پیچھے غائب ہوگیا۔ نظر دربار کے پیچھے کچھ نہ دیکھ سکی۔

نورِ نبوت

صبح صادق کے وقت درود شریف کی تسبیح پڑھتے ہوئے ایسا محسوس ہوا جیسے میرا سارا جسم موم کی طرح پگھل رہا ہے۔ اپنی ذات کا تصور مادیت سے ہٹ کر صرف نظر کی حیثیت سے باقی رہ گیا۔ کیا دیکھتی ہوں کہ دور ایک نورانی فضا ہے اور اس فضا میں اونچائی کی جانب ایک دروازہ ہے' اس دروازے کی چوکھٹ پر میری روح کھڑی ہے۔ وہ بار بار پاؤں اٹھانے کی کوشش کرتی ہے مگر اٹھا نہیں پاتی۔ میں نے سوچا بھلا اس کومل کامنی' من موہنی کو اب کیا مسئلہ درپیش ہے' شاید پاؤں کسی چیز میں اٹک گیا ہے جا کر دیکھنا چاہئے۔ میں اس کے پاس آئی تو دیکھا کہ اس کا کومل سا بدن کسی انجانے خوف سے لرز رہا ہے' اس کے شہابی رخساروں پر چاندنی چھائی ہوئی ہے۔ میں نے گھبرا کر پوچھا۔ پیاری روح! کیا بات ہے میں آج پہلی بار تمہارے چہرے پر خوف کے آثار دیکھ رہی ہوں۔ میری آواز سنتے ہی اس نے میری طرف دیکھا اور ایک اطمینان کی لہر اس کے اندر دوڑ گئی۔ بدن کا لرزنا ختم ہوگیا۔ وہ خوشی کا گہرا سانس لیتے ہوئے بولی۔

اچھا ہوا تم آگئیں۔ میں کب سے اس دروازے پر کھڑی ہوں جانتی ہوں کہ اس دروازے کے اندر میرے رب کے حسن تقدس کے جلوے ہیں۔ میں اپنے رب کے جمال حسن سے اپنی ازلی تشنگیوں کو دور کرنا چاہتی ہوں' مگر جب بھی اندر جانے کے لئے قدم اٹھاتی ہوں تو پاؤں جیسے چپک کر رہ جاتے ہیں۔ اس کا شوق دید' آرزوئے قرب' جستجوئے وصل میرے دل کی آگ کو بھڑکائے دیتا ہے۔ جب تک میں اس دروازے کے اندر نہ دیکھ لوں مجھے کسی طرح چین نہ آئے گا۔ بار بار کی ناکام کوشش میرے اندر اس

کی ناراضگی کا خوف پیدا کرتی ہے۔ کہیں میرا رب مجھ سے ناراض تو نہیں ہے۔ آخر وہ مجھے اپنے دروازے میں داخل کیوں نہیں ہونے دیتا۔ اچھی لڑکی! مجھے بتاؤ میں کیا کروں۔ میں یہاں سے ہٹنے والی نہیں ہوں۔ میں اس کی اس معصوم سی ضد پر ہنس پڑی۔ کیا خوب! پاؤں میں سکت نہیں ہے' مگر جانا بھی ضروری ہے۔ میں بھلا کیا کر سکتی ہوں اس کے لئے۔ اسی خیال کے ساتھ میں نے اس پر ایک گہری نظر ڈالی۔ اسی لمحے مجھے میرے ہادی میرے رہنما میرے استاد مکرم مرشد کریم پیارے باباجی کا خیال آیا۔ میں چلا پڑی تم بھی عجیب ہو ایسی مشکل میں تم نے باباجی کو کیوں نہیں پکارا۔ تم تنہا اس دروازے کے اندر کیسے جا سکتی ہو۔ غیب کی دنیا میں اجنبی راہوں پر جس نگری کے قانون سے تم واقف نہیں وہاں تم تنہا کیسے داخل ہو سکتی ہو۔ غیب کی دنیا کی وسعتیں تمہارے اس ننھے سے وجود کو اپنی لامحدود فضاؤں میں گم کر دیں تو تم کہاں بھٹکتی پھرو گی۔ باباجی کا نام سنتے ہی اس کا چہرہ خوشی سے دمکنے لگا جیسے مردہ جسم میں جان آگئی ہو۔ خوشی سے اس کی آنکھیں بھر آئیں' کہنے لگی۔ اللہ تعالیٰ کے عجائبات غیب کو دیکھنے کے اشتیاق نے مجھے سب کچھ بھلا دیا۔ پھر اس نے اپنے ملکوتی لب کھولے اور عجیب دلربا انداز میں باباجی کو پکارا۔ فضا کا ذرہ ذرہ اس کی آواز پر جھوم اٹھا۔ دوسرے لمحے باباجی روح کے قریب کھڑے دکھائی دیئے۔ روح نے باباجی کو فرش سے جڑے ہوئے اپنے پاؤں دکھائے اور دروازے کے اندر جانے کی اجازت چاہی۔ باباجی مسکرائے اور روح کے سر اور شانوں پر اپنی چادر ڈال دی اور اچھی طرح اس کے گرد لپیٹتے ہوئے فرمایا۔

آئندہ جب بھی تم اس دروازے کے اندر قدم رکھو تو یہ چادر اوڑھ لیا کرو۔ اس چادر کے ساتھ تم قلندری نسبت سے پہچانی جاؤ گی۔ میری نظر باباجی کی شفقت میں اللہ تعالیٰ کی شان رحیمی اور شان ربوبیت کا مشاہدہ کرنے لگی' خیال آیا۔ غیب میں داخل ہونے کے لئے کسی نہ کسی رہبر کا ہونا ضروری ہے۔ غیب کے عالمین میں اللہ تعالیٰ کی کرشمہ سازیاں ہیں۔ غیب کے اندر بے شمار دنیائیں آباد ہیں جن کے اندر مشیت ایزدی کی حکمرانی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی حکمتوں سے شعور اور لاشعور دونوں بے خبر ہیں۔ جب تک کسی مرشد کامل کا سہارا نہ ملے ان عالمین کے دروازوں میں داخل ہونا ہی مشکل ہے۔ اللہ تعالیٰ کی معرفت کے عالمین میں مرید اپنے مرشد کے نام سے پہچانا جاتا ہے۔ مرشد کی ہستی اللہ تعالیٰ کی شان ربوبیت اور شان رحیمی کی صفت کا عکس ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق کو بہت محبت سے پالتا ہے۔ اس کی ہر طرح سے حفاظت کرتا ہے اللہ کا ہر تفکر اس کا امر بن کر کائنات کے دائرے میں کام کر رہا ہے۔ امر ربی یعنی روح اللہ کے حکم پر اس کے کاموں کی معاون بن جاتی ہے۔ میں نے دیکھا کہ باباجی نے نہایت ہی شفقت کے ساتھ روح کے سر پر ہاتھ پھیرا اور اسے دروازے کے اندر جانے کی اجازت دے دی۔ روح نے بسم اللہ شریف پڑھ کر قدم اٹھایا۔ اس کے پاؤں اب ہر بندش سے آزاد تھے۔ وہ بے فکر ہو کر اس دروازے کے اندر داخل ہو گئی۔ باباجی جا چکے تھے۔ میری نظر روح کا تعاقب کرنے لگی۔ دل میں تجسس لئے نظر نے روح کو اپنے احاطے میں لے لیا۔ نظر جیسے ہی اندر پہنچی عالم غیب کی وسعتوں کا احساس ہوا۔ پہلے تو ایک لمحے کو روح ٹھٹک کر رہ گئی۔ اوپر نیچے چاروں طرف فضا میں اپنی نظریں دوڑائیں۔ نظر کے سامنے بے شمار کہکشاؤں کے راستے بنے ہوئے تھے۔ ہر راستے کا ایک اپنا ہی رنگ تھا۔ چاروں طرف چراغاں کا سماں تھا۔ ہر راستے پر بے شمار لوگ آجا رہے تھے۔ میں نے کچھ لوگوں کو روح کی طرف بڑھتے دیکھا۔ اسی وقت چند فرشتے آئے اور ان لوگوں سے کہا۔

انہیں چھوڑ دیں' ان کے سر پر باباجی کی چادر ہے۔

روح نے ہر راستے پر ایک اچٹتی ہوئی نظر ڈالی اور پھر داہنی طرف ایک پتلے سے راستے پر قدم رکھ دیا۔ آن کی آن میں وہ ایک حسین ترین وادی میں پہنچ گئی۔ جہاں ہر طرف پھول ہی پھول تھے۔ خیال آیا مقام محمود ہے۔ میں نے دل میں کہا۔ یہ تو محبوب خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کا مقام ہے۔ میری روح یہاں کیسے آگئی؟ نبی اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کا احترام اور دبدبہ میرے حواس پر چھا گیا اور میں دعا کرنے لگی کہ یا باری تعالیٰ! میری روح کو تیری ہی جستجو ہے' تیری ہی کھوج ہے' تیری تلاش اسے تیرے محبوب صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے در پر لے آئی ہے۔ اے ہمارے رب! تو نے ہمیں اپنے پیارے نبیؐ کی تعظیم کا حکم دیا ہے' ان کی بارگاہ ادب میں اونچی آواز سے بولنے کے لئے بھی منع کیا ہے۔ میری روح نادان ہے' ناسمجھ ہے۔ تیرے پیارے رسولؐ کی محبت اور تیرے شوق دید نے اسے ہر شے سے نڈر بنا دیا ہے۔ میری روح کی اس معصوم جرات پر اسے معاف فرما' اس کی ہر تقصیر پر درگذر فرما۔ بے شک، تو رب الرحیم ہے۔ میں نے دیکھا روح حضور پاک صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے محل مبارک کے دروازے پر کھڑی ہے۔ دربان نے اسے دیکھتے ہی پہچان لیا اور ادب کے ساتھ کورنش بجا لاتے ہوئے فرمایا۔

یا سیدی میں سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو آپ کے آنے کی اطلاع کروں۔ یہ کہہ کر وہ اندر جانے کے لئے مڑا۔ نظر نے دیکھا کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم دبیز قالین پر گاؤ تکیے کے سہارے لیٹے ہوئے ہیں۔ دربان کی خبر سن کر رسول اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم فوراً اٹھ بیٹھے اور خوشی کے لہجے میں فرمایا۔ ہاں بھئی ہاں اسے

اندر آنے دو' وہ ہماری بیٹی ہے۔ روح اندر آگئی اور دوڑ کر نانا جان کہہ کر آپؐ کے گلے سے لپٹ گئی۔

حضور پاک صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے اس کے سر اور ماتھے پر کتنے ہی بوسے لئے اور خوشی اور استعجاب کے ملے جلے تاثر کے ساتھ سوال کیا۔ بیٹی کیا تم یہاں اکیلی آئی ہو۔ روح نے مسکراتے ہوئے سر پر اوڑھی ہوئی چادر کی طرف اشارہ کیا۔ اکیلی نہیں اس چادر کے ساتھ آئی ہوں۔ حضور پاکؐ نے فرمایا۔ یہ چادر کس کی ہے؟ روح نے معصومیت کے ساتھ جواب دیا۔ یہ چادر میرے باباجی کی ہے۔ حضور پاکؐ نے ایک گہری نظر چادر پر ڈالی اور پھر مسکرا کر فرمایا۔ سبحان اللہ بہت اچھی ہے۔ اتنے میں حضرت ابوہریرہؓ تشریف لائے۔ روح نے انہیں سلام کیا۔ ایسا لگا جیسے روح برسوں سے انہیں جانتی ہے۔ حضرت ابوہریرہؓ نے روح کے ماتھے کو چوما اور فرمایا۔ بیٹی یہ چادر کس کی ہے؟ ماشاء اللہ بہت خوبصورت ہے۔ روح نے چادر کو اپنے اطراف میں لپیٹتے ہوئے فخر سے جواب دیا۔ یہ چادر میرے باباجی کی ہے۔ میں اس کو اوڑھ کر یہاں اکیلی آئی ہوں۔ اس چادر نے مجھے بہت حفاظت سے یہاں پہنچا دیا' کوئی دقت نہیں ہوئی۔

حضرت ابوہریرہؓ بہت خوش ہوئے اور بہت سی دعائیں دیں۔ نظر نے دیکھا کہ روح ایک معصوم بچے کی طرح اپنے نانا جانؐ کے ساتھ کھیل رہی ہے۔ اس کے نانا جانؐ اسے خوب لاڈ پیار کر رہے ہیں۔ پھر روح حضور پاکؐ سے کہنے لگی۔ نانا جانؐ آپ کی نظر تو براہ راست اللہ تعالیٰ کی تجلیوں کو دیکھتی ہے۔ مجھے یہ تجلیاں کیوں نظر نہیں آتیں۔ حضور پاکؐ نے نہایت ہی شفقت کے ساتھ اس کے سر پر ہاتھ پھیرا اور فرمایا۔ بیٹی ابھی تم چھوٹی ہو اس لئے تمہاری نظر ان تجلیوں کو نہیں دیکھ سکتی۔ روح نے بچے کی طرح ضد

کرنی شروع کردی۔ نانا جان مجھے بھی تو اللہ میاں اتنے ہی اچھے لگتے ہیں جس طرح آپؐ مجھے اچھے لگتے ہیں۔ میں آپؐ کو تو دیکھ سکتی ہوں۔ پھر اللہ میاں کو کیوں نہیں دیکھ سکتی اور اب میں چھوٹی کہاں ہوں نانا! اب تو میں بڑی ہو گئی ہوں اور ابھی تک میں نے اللہ میاں کو نہیں دیکھا ہے۔

روح کی یہ معصومانہ باتیں سن کر رحمتہ اللعالمینؐ نے روح کا سر اپنے سینے سے لگالیا اور والہانہ انداز میں فرمانے لگے۔ بیٹی تم ضرور اپنے رب کا دیدار کرو گی تم میری بیٹی ہو۔ تم ضرور اپنے رب کا دیدار کرو گی اور اسی لمحے نظر نے دیکھا کہ روح کے اوپر جیسے نیند سی طاری ہو گئی۔ جیسے کوئی دودھ پیتا بچہ اپنی ماں کے سینہ سے لگ کر سکون کی میٹھی نیند سو جائے۔ سینہ نبوت کے اندر دل کا دریچہ کھلا اور رحمت خداوندی کا نزول ہونے لگا۔ کتنی ہی دیر تک روح کی نگاہ اپنے طالع بیدار کی خوش بختی کو دیکھتی رہی اور جب وہ اس خواب دل افروز سے بیدار ہوئی تو اس کی آنکھوں میں جام جم کا خمار تھا۔ اس کے روئیں روئیں سے نور پھوٹنے لگا۔ جیسے کوئی نوخیز کلی چٹک کر پھول بن جائے۔ روح نے عشق حقیقی کے نشے میں مست ہو کر آہستہ سے حضور پاکؐ کو پیار کیا اور اٹھ کھڑی ہوئی۔

اب وہ حضرت ابوہریرہؓ کے پاس آئی۔ آپؓ ایک درخت کے نیچے بیٹھے نہایت ہی شیریں آواز کے ساتھ حضور پاکؐ کی تعریف میں قصیدہ پڑھ رہے تھے۔ عشق حقیقی کی شراب میں صوت سرمدی کی مدھر تانیں سن کر روح کے دل کی دنیا کا ہر ہر تار جھنجھنا اٹھا۔ اٹھلاتی ہوئی قریب آئی اور کہنے لگی۔ میرے نانا جانؐ کے دل میں تو اللہ پاک کی تجلیاں ہیں۔ آپؓ کے دل کے اندر کیا ہے۔ حضرت ابوہریرہؓ نے عشق میں ڈوبی ہوئی آواز میں جواب دیا۔ آؤ بیٹی! اب تم ہمارے دل کی دنیا کا بھی نظارہ کرلو۔ انہوں نے بڑے ہی پیار سے بچوں کی طرح روح کا سر اپنے سینے سے لگالیا۔ نظر کے سامنے حدیث شریف کی تجلیاں آگئیں۔ ہر تجلی حضور پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ایک حسین جلوہ دکھائی دی۔ یہ رنگ برنگے جلوے، یہ حسن، یہ نور دنیا و مافیہا کی ہر شے کو بھلا دینے کے لئے کافی ہے۔ حضرت ابوہریرہؓ کے سینے میں عشق محمدیؐ کی بجلیاں کوندتی دکھائی دیں۔ حدیث شریف کی ہر تجلی جلوۂ محمد الرسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے۔ روح نے جی بھر کر سیر ہونے کے بعد سر اٹھایا اور ملکوتی مسکراہٹ کے ساتھ گویا ہوئی۔

اب میں جان گئی میرے نانا جانؐ کے دل میں تو اللہ تعالیٰ کا عشق ہے اور آپؓ ہر وقت اللہ کے عشق میں ڈوبے رہتے ہیں مگر آپؓ کے دل میں میرے نانا جانؐ کا عشق ہے۔ آپؓ انہیں کے جلووں میں مست رہتے ہیں۔ حضرت ابوہریرہؓ نے سکون کا ایک گہرا سانس لیتے ہوئے فرمایا۔ بیٹی محبوبؐ کی نظروں نے اپنے عشق کی شراب میرے دل کے ساغر میں بھر دی ہے۔ اب کسی اور کی کہاں گنجائش ہے۔

اور روح عشق حقیقی کے نشے میں سرشار ہنستی اٹھلاتی بچوں کی طرح رقص کرتی ہوئی نظر سے اوجھل ہو گئی۔

مصوّرُ الارحام

جب میں نے اپنی ذات کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ وابستہ کردیا۔ اس طرح کہ اس کی عظمت کے پردوں میں میرا ادنیٰ وجود خود اپنی نظروں سے پوشیدہ ہوگیا۔ تب اس نے اپنے کمالات کی سلیمانی انگشتری پہنا کر میرے وجود کے نقطے کو اپنی عظمت کے پردے پر ظاہر کردیا۔ صحرائے اعظم میں ریت کے حقیر ذرے کی طرح میرے وجود کا کمترین نقطہ اس کے کمالات کے انمول خزانوں کے ساتھ خود انمول ہوگیا۔ میری ذات اس کی پہچان بن گئی۔ اس کے کمالات میرا خزانہ بن گئے' اس کی بینائی میری نظر بن گئی۔ مرکز نظر میری آنکھ ہوگئی' میں نے پہچان لیا۔ میرے وجود کا لطیف ترین مرکزی نقطہ میری آنکھ کی پتلی کا تل ہے۔ اس کے خزانوں کا جمال اسی مرکز پر جلوہ افروز ہوا۔ محبوب افق اعلیٰ پر رونق افروز ہوا۔ پہچانے جانے کا تفکر چھپے ہوئے خزانوں کو ظاہر کرتا گیا۔ افق اعلیٰ پر تجلیات کا ہجوم ہوگیا۔ اس کی رحمت کی سلیمانی انگشتری نے میرے وجود کے ہر ذرے کو آنکھ بنا دیا۔ لامحدودیت میں لامحدودیت کی نگاہ کام کرنے لگی۔ حقیقت الحقائق وہ ہے جو اس آنکھ کی پتلی کے تل میں ہے۔ روح اعظم کی آنکھ' تجلی کی آنکھ' آئینہ حق' عرق اعظم۔

اللہ تعالیٰ کے خزانے اللہ تعالیٰ کے اسمائے الٰہیہ کا جمال ہیں۔ جمال کا دیکھنا ہی جمال کی تعریف ہے۔ سینہ بہ سینہ منتقل ہونے والے علوم مشاہداتی علوم ہیں۔ کتابوں میں پڑھ کر یہ علوم اس وجہ سے حاصل نہیں ہوتے کیونکہ الفاظ کے حروف انوار کے لئے پردہ بن جاتے ہیں۔ آدمی کی نظر پردے کو دیکھتی ہے' انوار کو نہیں دیکھتی۔ نظر جس چیز کو دیکھتی ہے اس کا عکس دماغ میں محفوظ ہوجاتا ہے۔ پھر یہی عکس بار بار دماغ کے پردے پر منعکس ہوتا رہتا ہے۔ یعنی نظر کا دیکھا ہوا یہ پہلا عکس یقین کی بنیاد ہے۔ یقین کی دو سمتیں ہیں۔ ایک سمت حقیقت ہے' دوسری سمت مفروضہ ہے لیکن چونکہ یہ دونوں سمتیں ایک ہی بنیاد پر کھڑی ہیں۔ اس وجہ سے حقیقت اور مفروضہ دونوں ہی یقین کے لباس میں دکھائی دیتی ہیں' یہی وجہ ہے کہ نظر دھوکہ کھا جاتی ہے' مگر جیسے ہی یقین کے پردے میں حقیقت کی روشنی نظر آتی ہے۔ تمام مفروضہ نظریات ہلاک ہو جاتے ہیں۔ حقیقت کی یہی روشنی قلب کی آنکھ بن جاتی ہے۔ غیب کا ہر مشاہدہ یقین کی بنیاد پر انسان کے اندر کام کرنے والی صلاحیت بن کر ابھرتا ہے۔ حقیقت کی ہر روشنی روح کی فطرت ہے۔ غیب کے مشاہدے سے روحانی طرز فکر متحرک ہوجاتی ہے۔ تمام مفروضہ نظریات و صلاحیتیں روح کی فطرت سے جدا ہیں۔ یہ عالم ناسوت کی روشنیوں کا ردعمل ہے۔ جس کی وجہ سے عالم ناسوت کی حدود سے نکلتے ہی نظر پر ان کی خرابیاں واضح ہو جاتی ہیں۔ اگر عالم ناسوت کی روشنیوں کا ردعمل انسان کے حواس کے دائروں میں شدید ہو تو آدمی کے اندر سفلی تحریکات بیدار ہوجاتی ہیں اور وہ مرنے کے بعد اسفل میں جاگرتا ہے۔ یعنی انسانی نفس کی کمزوریاں حرکت میں آجاتی ہیں۔ جن کا روح کی فطرت سے کوئی واسطہ نہیں ہے۔ روح اپنی ذات میں فطرتاً معصوم ہے۔ روح کی ذاتی حرکت "امر ربی" کی حرکت ہے۔ روح کا شعور "امر ربی" کا شعور ہے۔ غلطی کا مرتکب انسانی شعور و عقل بنتا ہے' روحانی شعور نہیں بنتا۔ روحانی شعور غیب کے انکشافات کرتا ہے۔

ایک دن صبح صادق کے وقت آنکھ کھلی۔ آنکھ کھلتے ہی روح کے حواس شعوری حواس سے متصل ہوگئے۔ مجھے یوں محسوس ہوا جیسے میرے بطن سے ولادت ہورہی ہے۔ یہ فکر شعوری حواس کے دائرے سے گزر کر روحانی حواس کے دائرے میں داخل ہوگئی۔

پھر میرے یہاں ولادت ہوئی اور دوسرے ہی لمحے ساری دنیا بلکہ سارا عالم سامنے آگیا۔ اس لمحے یوں لگا جیسے ایک ساتھ بہت سے بچوں نے جنم لیا ہے۔ میری نظر اپنی تخلیق پر گئی۔ ممتا کی محبت پکار اٹھی یہ اولاد سعید ہے۔ اب نگاہ تمام بچوں پر گئی۔ ممتا پھر پکار اٹھی یہ سب سعید اولادیں ہیں۔ اسی لمحے شعور میں تجسس ابھرا۔ ممتا کی نظر کیا ہے اور کس طرح دیکھتی ہے؟ ذہن کا سوال جواب کا پیش رفت نکلا۔ میں نے دیکھا روح آسمان کی جانب بڑے انہماک سے دیکھ رہی ہے۔ میں نے بھی اس کی تقلید میں آسمان کی جانب نظر ڈالی۔ تمام آسمان خوبصورت رنگ برنگی تصاویر سے مزین تھا۔ دل نے کہا۔ یہ عالم مثال کا پردہ ہے۔ میں نے اب غور سے اس پردے کو دیکھا۔ تو یہ آسمان دکھائی دیا۔ ذہن یا عقل بولی۔ یہ پردہ ہی آسمان ہے۔ اس آسمان پر رنگین شعاعوں سے بہت واضح اور خوبصورت تصاویر بنتی جارہی تھیں۔ روح کی نظر بہت دیر تک ان تصاویر کو دیکھتی رہی۔ جس طرح کیمرہ اپنے اندر تصویر محفوظ کرلیتا ہے۔ اسی طرح روح کی آنکھ نے بھی اپنے اندر آسمان پر نمودار ہونے والے عکس اتار لئے۔ آسمان پر عکس بدلتے جارہے تھے۔ اب روح نے آسمان سے نظر ہٹائی اور نیچے زمین کی جانب نظر کی۔ نہایت ہی احتیاط سے نظر کی روشنی میں ایک انتہائی لطیف عکس جو ہوبہو آسمان کے عکس جیسا تھا' روشنی میں نیچے اترا۔ روح کی نظر زمین پر ایک عورت کے رحم پر تھی۔ نظر کی روشنی میں یہ لطیف ترین جلوہ یا عکس اتر کر رحم کے اندر سمٹ کر بیٹھ گیا۔ میرے لب فطرت کی معصومیت پر مسکرا اٹھے۔ اسی لمحے روح نے میری جانب دیکھا' کہنے لگی۔

میں مصور الارحام ہوں۔ میں رحموں میں تصویر بنانے والی ہوں۔ میری تصویر میں کوئی نقص نہیں ہے۔ تم نے دیکھا؟ میں نے کہا۔ ہاں میں نے دیکھا۔ تم نے ہوبہو آسمان کی تصویر کے مطابق تصویر بنائی ہے۔ کہنے لگی۔ لوح محفوظ کی تمثالیں اس پردے پر اترتی ہیں' دراصل یہ تمثالیں پردے کے اندر اترتی ہیں۔ وہاں سے آہستہ آہستہ اس پردے پر ظاہر ہوتی جاتی ہیں۔ عالم مثال کے پردے پر تصویر کا ہر رنگ اسمائے الہیہ کی صفت ہے۔ کائنات کا ہر نقش اپنی ذات میں اسمائے الہیہ فطرت پر ہے۔ لوح محفوظ کی ہر تمثال اللہ تعالیٰ کی بہترین صناعی ہے۔ روح اللہ کے امر کو کائنات میں جاری و ساری رکھنے کے کام پر مقرر و مامور ہے۔ جس صناعی کو اپنے اسماء کے انوار سے مزین کرکے اپنی بہترین کارکردگی کا مظاہرہ خالقیت کی شان کر رہی ہے۔ اس صناعی کو "امر ربی" یا روح خالق کے حکم پر دہرا رہی ہے۔ "امر ربی" اللہ کا ارادہ ہے۔ روح اللہ کے ارادے پر کام کرتی ہے' روح کی کارکردگی میں کوئی خرابی نہیں ہے۔ میرے ذہن میں ایک دم سے سوال پیدا ہوا۔ پھر خرابی کہاں ہے؟ میرے کہنے سے پہلے ہی روح بولی۔ روح کا ہر کام اسمائے الہیہ کی فطرت پر ہے۔ میں اسمائے الہیہ کی فطرت کے مطابق مصور ہوں' جس طرح اسمائے الہیہ میرے افق پر تصویر کشی کرتے ہیں میں ہوبہو اسی طرح کرتی ہوں۔ اب اس نے مجھے دوبارہ وہی منظر دکھایا کہ آسمان پر ایک نہایت ہی حسین تصویر ہے۔ روح نظر بھر کر اس کو دیکھتی ہے۔ پھر زمین پر نظر کرتی ہے اور نظر کی روشنی میں یہ جلوہ آسمان سے زمین کی جانب اترتا چلا آتا ہے۔ زمین پر ایک عورت کے رحم میں سمٹ کر سما جاتا ہے۔ یہ حسین جلوہ ہوبہو آسمان کی تصویر جیسا تھا۔ میرے منہ سے بیساختہ نکلا۔ اے روح! تم بلاشبہ مصور الارحام ہو۔ اب میری نظر روح کی نگاہ کی روشنی میں اس عورت کے رحم پر تھی۔ اس رحم کی اندھیری کوٹھری میں ایک پائپ نما سوراخ کے ذریعے دھواں داخل ہونے لگا۔ رحم کی تصویر متاثر ہونے لگی۔ میں خوف اور رنج سے پریشان ہو کر چیخنے لگی۔ نہیں نہیں ایسا

مت کرو۔ اندھیرے میں روشنی کی ضرورت ہے۔ کالے دھوئیں کی نہیں مگر یوں لگا جیسے اس عورت تک میری آواز ہی نہیں پہنچی۔ روح بولی تم نے دیکھا۔ میں نے ٹھنڈا سانس بھر کر کہا۔ ہاں دیکھ لیا۔ میرے اندر بیزاری سی محسوس ہوئی۔ مجھے اس سے کوئی دلچسپی نہ تھی کہ اس عورت کے ہاں ولادت ہو اور میں دیکھوں کیونکہ دھوئیں کو دیکھ کر پہلے ہی جان چکی تھی کہ تصویر کے اصلی رنگ دھوئیں کی سیاہی کے پیچھے چھپ چکے ہیں مگر "امرربی" کی ہر حرکت کمان سے نکلے ہوئے تیر کی طرح جاری و ساری ہے۔ اسے کون روک سکتا ہے۔ زمین کی تخلیق دھوئیں کے خول میں کھڑی تھی۔ میں نے دیکھا روح کی نظروں میں ایک دم سے ممتا کی روشنی چمکی اور اس روشنی نے دھوئیں کے اس خول کا احاطہ کرلیا۔ روح کی توجہ مسلسل اپنی تصویر کی جانب تھی۔ میں نے روح کی روشنی میں اس کی توجہ کی جانب دیکھا۔ روح کی توجہ اور تحفظ کی فکر قطار اندر قطار فرشتوں کے روپ میں دخان کے اندر اترتے چلے جارہے تھے۔ ان فرشتوں نے اس تخلیق کو ہر طرف سے گھیر لیا تاکہ اس کی ہر حرکت کنٹرول میں رہے۔ روح بولی۔ جس طرح ذات خالق کی صفت خالقیت کا مظاہرہ روح کے ذریعے ہو رہا ہے۔ یعنی روح عالم مثال کے تمثل کو اللہ کے امر کے انوار سے سیراب کرکے جسم مثالی کی صورت میں ڈھالتی ہے۔ جسم مثالی روح کی تخلیق ہے۔ یہی جسم مثالی مادی صورت میں دنیا میں ظاہر ہوتا ہے۔ دنیا میں تخلیقی قانون کے مطابق مادی وجود عورت و مرد اس کا سبب بنتے ہیں۔ پس یہ مادی وجود جسم مثالی کے مادی جسم کی تخلیق میں روح کے شریک ہیں۔ اگر مرد و زن اپنی روح سے واقف ہوں اور اپنے اندر کام کرنے والے امر کی حرکات سے تعاون کریں تو کوئی وجہ نہیں ہے کہ ان کی تخلیق میں کوئی نقص رہ جائے۔ ایسی صورت میں خلق کی کمزوری کے پس پردہ کوئی نہ کوئی حکمت سامنے آجاتی ہے۔ جس سے دل پرسکون رہتا ہے اور اللہ پر یقین بھی پختہ رہتا ہے۔

میں نے روح سے پوچھا۔ تو کیا صرف صلبی اولاد ہی کی تخلیق میں انسان کے ارادے کا دخل ہے یا روح کے اور بھی کاموں میں انسانی ارادہ شامل ہوتا ہے؟ روح بولی۔ انسان کے ذہن کا ہر خیال جسم مثالی کی ایک تصویر ہے۔ جو روح کے امر کی صورت ہے۔ انسانی ذہن کے اندر یہ روشنیاں تخلیقی مدارج سے گزرتی ہیں اور کسی نہ کسی صورت میں خواہ یہ صورت مادی ہو یا ماورائی ہو تخلیق ہو جاتی ہیں۔ مادی صورت کو انسان کی آنکھ دیکھ لیتی ہے یا ظاہری حواس کسی طرح پہچان لیتے ہیں' مگر ماورائی صورت کو انسان کے باطنی حواس پہچانتے ہیں اور ظاہری حواس ان سے بے خبر رہتے ہیں۔ مرنے کے بعد انسان اپنے ارادے کی تخلیق کردہ دنیا میں پہنچ جاتا ہے۔ اسی کو اعمال کا ریکارڈ کہتے ہیں۔ میرے ذہن پر خیال گزرا کہ جانے کتنے ہی خیالات اور اعمال ہم سے الٹے سیدھے ہوتے رہتے ہیں جن کی خبر بھی نہیں ہوتی یاہم توجہ بھی نہیں دیتے۔ اس میں آدمی کا کیا قصور یہ تو زندگی ہے بس گزر رہی ہے۔ روح فوراً بولی۔ وہ میرے ہر خیال سے واقف تھی۔ بولی' انسان تو ایک مشین ہے۔ جو روح کے خیالات کی تصویر کی کاپی بنا رہی ہے۔ مشین درست ہوگی تو کاپی بھی صحیح بنے گی۔ ورنہ جیسی بھی بنے گی اسی کو دیکھنی پڑے گی۔ نظر کی خاصیت ہے کہ وہ حسن و جمال کو پسند کرتی ہے۔ بدصورت شے کو زیادہ دیر دیکھنے سے دماغ پر دباؤ پڑتا ہے۔ یہی انسان کی سزا ہے۔ میری نظر دور افق پر جا پہنچی۔ ہری بھری جنتوں میں روح اپنے محبوب کے ساتھ تھی۔ دل پہچان گیا۔ اللہ کے ارادے کی تصویروں کا عکس روح کی آنکھ میں ہے۔ روح کی آنکھ کا عکس میرا تصور ہے' میرا

تصور ہی میری جنت ہے' میرے تصور کی جنت کے ہر قدم پر محبوب کی ایک تصویر کھڑی تھی۔ میرے دل کی گہرائی سے صدا آئی۔ اے روح! تو مصور الارحام ہے۔ مجھے بھی مصوری کا یہ فن سکھا دے تاکہ میں بھی اپنے تصور کو اس جنت میں مظاہراتی رنگ بھر سکوں اور اپنے تمام حواس کے ساتھ محبوب کے قرب کا لطف اٹھا سکوں۔

صراطِ مستقیم

صبح سویرے آنکھ کھلی۔ تقریباً پونے پانچ بجے تھے۔ ابھی تو پرندے بھی گہری نیند میں تھے۔ سردی کے موسم میں انگلینڈ میں سورج آٹھ بجے نکلتا ہے۔ اسی حساب سے ہر مخلوق اپنے آرام کے وقت کا تعین کر لیتی ہے۔ رات کے گہرے اندھیرے اور سناٹے نے ذہن کی یکسوئی کو اور زیادہ بڑھا دیا۔ دماغ میں نہایت ہی پر جلال و گھمبیر آواز گونجی۔ بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ٥ اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ رَبِّ الۡعٰلَمِیۡنَ ٥ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ٥ اسی طرح پوری سورہ فاتحہ ذہن میں گونج اٹھی۔ اس لمحے میرے حواس کی حالت یہ تھی۔ جیسے پانی سے بھرا ایک تالاب ہے جس کی سطح بالکل پرسکون و پرسکوت ہے۔ اس تالاب میں کوئی کنکر پھینک رہا ہے اور پرسکون سطح پر لہروں کے دائرے بنتے جا رہے ہیں۔ میرے اندر کی آنکھ ان دائروں کو بنتے اور مٹتے دیکھتی رہی۔ جو آواز کے پریشر سے حواس کی سطح پر بنتے جا رہے تھے۔ ساتھ ہی ساتھ ذہن میں یہ بات آئی کہ سورہ فاتحہ کا حقیقت میں مطلب وہ نہیں ہے جو قرآن کے لفظی معنی میں بیان کیا گیا ہے۔ میں اندرونی طور پر یہ جان گئی کہ سورہ فاتحہ کے نورانی تمثلات کا عکس شعور و ذہن کے آئینے میں عکس ریز ہو رہا ہے۔ بستر پر میری حالت ایسی تھی جیسے کوئی مردہ لاش بے حس و حرکت پڑی ہو' جس کی آنکھیں بھی بند ہوں۔ فرق صرف اتنا تھا کہ اندر ہی اندر میرا دماغ و ذہن پوری طرح چل رہا تھا۔ مجھے اس بات کا پورا شعور تھا کہ میں جاگ رہی ہوں اور بستر پر ہوں' مگر میرا ذہن اور شعور غیب سے آنے والی اطلاعات میں اس قدر منہمک تھا کہ اردگرد کے ماحول سے پوری طرح بے نیاز تھا۔ جیسے ہی سورہ فاتحہ کی آواز آنی بند ہوئی۔ ایک توقف کے بعد دل نے انہی الفاظ کو دعائیہ انداز

میں دہرانا شروع کردیا۔ اس کے انداز میں عاجزی' انکساری اور علم جاننے کا تجسس تھا۔ جیسے ہی دل نے یہ دعا ختم کی میں نے دیکھا کہ تہہ در تہہ نور کی ایک وسیع و عریض فضا ہے جیسے آسمان پر تہہ در تہہ بادل۔ ایک نورانی نہایت ہی لطیف ہیولا اس نور کے بادلوں میں اوپر سے نیچے نہایت تیزی سے اتر رہا ہے۔ جیسے ہی وہ قریب آیا میں اسے پہچان گئی' وہ روح تھی۔ مجھے اسے دیکھ کر نہایت ہی لطافت کا احساس ہوا۔ پارے کے جیسے رنگ کا جھلمل کرتا لباس انتہائی لطیف تھا جیسے زیورات پر چاندی یا سونے کی پالش کی جاتی ہے۔ اس لطیف لباس کے اندر سے اس کے نورانی جسم کے رنگ جھلک رہے تھے۔ دیکھنے میں یوں لگتا تھا جیسے روح نے ایک پر ایک بہت سے لباس پہن رکھے ہیں اور ہر لباس ایک مختلف رنگ کا ہے' مگر ہر لباس انتہائی لطیف ہے۔ باہر سے دیکھنے میں نظر گہرائی تک ان رنگوں کو دیکھ سکتی ہے اور سطح سے دیکھنے میں روح کے ابعاد اور ڈائی میلشن کا احساس ہوتا ہے۔ میری نگاہ نہایت ہی انہماک کے ساتھ اس کے لباس کے رنگوں کی گہرائی میں اترتی چلی گئی۔ میں اسی انہماک میں تھی کہ روح کی آواز آئی۔ اے بنت رسولؐ! آپ کیا جاننا چاہتی ہیں۔ میرے قلب کی آنکھ نے دیکھا کہ روح کے تمام ڈائی میلشن ایک لہر کی صورت میں مل کھا گئے۔ میری نگاہ گہرائی سے سطح پر آگئی۔ روح کا جمالی اداؤں میں لہراتا بدن پھولوں سے لدی نازک ڈالی کی طرح تھا۔ جو ہوا کے جھولوں میں جھول رہی ہو۔ میری نگاہ خالق کی صناعی پر تعظیماً" جھک گئی۔

میں نے نہایت عقیدت و احترام کے ساتھ روح کو سلام کیا اور اس کا میری جانب توجہ کرنے پر شکریہ ادا کیا۔ میں نے کہا۔ اے روح! خالق کونین نے تمہیں اپنے پورے رنگوں کے ساتھ آراستہ کیا ہے' تم اس کے جمال اور خود نمائی کا بہترین عکس ہو۔ خالق

کے امر و ارادے کی جو عکاسی تمہارے آئینے میں ہو رہی ہے' میں اس عکس کو دیکھنا چاہتی ہوں۔ یہ الفاظ کہتے کہتے عاجزی اور ادب کے ساتھ میری گردن جھک گئی۔ روح نے میری جانب گہری نظر سے دیکھا اور اپنی آواز میں روح کی گہرائیوں کو سموتے ہوئے بولی۔

اے بنت رسولؐ! یہ ادب کا مقام ہے' بارگاہ ایزدی میں ادب کے قدم ہی جاسکتے ہیں۔ میں روح کے آگے گھٹنوں کے بل جھک گئی اور نہایت ہی انکساری سے التجا کی۔ اے روح! مجھے ادب کے وہ قدم عطا فرما دو' جن قدموں سے میں اپنے رب کی بارگاہ تک رسائی کرلوں۔ روح میری عاجزی پر اور میری لگن پر ایک دم خوشی سے کھل اٹھی۔ اس نے بڑھ کر میرے دونوں کندھوں سے پکڑ کر مجھے اٹھایا اور نہایت جوش و خوشی میں مجھے گلے سے لگالیا۔ کہنے لگی۔ اے بنت رسولؐ! آپ مجھ سے ہیں۔ اس کے سینے سے لگتے ہی مجھے یوں محسوس ہوا جیسے میں نور کے تہہ در تہہ بادلوں سے گزرتی ہوئی اوپر کی جانب سفر کر رہی ہوں۔ جہاں سے پہلے میں نے روح کو اترتے ہوئے دیکھا تھا۔ ہم اوپر ہی اوپر اڑتے ہوئے ایک ایسے مقام پر پہنچے جہاں آگے راستہ نہ تھا۔ بس ہمارے سامنے ایک کھوہ تھی۔ اس غار سے نور کا زبردست آبشار نکل رہا تھا۔ جیسے ہی ہم اس غار کے قریب پہنچے۔ غار سے ایک بہت ہی بڑے فوارے کی صورت میں نور نہایت ہی پریشر سے نکلا اور روح کے اندر تالو کے راستے داخل ہوگیا۔ اسی لمحے روح کے لب ہلے۔ روح کے لبوں سے صوت سرمدی بلند ہوئی۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ۔ پھر اس کے بعد رُوح کی آواز آئی۔ ازل کے اس مقام پر اللہ نے اپنی ذات کو ظاہر فرمایا۔ اس غار کے پس پردہ اصل ذات نے اپنے آپ کو حجابات میں چھپایا ہوا ہے۔ غار سے نکلنے والا یہ نور اللہ کی ذات کا نور ہے۔ اس نور کے اندر اللہ

تعالیٰ کی دو شانیں کام کر رہی ہیں۔ ایک شان ربوبیت جس کا نام اللہ تعالیٰ نے اسم رحمٰن رکھا ہے اور دوسری شان خالقیت ہے جس کو اسم رحیم کا نام دیا ہے۔ شان ربوبیت شان جلالی ہے۔ جیسے ہی روح نے یہ الفاظ کہے میں نے دیکھا کہ میں روح کے اندر کھڑی روح کے سر کی جانب دیکھ رہی ہوں۔ اس کا سر اوپر سے بالکل بند ہے۔ اتنے میں ایک نہایت ہی زوردار آواز آئی۔ "کن" اور اسی آواز کے پریشر سے روح کا تالو ایک گول دائرے یا کھڑکی کی طرح کھل گیا اور انتہائی پریشر کے ساتھ نور اندر داخل ہوگیا۔ شان جلالی اس کی قوت و جبروت کا مظاہرہ ہے۔ مجھے یوں لگا روح کا تالو ایک مضبوط پہاڑ ہے۔ جس سے مضبوط اور کسی چیز کا تصور نہیں کیا جاسکتا۔ اللہ کے جلال کی قوت و جبروت نے روح کے اندر اپنے نور کا راستہ بنا دیا اور روح کے شعور کو اپنے جلال کی قوت و جبروت کے ساتھ بیدار کردیا۔ اب پھر روح کی آواز آئی۔ شان خالقیت اس کی رحمت ہے۔ اب میں نے دیکھا کہ روح کے اندر سر کی کھڑکی سے یہ نور کا آبشار مسلسل اندر گر رہا ہے اور روح کا وجود اس نور کے رنگوں سے رنگین ہے۔ یہ رنگ دیکھ کر مجھے روح کے جمال کا احساس ہوا۔ روح بولی۔ اللہ کا جلال روح کی قوت ہے اور اللہ کی رحمت روح کا جمال ہے۔

روح اللہ کے جلال اور جمال دونوں کے ملاپ سے وجود میں آئی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی ذات کے ارادے کی جس قوت کے ساتھ تجلی ذات نے اپنی دونوں شانوں کا مظاہرہ کیا۔ وہ قوت لفظ "بسم" ہے۔ "بسم" کے حروف میں اللہ تعالیٰ کے ارادے کی وہ قوت موجود ہے۔ جو تجلی ذات کے اندر موجود شان جلالی اور شان جمالی کو متحرک کر دیتی ہے۔ یہ دونوں قوتیں ربوبیت اور خالقیت کا نور ہیں۔ ذات باری تعالیٰ کا ارادہ اور امر جب اپنی دونوں شانوں کو ظاہر کرنے کے ارادے سے ایک نقطے پر جمع ہوا۔ تو یہ نقطہ کائنات کہلایا۔ ذات باری تعالیٰ کی نظر اپنی تجلی کے اندر موجود اپنی شانوں کو اسم رحمٰن اور رحیم کی صورت میں دیکھتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کے ارادے کے حکم کی قوت صرف "بسم" کے ساتھ اسم رحمٰن اور رحیم کائنات کے نقطے پر جمع ہوئے۔ کائنات کا نقطہ اسم رحمٰن اور رحیم کی صفات کے مظاہرے کا مقام بن گیا اور اللہ تعالیٰ کے ارادے کی قوت لفظ "بسم" اسم رحمٰن اور رحیم کا امر کن بن کر کائنات کے نقطے میں اللہ پاک کی دونوں شانوں کے ساتھ داخل ہوگیا۔ امر کن پر تجلی کا جمال کائنات کی روح اعظم بن کر حقیقت محمدیؐ کے روپ میں ربوبیت اور خالقیت کی صفات کے ساتھ شان جلالی اور شان جمالی کے ساتھ وجود میں آگئی۔ کائنات کا ہر تخلیقی وجود اسی روح اعظم کا مظاہرہ ہے۔ روح اعظم کا مظاہرہ کائنات ہے۔ روح اعظم کا دماغ اللہ کے ارادے کا عکس ہے۔ جس ارادے کے اندر کائنات کی تخلیق کا پروگرام اور علم ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو اسی روح اعظم کے علوم عطا کئے ہیں جو اللہ پاک کی ربوبیت اور خالقیت کی صفت رکھتی ہے۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ کہہ کر اللہ تعالیٰ نے آغاز آفرینش کے اس راز سے حجاب ہٹایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو وہ نظر اور شعور بخشا ہے جو تجلی ذات کے پردے پر اللہ پاک کی شان ربوبیت اور شان خالقیت کا مشاہدہ کر سکتا ہے۔ اللہ کی ذات اپنی دونوں شانوں اسم رحمٰن اور رحیم کے ساتھ اپنی مخلوق پر اور اپنے بندوں پر نہایت ہی مہربان ہے۔ اس نے اپنی قوت و جبروت اور رحمت کے پردے میں کائنات کو ڈھانپ رکھا ہے۔ اسم رحمٰن اس کی قدرت اور قوت کا حامل ہے اور اسم رحیم اس کی رحمت کا حامل ہے اور روح اعظم وہ نقطہ ہے جس نقطے کے اندر دونوں اسماء کی قوتوں اور کمال کا مظاہرہ ہے۔ اس نقطے کا پھیلاؤ کائنات ہے۔ میری نظر روح کے اندر چاروں طرف دیکھنے لگی۔

سر سے داخل ہونے والی روشنی سے روح کا باطن جگمگا رہا تھا۔ روح کے اندر روشنیاں مسلسل پھیلتی دکھائی دیں اور ہر پھیلاؤ روح کا ایک ڈائی مینشن تھا۔ میرے ذہن میں روح کی فکر کام کرنے لگی۔ جو شعور سے کہہ رہی تھی کہ روشنیوں کے یہ ڈائی مینشن کائناتی فارمولے ہیں۔ کائنات کی ہر تخلیق میں مقداروں کا تعین ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام میں فرمایا ہے کہ ہم نے ہر شے کو مقداروں میں بنایا ہے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ نے کائنات کی تخلیق کے ارادے کی قوت کا حرف "بسم" سے تعین کیا ہے اور حرف "بسم" کی قوت سے اسمائے الٰہیہ کی تشکیل ہوئی۔ یہی قوت اسمائے الٰہیہ کے ارادے کے ساتھ جب عمل میں آئی تو حکم "کن" کہلائی۔ امرکن کی قوت پر کائنات کی روح اعظم جب متحرک ہوگئی۔ تو اللہ تعالیٰ کے ارادے کے مطابق کائنات کی عملی تخلیق ہوگئی۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ۝ میں اللہ تعالیٰ نے اپنے ارادے اور اس کی تکمیل میں کام کرنے والے اسمائے الٰہیہ کے علوم حروف کے پردے میں بند کردیئے ہیں۔ ہر حرف میں اللہ تعالیٰ کے ارادے کی ایک حرکت موجود ہے جو اللہ کا علم ہے جب یہ علم روح کے اندر منتقل ہوا تو حرکات عملی صورت میں سامنے آگئیں۔ اب پھر میری نظر روح کے سر کی جانب پہنچی۔ سر سے نور کی شعاع اندر آئی۔ اور اس نور سے آواز آئی۔ اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ رَبِّ الۡعٰلَمِیۡنَ ۝ یہ نور روح کے باطن میں جہاں جہاں پھیلتا گیا یہ آواز بھی گونجتی رہی۔ مجھے یوں لگا جیسے ازل سے ابد تک یہ نور پھیل گیا ہے، اور نور کے ہر پھیلاؤ پر یہی الفاظ اور آواز بلند ہوتی جارہی ہے۔ میرا دل میرا دماغ کہہ اٹھا۔ بلاشبہ ساری تعریفیں تیری ربوبیت کے نور کی ہیں۔ جو ازل سے ابد تک روح کی توانائی اور حیات ہے۔ دل کا یقین زبان بن گیا اور زبان کی حرکت آواز بن گئی۔ میرے ذہن سے آواز آئی۔ اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ رَبِّ الۡعٰلَمِیۡنَ ۝ اَلرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ۝ اب میری نگاہ کے سامنے روح کے باطن میں اس نور کا پھیلاؤ اور ڈائی مینشن آگئے۔ دل نے کہا اسم رحمٰن کا ارادہ ربوبیت کی شان ہے جو روح کے شعور کو ازل سے ابد تک کی وسعتیں بخشتی ہے اور اسم رحیم کا ارادہ خالقیت کی شان ہے۔ جو نور کے جمال کو مرتبہ کمال تک پہنچا کر نظر کے سامنے مظاہر کی صورت میں پیش کر دیتی ہے۔ بلاشبہ وہ رحمٰن اور رحیم ہے جو اللہ کے نور کو مرتبہ کمال تک پہنچانے والا ہے۔ میری زبان پر یہ کلام آگیا۔ مجھے یوں لگ رہا تھا جیسے میرا دماغ اور جسم کے اعضاء کسی دوسری قوت کے زیر اثر ہیں اور یہ قوت روح کی ہے۔ میری زبان سے الفاظ اس طرح ادا ہوئے۔ جیسے میرے ذہن کی تختی پر ساتھ ساتھ یہ حروف نقش بھی ہوتے جارہے ہیں۔ یوں محسوس ہوتا تھا جیسے میرے شعور کی تختی ایک پہاڑ یا چٹان ہے اور یہ آیتیں اس چٹان یا پہاڑ پر کندا ہوتی جارہی ہیں۔

مٰلِکِ یَوۡمِ الدِّیۡنِ ۝ اس کے ساتھ ہی روح کی آواز سنائی دی۔ اے بنت رسول! یہ یوم الدین ہے۔ یوم الدین حواس کا وہ لمحہ ہے جس لمحے انسان کے شعور کو عطا کیے گئے تمام اختیارات واپس لے لئے جائیں گے۔ اس لمحے صرف اللہ پاک کا ارادہ اور اختیار عمل میں آئے گا۔ اس دن خالق کے سامنے انسان کی حیثیت ایک ایسے محتاج کی ہوگی جو سارے کا سارا اپنے مالک کے رحم و کرم پر ہو۔ ذہن کی تختی پر یہ آیتیں نازل ہوئیں۔

اِیَّاکَ نَعۡبُدُ وَ اِیَّاکَ نَسۡتَعِیۡنُ ۝ مجھے یوں محسوس ہوا جیسے میری تخلیق کا مقصد اللہ تعالیٰ نے مجھے بہت وضاحت سے سمجھا دیا ہے اور وہ یہ ہے کہ ہم نے تمہیں صرف اور صرف اپنے ارادے اور امر کی تکمیل کا ذریعہ بنایا ہے۔ اللہ کے علم، اللہ کے ارادے اور اللہ کے امر کے آگے میری روح، میرا دل، میرا شعور اور میرا جسم سر بسجود ہوگیا۔ اے میرے

رب میں تیری شان ربوبیت اور شان خالقیت کا اعتراف اپنی روح کی تمام تر قوتوں کے ساتھ کرتی ہوں۔ یہی اعتراف میری بندگی ہے اور اس بندگی پر ثابت قدم رہنے کی تجھ سے توفیق اور مدد چاہتی ہوں۔

اِھْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ۔ مجھے اپنی بندگی کے اس سیدھے راستے پر قائم رکھ جو راستہ تیری حضوری تک پہنچا دے۔ تیری حضوری تیرے نور کا حصول ہے، تیرا نور میری نظر ہے۔ نور میں مشاہدہ کرنے والی نظر تیرا مرتبہ احسان ہے۔ مرتبہ احسان صراط مستقیم کی منزل ہے۔ اے میرے رب مجھے صراط مستقیم پر مرتبہ احسان عطا فرما تاکہ میری آنکھ تیرے نور سے روشن ہو سکے۔ بلاشبہ میری آنکھ تیرے نور کے بغیر اندھی ہے۔

صِرَاطَ الَّذِیْنَ اَنْعَمْتَ عَلَیْھِمْ ○ میرا شمار ان لوگوں میں کر دے جو تیرے نور سے تجھے دیکھتے ہیں کہ تیری سب سے بڑی نعمت میری آنکھ کی بینائی ہے۔

غَیْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَیْھِمْ وَلَا الضَّآلِّیْنَ ○ میرا شمار ان لوگوں میں نہ کرنا جو تیرے غضب اور غصہ کا شکار اپنی گمراہیوں اور نافرمانیوں کی وجہ سے ہو گئے کیونکہ ان لوگوں نے تیری نعمتوں سے اپنی نادانی میں منہ موڑ لیا ہے۔ بلاشبہ ایسے مغضوب لوگ تیرے نور سے محروم رہیں گے۔ تیرا نور ہی بینائی ہے، نظر ہے۔ میں نے دیکھا روح کا جسم اس فکر پر ذات باری تعالیٰ کے جلال سے ایک جھٹکا کھا گیا۔ جیسے روح کانپ گئی۔ روح کی فکر میرے دل میں سما گئی۔ خیال آیا اگر خدانخواستہ اللہ پاک اپنا نور روح میں سے نکال لیں اور نور کی فراہمی بند کر دیں تو کیا ہوگا۔ میرے شعور کے آگے اندھیروں کے بادل تہہ در تہہ آنے لگے۔ سر سے پاؤں تک میرا جسم کانپ اٹھا۔ بے ساختہ میرے منہ سے نکلا، نہیں نہیں، نہیں نہیں! ایسا ہرگز بھی نہ کرنا۔ تو رحمٰن اور رحیم ہے۔ تیری نگاہ صرف اور صرف اپنی شانوں پر ہی ہونی چاہئے۔

مغرور بہت تھے ہم بلبل کی عنایت پر
جب غور سے دیکھا تو زنجیر نظر آئی

عالم اسلام میں روحانی یونیورسٹی کے تحت جب تک خانقاہی نظام قائم رہا۔ مسلمان حاکم رہے اور غیر مسلم محکوم رہے۔ خانقاہی نظام (روحانی درسگاہیں) نہیں رہیں تو اُمّت مسلمہ فرقوں میں بٹ گئی اور اِس طرح مسلم اُمّہ کا تشخص ختم ہوگیا۔

ایک کتاب جس میں خانقاہی نظام اور تمام سلاسل کے مختلف پہلوؤں کو اُجاگر کیا گیا ہے

مؤلف میاں مشتاق احمد عظیمی روحانی فرزند حضرت خواجہ شمس الدین عظیمی مدظلہ العالی

اللہ کے دوست

حضرت خواجہ شمس الدین عظیمی مدظلہ العالی نے

۳۰ سال اخباروں اور جرائد میں ایک مشہور کالم "روحانی ڈاک" کے نام سے لکھا۔ اِس کالم کے ذریعے آپ نے انسانیت کی بے لوث خدمت کی ہے۔ اُنہی کے اِس ورثہ کو اُن کے روحانی فرزند "میاں مشتاق احمد عظیمی" نے تمام مسائل اور لاعلاج بیماریوں کے علاج کو اکٹھا کرکے آپ کے لئے چار جلدوں میں پیش کیا ہے۔

روحانی ڈاک ۱	روحانی ڈاک ۲
روحانی ڈاک ۳	روحانی ڈاک ۴

آج ہی اپنے قریبی بک سٹال یا براہِ راست ہم سے طلب فرمائیں

مکتبہ عظیمیہ اُردو بازار لاہور

برائے خط و کتابت ۱۵۸۱ ، اے بن بازار لاہور فون: ۷۲۴۳۵۴۱

انسان اللہ تعالیٰ کے تخلیقی علوم کا امین ہے۔ لیکن ظالم اور جاہل ہے۔
ظالم اور جاہل اس لیے کہ تخلیقی علوم سے فائدہ نہیں اٹھاتا
اور جو لوگ کائنات کی تخلیق کا علم سیکھ لیتے ہیں وہ اللہ کے دوست (اولیاءاللہ)
بن جاتے ہیں

ترمیم و اضافہ شدہ

وہ کاررونِ حقیقت ہے جس کو اللہ نے اپنا دوست کہا ہے
میاں مشتاق احمد عظیمی روحانی فرزند حضرت خواجہ شمس الدین عظیمی مدظلہ العالی
نے اس کتاب میں اولیاء اللہ کی کرامات لکھ کر اپنے مرشدِ کریم کے
الفاظ میں کرامات کی تشریح اور سائنسی توجیہہ کی ہے۔
یارانِ طریقت! کتابوں کی دنیا میں روحانیت کے موضوع پر بلاشبہ ایک بھرپور کتاب ہے

مکتبہ عظیمیہ
اُردو بازار لاہور
فون: ۷۲۴۳۵۴۱